مرتبہ منشی دیا نرائن نگم۔ بی اے

نمبر ۱	جنوری سنہ ۱۹۲۲ء	جلد ۳۸

فہرست مضامین

تصویر۔ مان لیلا (رنگین)

زمانہ پریس کانپور سے شایع ہوا

قیمت سالانہ قسم اعلی ۵ر، ۴ر

قیمت فی نمبر ۱۰ر

قیمت رسالہ زمانہ۔ ممالک غیر سے للعہ ر، سالانہ ششماہی سے، ہندوستان کیلیے ششماہی للعہ

زمانہ

جلد ۳۸ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء نمبر ۲۲۶

سلطنت برطانیہ

روے زمین کی تمام سلطنتین مرتبہ مین برطانیہ سے کم ہین۔ کوئی بر اعظم ایسا نہین جسکے
کسی نہ کسی حصہ پر برطانیہ کا کم و بیش سایہ نہو۔ یہ نتیجہ ہے اُس محبت و جفاکشی کا جو اہل برطانیہ
اپنی مادی ترقی کے دُھن مین گذشتہ چارسو برس سے کر رہے ہین ملکہ الیزبتھ کے وقت مین
سلطنت برطانیہ گریٹ برٹن اور آئرلینڈ کے قلیل رقبہ مین محدود تھی لیکن اس حوصلہ مند
فرمانروا ے ملک کی امداد او ہمت افزائی نے اہل انگلینڈ کو اپنے گرد و پیش دور دراز ملکون
کی طرف متوجہ کیا اور اس حوصلمند قوم نے یکے بعد دیگرے اُن مقامات پر قبضہ کرنا شروع
کیا جہان یورپ مین تہذیب کی ہوا تک نہ پہونچی تھی آخر کار توسیع سلطنت کی ہوس نے اس
فاتح قوم کو مفتوحہ مقامات پر آباد ہوکر تعلقات بڑھانے پر مجبور کیا۔ اور رفتہ رفتہ تمدن اور حکومت
کی رفتار کے ساتھ ان نوآبادیون کے طرز حکومت مین نمایان تبدیلیان ہوتی رہین اور آخر کار
نوآبادیون کے تمام جدید باشندون مین انگلش تہذیب کی خو بو اثر کر گئی اور اسی روش پر چلنا
سیکھ گئے اس لحاظ سے یہ کہنا بھی بیجا نہین کہ نوآبادیون کی جدید نسل انگریزون کی معنوی اولاد
ہے چنانچہ کناڈا وغیرہ مین عرصے سے نہ صرف انگلستان کا سا ذمہ دار طرز حکومت قائم ہے بلکہ وہان

کے باشندون نے اپنے ملکی نظام حکومت مین خودمختار ہین ۔

برٹش ایمپائر کی نوآبادیان باعتبار طرز حکومت کے دو اقسام مین تقسیم ہوسکتی ہین اول کراون کالونیز (CROWN KALONIZ) یعنی وہ نوآبادیان جنپر برطانوی گورنمنٹ براہ راست حکومت کرتی ہی - یہ وہ مقامات ہین جہان یا تو انگریزی نسل کے لوگ بکثرت آباد نہین ہوئے یا جو امپیریل پالیسی کے لحاظ سے اس قابل نہین سمجھے جاتے کہ انکو حکومت خوداختیاری عطا کی جاوے اگرچہ اکثر نوآبادیون مین منتخبہ کونسلین قائم ہین دویم ڈومینینس یعنی وہ نوآبادیان جو ملکی نظام حکومت مین پورے طور پر خودمختار ہین اور صرف چند امور خارجیہ مین گورنمنٹ برطانیہ سے وابستہ ہین - کراون کالونیز کے بارے مین اس جگہ صرف اسقدر کہنا کافی ہی کہ انکی حیثیت برطانوی مقبوضات کی سی ہی اور ہر نوآبادی کے لیے ایسا طرز حکومت قائم کیا گیا ہے جو برٹش ایمپائر کے اقتدار اور بہبودی کے لیے حکمران برطانیہ کی نظرون میں مفید معلوم ہو - مگر ڈومینینس کی حالت دوسری ہے انکو یہان تک اختیارات ہین کہ وہ ایسے قوانین نافذ کرین جو حکمرایان برطانیہ کی مرضی کے خلاف ہون اسلیے انکا مقابلہ خودمختار سلطنتون سے ہوسکتا ہے - انکی تعداد اسوقت پانچ ہے ۔

(۱) ڈومینسن آف کناڈا ۔

(۲) کامن ویلتھ آف آسٹریلیا ۔

(۳) ڈومینسن آف نیوزیلینڈ ۔

(۴) یونین آف ساوتھ افریقہ (جنوبی افریقہ)

(۵) نیوفاونڈلینڈ ۔

متذکرۂ بالا نوآبادیون کے نظم ونسق پر غور کرنے سے پیشتر انکی گذشتہ تواریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی حالت کیا سے کیا ہوگئی - نوآبادیان صرف اسی سلطنت کے ساتھ وابستہ ہوسکتی ہین جو اپنی مملکت مین کسی بیرونی قوت کی دست نگر نہون بلکہ اسکے باشندے خود توسیع تجارت وتوسیع تعلقات کی دھن مین اپنے ملک کے باہر قدم نکالکر اپنے سے کمزور ملک خواہ قوم پر اپنا سکہ جمائین اور رفتہ رفتہ اسقدر گہر۔

تعلقات پیدا کرلین کہ وہان خود آباد ہو جائین یا کم از کم اپنی صنعت و تجارت کے لیے اسکو اپنا بازار بنائین - اسی طرح یورپ مین اقوام مین سے ہر ایک نے اپنی نو آبادیان قائم کی ہین
کناڈا مین برٹش نو آبادی قائم کرنیکی باقاعدہ ابتدا ۱۶۷۰ء مین ہوئی جبکہ ہڈسن بے کمپنی کو شاہ انگلستان نے چارٹر عطا فرمایا تھا۔ مگر وہان پر فرانسیسی قوم نے پہلے سے اپنا سکہ جما رکھا تھا چنانچہ کچھ زمانے تک انگریزون اور فرانسیسیون کے درمیان کشمکش رہی ۱۷۵۹ء مین باضابطہ طور پر کناڈا کا الحاق سلطنت برطانیہ کے ساتھ کر دیا گیا اور ۱۷۶۳ء مین فرانسیسی کناڈا بھی ایمپائر مین شامل ہو جانیکے بعد کناڈا باطور کراون کالونی کے شمار کیا جانے لگا۔
۱۷۹۱ء مین ایک مجلس قانون سازی قائم ہوئی اور کناڈا کو دو صوبون (اپر کناڈا اور لوور کناڈا) مین تقسیم کر دیا گیا - نووا اسکوٹیا و پرنس اڈورڈ اور نیو برنزوک کی نو آبادیان بھی اٹھاروین صدی مین قائم ہو گئی تھین اور ان سب مین گورنر اور ایک کونسل ایگزیکیٹو اور لیجسلیٹو فرایض انجام دیتے تھے۔ متعینہ کونسل کے ساتھ ایک غیر ذمہ دار ایگزیکیٹو گورنمنٹ کی موجودگی نے کناڈا مین ایک عجیب بےچینی پیدا کر رکھی تھی چنانچہ حکومت سے ناراضگی اور آپس کی پھوٹ نے انقلاب پیدا کر دیے آخر کار لارڈ ڈرہم نے اپنی تحقیقات کی بنا پر آئین حکومت مین اصطلاحات کی سفارش کی جسکا نتیجہ برٹش نارتھ امریکہ ایکٹ ۱۸۶۷ء کی شکل مین نمودار ہوا - اب کناڈا ایک ڈومینین بنگیا اور مختلف نو آبادیان جو ڈومینین آف کناڈا مین شامل کی گئین وہ اسکے صوبے ہو گئے - برٹش کولمبیا - جزیرہ پرنس اڈورڈ اور شمالی و مغربی مقبوضات گو اسوقت عملی طور پر کناڈا مین شامل نہین ہوتے تھے لیکن قانون مین اسکی اجازت دیدی گئی تھی اور آخر کار وہ بھی کناڈا کا جز بنگئے ۱۸۶۷ء کے ایکٹ کے مطابق کناڈا مین اصولاً برطانیہ کے طرز کا آئین قائم ہو گیا۔
آسٹریلیا مین نو آبادیون کی عمر مقابلتاً کم ہے اور انکی پیدائش بھی انوکھے طرز کی ہے آسٹریلیا کے دریافت کرنے کا سہرہ کپتان کوک کے سر پر باندھا گیا تھا - یہ اٹھاروین صدی کا وہ آخری زمانہ تھا جبکہ انگلستان مین بھی بغاوت کے الزام مین لوگ جلا وطن کیے جاتے تھے - ان مجرمون کی آبادی نے آسٹریلیا کو نو آبادی بنا دیا جسکا باقاعدہ اعلان ۱۸۵۹ء

مین کیا گیا۔ سنہ ۱۸۲۳ء تک گورنر اپنی ذاتی راے کے مطابق حکومت کرتا تھا مگر آزاد منش آدمیون کی زیادتی نے آخر کار قانونی کونسل قائم کرائی گو کہ اسوقت جملہ ممبران نامزدہ تھے مگر رفتہ رفتہ منتخبہ ممبران مین اضافہ ہوتا رہا۔ تسمانیہ۔ مغربی آسٹریلیا۔ وکٹوریا اور جنوبی آسٹریلیا کی نوآبادیان بھی انیسوین صدی کی ابتدا مین قائم ہوئین۔ اور تقریباً نصف صدی تک گورنر کی مطلق العنان حکومت کے زیر اثر رہین اور ان مین بھی رفتہ رفتہ آئینی اصلاحات ہوتی رہین۔ ان تمام نوآبادیون کی درمیانی کشمکش اور جرمنی کے ہمسائگی کے خوف کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ آپس مین ایسا رشتۂ اتحاد ہونا چاہیے کہ مصیبت و ضرورت کے وقت ایک دوسرے کے کام آئین چنانچہ کامن ویلتھ آف آسٹریلیا ایکٹ سنہ ۱۹۰۰ء پاس ہوا جسکے بموجب نیو ساوتھ ویلز۔ وکٹوریا۔ جنوبی آسٹریلیا۔ کوئنس لینڈ اور تسمانیہ کی ایک متحدہ حکومت زیر سایہ سلطنت برطانیہ قائم ہوگئی۔

نیوزیلینڈ کا الحاق سنہ ۱۷۶۹ء مین سلطنت برطانیہ کے ساتھ کیا گیا۔ مگر انیسوین صدی کی ابتدا مین نیو ساوتھ ویلز کے باشندون نے نیوزیلینڈ پر اپنا اثر ڈالا اور کچھ دنون تک نیوزیلینڈ نیو ساوتھ ویلز کے ماتحت رہا۔ آخر کار سنہ ۱۸۳۹ء مین برطانوی حکومت قائم ہوگئی سنہ ۱۸۴۰ء مین ایک گورنر اور کونسل مقرر کیے گئے جنکو انتظامی اور قانونی دونون اختیارات حاصل تھے اور نیوزیلینڈ ایک کراون کالونی بنگیا۔ مگر نیوزیلینڈ مین جو انگریز آباد ہوے تھے انکی آزاد خیالی کی وجہ سے نظام حکومت مین تبدیلی ضرور معلوم ہوئی۔ سنہ ۱۸۵۲ء مین ایک قانون پاس ہوا جسکے بموجب نیوزیلینڈ مین گورنر اور ایک نامزدہ لیجسلیٹو کونسل اور ایک منتخبہ ہاؤس آف ریپریزنٹیٹوز قائم کیے گئے اور کل ڈومینس کو چھ صوبون مین تقسیم کیا گیا اسطور پر ذمہ دار حکومت کا خاکہ سنہ ۱۸۵۲ء مین تیار کر دیا گیا اور سنہ ۱۸۵۶ء مین حکومت واقعی طور پر ذمہ دار کر دی گئی۔

نیو فاؤنڈلینڈ بھی کناڈا کی طرح عرصہ تک انگریزون اور فرانسیسیون کی جد و جہد کا شکار ہوتا رہا۔ مگر کناڈا کے ساتھ ساتھ نیو فاؤنڈلینڈ بھی سلطنت برطانیہ مین شامل ہوگیا اس جزیرہ کی حکومت کے لیے انگلستان سے افسرون کی تقرری ہوا کرتی تھی سنہ ۱۸۳۲ء مین

منتخبہ لیجسلیٹو اسمبلی اور ایک ایکزیکیٹو کونسل قائم ہوئی مگر باشندگان کا تقاضا ذمہ دار حکومت کا تھا چنانچہ ۱۸۵۵ء مین ایکزیکیٹو کونسل اور لیجسلیٹو اسمبلی کے تعلقات کی تراش خراش اسطور پر کی گئی کہ حکومت نمایندگان رعایا کے سامنے ذمہ دار ہو۔

جنوبی افریقہ اسوقت مختلف نوآبادیون کا مجموعہ ہے۔کیپ کالونی پر انگریزون کی باقاعدہ حکومت ۱۸۰۶ء سے شروع ہوئی ۱۸۳۴ء مین گورنر اور کونسل قائم کیے گئے اس کونسل مین جملہ ممبران نامزد تھے ۱۸۵۳ء سے ممبران کونسل منتخبہ ہونے لگے اور ذمہ دار حکومت ۱۸۷۲ء مین قائم کردی گئی۔نٹال پر انگریزی اثر ۱۸۲۴ء مین شروع ہوا مگر بوئرون سنے ۱۸۳۸ء مین قبضہ کر لیا جسے انگریزون نے ۱۸۴۳ء مین پھر چھین لیا اور اسکی حکومت کیپ کالونی کے ماتحت کردی گئی لیکن بعد مین نٹال کا نظام حکومت بھی بطور ایک علحدہ کالونی کے بنا دیا گیا۔۱۸۹۳ء مین نٹال مین ذمہ دار حکومت قائم کردی گئی۔آرنج ریور اور ٹرانسوال ۱۸۷۷ء مین شامل کیے گئے تھے مگر بوئرون نے رفتہ رفتہ اپنا اثر قائم کرلیا۔ ۱۹۰۲ء مین جب بوئرون سے برطانیہ نے صلح کی اسوقت ان دونون نوآبادیون مین گورنر اور کونسلین قائم ہوئین۔ٹرانسوال مین ذمہ دار حکومت ۱۹۰۶ء مین اور آرنج ریور کالونی مین ۱۹۰۷ء مین قائم کردی گئی۔۱۹۰۹ء مین ساؤتھ افریقہ ایکٹ پاس کیا گیا جسکے ذریعہ مندرجہ بالا چارون نوآبادیان کی متحدہ گورنمنٹ زیر سایہ سلطنت برطانیہ قائم ہوگئی اور نوآبادیان ساؤتھ افریقہ کے صوبے ہوگئین

گویا کہ جو آبادیان عموماً سترھوین صدی مین دریافت ہوئی تھین اور جنمین حضرت انسان کے مہذب فرقہ نے باقاعدہ طور پر اپنی بود و باش ابتداء اٹھاروین صدی سے شروع کی ان سب نے انیسوین صدی کے دوران مین اپنے ملکی معاملات پر پورا قابو کرلیا۔آج نوآبادیان اپنے اپنے ملک مین خود اختیاری کا بجا فخر کرتی ہین۔یعنی حکومت نمایندگان رعایا کے سامنے جوابدہ ہے۔مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ نوآبادیان آخر کار جزو سلطنت برطانیہ ہین لہذا نوآبادیون اور برطانیہ عظمیٰ کے درمیانی تعلقات دلچسپی سے خالی نہین۔کیونکہ قانون سازی مین انتہائی خود مختاری حاصل

ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ نوآبادیون کے افعال برطانیہ کے لیے مضر ثابت ہون یا کم از کم امپیریل رعب و داب پر بُرا اثر پڑے۔ عملی طور پر ایسے قواعد مرتب کیے گئے ہین کہ ایسی کشیدگی پیدا نہ ہوسکے۔

سلطنت برطانیہ خالص جمہوریت کا دعویٰ نہین کرتی بلکہ یہان کا والی حکمران سمجھا جاتا ہی اور جملہ احکامات سلطان المعظم کے نام سے صادر کیے جاتے ہین۔ ملک معظم اپنے افعال کے لیے رعایا کے سامنے جوابدہ نہین ہین۔ مگر وہ اپنے وزرا کے مشورہ سے کام کرتے ہین حقیقتاً یہی مشورہ برطانیہ کی حکومت ہے اور وزرا اپنے مشورہ کے لیے ایوان پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہین۔ حکومت سے غلطی صادر ہونے پر والی ملک اپنے تخت و تاج سے محروم نہین کیے جاسکتے مگر وزرا اپنے عہدون سے علحدہ ہوتے ہین۔ نوآبادیون مین بجاے سلطان المعظم کے انکے قائم مقام مقرر کیے جاتے ہین اور عملی طور پر اُنکو جملہ شاہی اختیارات حاصل ہین بجز اُن اختیارات کے جو صرف خودمختار سلطنتون کا حصہ ہین مثلاً جنگ کا اعلان کرنا۔ سکہ رائج کرنا وغیرہ۔ ایسے امور مین نوآبادیان برطانیہ عظمیٰ کی ماتحت ہین مثلاً کناڈا اگر امریکہ کے خلاف جنگ کرنا چاہے تو بلا رضامندی برطانیہ عظمیٰ کے نہین کرسکتا نوآبادیون کو ایسے قوانین بنانے کا اختیار بھی نہین ہے جنکا اثر نوآبادیون کے حدود سے تجاوز کر جاے مثلاً ایسے مجرمون کے مقدمے نوآبادی پارلیمنٹ کے قانون کے مطابق نہین ہوسکتے جنکا ارتکاب جرم نوآبادیون کے حدود سے باہر ہوا ہو۔

بین الاقوامی معاملات مین جنکا تعلق نوآبادیون سے مخصوص نہ ہو بلکہ الکا اثر برٹش ایمپائر اور دیگر خودمختار سلطنتون کے درمیانی تعلقات پر ہو امپیریل گورنمنٹ کو پورا قابو ہے عام اس سے کہ نوآبادیان اُن معاملات مین امپیریل گورنمنٹ کی راے سے اتفاق کرین یا نہ کرین مثلاً جب برٹش گورنمنٹ نے جرمنی سے اعلان جنگ کیا اسوقت نوآبادیون کی راے شامل نہ تھی گو اُنھون نے بورپین اعلان جنگ مین اتفاق کیا تھا۔ مگر جنگ یورپ نے زاویہ نظر کو اسقدر تبدیل کر دیا کہ جو بات قبل از جنگ زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھی وہ دوران جنگ مین عملی طور پر ممکن ہوگئی بین الاقوامی معاملات مین نوآبادیون کا وہ

مرتبہ اصولاً نہین ہوسکتا جو خودمختار سلطنتون کو حاصل ہے یعنی خودمختار سلطنتین آپسمین
براہ راست تعلقات پیدا کرسکتی ہین لیکن نوآبادیون کو یہ حق حاصل نہین ہی نوآبادیون
نے اس معاملہ مین بھی قدم بڑھانا شروع کردیا اور ۱۹۱۲ء مین جو بین الاقوامی کانفرنس
منعقد ہوئی تھی اسمین نوآبادیون کو اپنے خاص نمایندے بھیجنے کا حق حاصل ہوگیا جنگ
یورپ نے آبادیون کے لیے ایک مزید موقع اپنے حقوق مین اضافہ کرنے کا پیدا کردیا۔ انکا
دعوی تھا کہ صلح کے موقع پر انکو کم ازکم اتنے اختیارات ملنے چاہئین جو چھوٹی چھوٹی اتحادی
سلطنتون کو حاصل تھے۔ آخرش یہ طے ہوا کہ سلطنت برطانیہ کو پانچ ڈیلیگیٹ بھیجنے کا حق
ہو جسمین نوآبادیون کی شرکت ہو مگر جب کسی امر پر راے دہی کا موقع آوے سلطنت برطانیہ
کا ایک ووٹ بحیثیت مجموعی شمار کیا جاوے۔ اسطرح پر سلطنت کی یکجہتی بھی قائم رہی
اور بین الاقوامی معاملات مین نوآبادیون کو خاص مرتبہ بھی حاصل ہوگیا مجلس بین الاقوامی
(　　　) مین اب نوآبادیان تین ڈیلیگیٹ بھیج سکتی
ہین گو لیگ کی کونسل مین برٹش ایمپائر بحیثیت ایک متحدہ سلطنت کے شریک ہوتی ہی
امورات خارجیہ مین سے ان معاملات مین جو آبادیون سے خاص تعلق رکھتے ہون
نوآبادیون کو بہت زیادہ اختیارات ہین۔ ایسے کسی معاہدہ کی پابند نوآبادیان نہین
ہین جو امپیریل گورنمنٹ نے بلا انکی رضامندی کے تکمیل کیے ہون اصولاً امپیریل گورنمنٹ ہی کو ایسے
معاہدونکی تکمیل کا استحقاق ہی۔ لیکن سمجھوتہ یہ ہی کہ جس نوآبادی سے اُن امور کا تعلق ہی اُس کے
نمایندے (نہ کہ امپیریل گورنمنٹ کے ڈیلیگیٹ) معاملات طے کرنیکے لیے بھیجے جائین۔ صرف دو باتونکو
ملحوظ خاطر رکھنا اُن نمایندون کیلیے ضروری ہی اول غیر ممالک فریق ثانی کو بھی ایسی رعایت اُس
نوآبادی کے لیے مخصوص نہ کرے جس سے سلطنت برطانیہ کے کسی دوسرے حصہ کو ضرر
پہونچنے کا اندیشہ ہو دوم یہ کہ اُس نوآبادی نے جو جو رعایات غیر ممالک کے حق مین روا
رکھی ہین وہ برطانیہ کے لیے بھی روا رکھی جائین۔ اسطرح پر نوآبادیون کے نمایندے
غیر اقوام سے براہ راست تجارتی تعلقات پیدا کرسکتے ہین۔

نوآبادیون کا ملکی نظام حکومت قریب قریب کلیتاً آئین برطانیہ کی نقل ہے۔ ہر ایک

نو آبادی مین ڈبل ایوان کی پارلیمنٹ قائم ہے گو ایوانون کے نام مین کسی قدر اختلاف ہے - کناڈا مین دارالعوام کا نام ہاؤس آف کامنس ہے - آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ مین اسکو ہاؤس آف ریپریزنٹیٹوز کہتے ہین - نیو فاؤنڈلینڈ اور جنوبی افریقہ مین اسکا نام یجسلیٹو اسمبلی اور ہاؤس آف اسمبلی رکھا گیا ہے - دوسرے ایوان کے نام مین برطانیہ کے بجاے امریکہ کی نقل کی گئی ہے - کناڈا - آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ مین اسکا نام سینٹ ہے اور بقیہ دو نو آبادیون مین اس ایوان کا نام یجسلیٹو کونسل رکھا گیا ہے - تعداد نمایندگان مین ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت نہین - مثلاً نیو فاؤنڈلینڈ کی اسمبلی مین ۳۶ ممبر ہین مگر کناڈا مین ممبران ہاؤس آف کامنس کی تعداد ۲۳۴ ہے - نو آبادیون کے صوبجات مین بھی اسی طور پر پارلیمنٹین قائم ہین اور بجز کناڈا کے صوبجات کے جملہ پارلیمنٹون مین دو ایوان ہین - منتخب کنندگان کے لیے سوائے ایک خاص عمر اور ایک خاص عرصہ تک کی آبادی کے اور کوئی شرط نہین اسی طرح پر عموماً ۷۵۰۰ - باشندون کو ایک نمایندہ بھیجنے کا حق ہے - عورتون کو حق انتخاب مردون کے برابر حاصل ہین گو انھون نے ابھی تک اس امر مین کوئی نمایان حصہ نہین لیا - ممبران پارلیمنٹ کی تنخواہین مقرر ہین مثلاً آسٹریا مین ایکہزار پاؤنڈ سالانہ - کناڈا مین آٹھ سو پاؤنڈ سالانہ - ہر دو ایوان کے درمیانی تعلقات قریب قریب ایسے ہی ہین جیسے کہ برٹش پارلیمنٹ مین -

دارالعوام مین تو سب جگہ عوام کے نمایندے ہوتے ہین مگر دوسرے ایوان مین بھی کسی قدر انتخاب کا عنصر شامل ہے مگر اسمین زیادہ تر نامزدگی عمل مین لائی جاتی ہے ہر دو ایوان کو ملا کر ممبران اسطور پر پارلیمنٹ مین شامل ہوجاتے ہین کہ ہر فرقہ و ہر طبقہ کے لوگون کی نمایندگی ہو سکے - مگر یہان پر اس مسئلہ کی ناخوشگوار موجودگی پائی جاتی ہے جسکی بنا پر اہل مغرب مشرقی اور مغربی تہذیب مین یگانگت پیدا کرنا اپنے لیے باعث ذلت سمجھتے ہین اور اسطرح پر رنگ اور نسل کی تفریق و تمیز پر اصرار کیا جاتا ہے - مثلاً جنوبی افریقہ مین ہندوستانیون کو حق انتخاب نہین ہے اہل ہند جو جنوبی افریقہ مین آباد ہین بوجہ اسکے کہ گورنمنٹ پر اپنا اثر نہین ڈال سکتے ہمیشہ رنگ کی بنا پر ذلیل و خوار رہتے ہین

مہاتما گاندھی کی اُن عظیم الشان خدمات کے بغیر جو انھوں نے ۱۹۱۳ء تک اپنی علش و آرام اور جان و مال کو نثار کرکے انجام دی ہین جنوبی افریقہ سے اہل ہند شاید نیست و نابود ہوگئے ہوتے یا کم از کم کتنے وبلیون سے زیادہ کم وقعت ہوتے۔

گورنمنٹ ہند کی حال کی کارگذاریون سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند کی افسوسناک حالت مین ایک بہت بڑی تبدیلی واقع ہو رہی ہے مگر یہ امر قابل افسوس ہے کہ اس گفتگو سے صلح مین بھی گورنمنٹ کا لہجہ ایک بیکس قوم کے وکیل کا ہے۔ وہ نوآبادیون سے رعایت کی طلبگار رہے نہ یہ کہ اہل ہند کے اُن حقوق کو ملحوظ رکھے جو اُنکو قدرت نے عطا فرمائے ہین اور جنکی حفاظت اور امانت کے لیے برٹش گورنمنٹ اپنی اخلاقی پابندی کا بیڑا اُٹھا چکی ہو۔

ذمہ دار حکومت کے رائج ہونے سے جو خاص فوائد نوآبادیون کو ہوے وہ مختصر طور سے یہ ہین کہ اولاً اندرونی نظم ونسق مین نوآبادیان بالکل خودمختار ہین یہان تک کہ برطانیہ عظمیٰ کو دخل دینے کا مجاز نہین ہے۔ دوم یہ کہ نوآبادیان غیر اقوام کے ساتھ تجارتی عہدناموں کی تکمیل اپنی مرضی کے مطابق کرسکتی ہین۔ ان دونون باتون مین برطانیہ عظمیٰ کی امپیریل پالیسی اور سلطنت کے دیگر حصص کو ضرر نہ پہونچے۔ سوم یہ کہ نوآبادی خودمختاری کی ایک حد ہے یعنی مکمل طور پر خودمختار سلطنت کے لیے جو حقوق محدود ہین نوآبادیان اُنکا دعوی نہین کرسکتین۔ مثلاً ممالک غیر سے جنگ چھیڑنا۔ مگر ہندوستان کے معاملہ مین نوآبادی طرز حکومت دیتے وقت یہ خیال رکھنا نہایت ضروری ہو کہ جن جن نوآبادیون مین ذمہ دار حکومت رائج ہے وہ سب اولاً انگریزی نسل ہی سے آباد ہین۔ دوسرے خط حارہ سے دور واقع ہوئی ہین یعنی بقول ایک مصنف کے گرم ممالک ذمہ دار حکومت کے اہل نہین ہوسکتے۔ اسکی وجہ شاید یہ ہو کہ گرم ممالک مین اہل انگلینڈ ہمیشہ کے لیے آباد نہین ہوسکتے اور چونکہ آزادی صرف یورپین اقوام کے لیے قدرت نے پیدا کی ہے اسلیے گرم ممالک کے باشندے اسکے مستحق نہین ہین۔

یہ خیال (جہان تک اصول کا تعلق ہے) اب ہندوستان کی بابت برٹش گورنمنٹ کی آیندہ پالیسی کا اعلان ہونے سے غلط قرار دیا گیا۔ البتہ ابھی اس دور جدید کو

عملی پالیٹکس مین آنے مین کچھ دیر معلوم ہوتی ہے ورنہ کیا سبب ہی کہ جنوبی افریقہ کے ہندوستانی باشندون کے ساتھ ایسا برتاؤ روا رکھا جاوے جسکو اہل ہند اپنے لیے باعث ذلت و شرم سمجھتے ہین اور جو اصولاً بھی نوآبادیکے حقوق کی حدود سے بڑھنا ہوا معلوم ہوتا ہی یعنی وہ ایسے قوانین نافذ نہین کرسکتے جو سلطنت برطانیہ کے دوسرے حصہ کے لیے مضر ثابت ہون خیر ہمکو امید کرنا چاہیے کہ اس ناخوشگوار طریقہ کا خاتمہ بہت جلد ہوجائیگا اور برٹش ایمپائر کے ہر ایک حصہ کو فخر کرنے کا موقع ملے گا کہ وہ ایک بہترین سلطنت کے اجزا ہین۔

اننت پرشاد نگم

پریس کی آزادی

دنیا مین کوئی ایسا انسٹیٹیوشن نہین ہی جسکی آزادی پریس کی آزادی سے زیادہ اہمیت رکھتی ہو۔ گورنمنٹین اسے ناپسند کرتی ہین۔ امرا اس سے اکثر نفرت کرتے ہین۔ کمینے اور خوشامدی اشخاص اس سے بیزار رہتے ہین۔ انقلاب پسند اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین۔ لیکن باوجود ان تمام باتون کے پریس کی آزادی اُن چند چیزون مین ہی جو پبلک آزادی کا حصار اور پبلک مفاد کو نقصان پہونچانیکی خفیہ سازشون کے تدارک کی ایک ضمانت ہی۔ پبلک فلاح کے ایک سرپرست کی حیثیت سے نہ تو چرچ نہ پارلیمنٹ اور نہ پبلک پلیٹ فارم پریس کا مقابلہ کرسکتے ہین اور نہ اس سے برتری لے جاسکتے ہین۔ ممتاز لکھنے والونکو اعزازات و خطابات سے سرفراز کیا گیا ہی۔ اُنپر بلا واسطہ و بالواسطہ دباؤ بھی ڈالا گیا ہی کہ اپنی رائے کو اسکے بجائے کسی دوسری جانب منعطف کردین۔ اُنکی چاپلوسی و خوشامد کیجاتی ہی اُنکو چھوٹی چھوٹی خبرین مہیا کیجاتی ہین بعض اوقات اُنکی تذلیل و حقارت کیجاتی ہی اور یہ تمام باتین اسلیے کیجاتی ہین تاکہ اُنکو پبلک مفاد کے خلاف کام کرنے پر مائل کیا جائے۔ اخبار نویسون کو یہ ہرگز فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اگر انھون نے ناواجب دباؤ یا کسی دوسرے وجوہ سے کچھ نہ لکھا تو وہ اُس اعتماد کے خلاف کام کرینگے جو اُنپر کیا گیا ہے

ہندوستان کی مالی پالیسی

جسوقت برائٹ اور کابڈن کی جد وجہد سے انگلستان مین آزاد تجارت کی اجازت ہوئی اور اشیائے درآمد اور برآمد پر سالانہ آمدنی کے خیال سے محاصل خاص کا آغاز ہوا تو خیال کیا جاتا تھا کہ چند ہی دنون مین ساری دنیا کھلی تجارت کے ماتحت ہوجائے گی بات یہ تھی کہ جن دلائل پر انگلستان مین حفاظتی محاصل کے برخلاف آواز بلند کیجاتی تھی انکی نسبت خیال کیا گیا تھا کہ وہ دنیا کے ہر ایک طبقہ اور زمانہ کے ہر دور کیلیے یکسان مفید ہین۔ ماہرین علم اقتصادیات کا بنایا ہوا قانون علم طبیعات کے قاعدون کی طرح ہر وقت یکسان اثر پذیر تھا لیکن کھلی تجارت کے حامیون کی حیرت کی کوئی حد نہین رہی جبکہ کچھ عرصہ کے بعد ہی فرانس - جرمنی - امریکہ - کینیڈا اور دوسرے بڑے بڑے ملکون نے انگلستان کے ماہران علم اقتصادیات کے شور وغل کے باوجود حفاظتی محصول لگانے شروع کردیے رسٹ نے جرمنی مین حفاظتی محصولون کے حق مین "قومی اقتصادیات" لکھکر علم اقتصادیات مین کچھ نئے باب کا آغاز کیا اور اسوقت سے اس علم کے ماہرون نے محسوس کرنا شروع کیا کہ اس جگہ کی اقتصادی ضروریات یکسان نہین اور اسلیے عالمگیر اقتصادی قوانین بنانا خطرہ سے خالی نہین۔ انگلستان کے ماہرین اقتصادیات پھر بھی اپنی پرانی پالیسی پر قائم رہے اور گو حفاظتی محصولون کا دور دورہ دنیا کے سارے بڑے بڑے ملکو نمین ہوگیا لیکن انگلستان نے کھلی تجارت مین اپنے خود ساختہ کلیے کو نہین چھوڑا۔ اسکے متعلق ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ گو انگلستان نے انیسوین صدی کے وسط سے کھلی تجارت کی پالیسی بنائی تھی لیکن اس سے پہلے ڈیڑھ سو سال تک انگلستان بھی حفاظتی محصولونکے سہارے ہی اپنی تجارت کو بڑھا رہا تھا اسی حفاظتی پالیسی نے ہندوستان کی کاریگری کا ستیاناس کیا اور اسی مضرت سان پالیسی نے اضلاع متحدہ امریکہ کے ساتھ نااتفاقی کا بیج بویا، کہا جاتا ہے کہ اگر انگلستان اس پالیسی کو اختیار نہ کرتا تو تمکن تھا کہ ہندوستان سے گئے ہوے سونے کے ذریعہ کا

مقابلہ کرکے اپنے کپڑونکی صنعت کو آگے بڑھا سکتا۔ غرضکہ انگلستان نے ڈیڑھ سو سال تک اس پالیسی سے کامل فائدہ اُٹھالیا۔ اور اس پالیسی نے اُسے اس قابل بنا دیا کہ وہ اُنیسوین صدی کے وسط مین دنیا کو کھُلا چیلنج دیسکے اور کسی قسم کی تجارت کے راستے مین رُکاوٹ نہ ڈالے۔

اب باقی قومون کے لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ اپنی صنعتون مین ترقی کرین اور اسلیے انھونُ ہی طریقے اختیار کیے جو انگلستان نے ڈیڑھ سو برس پہلے اختیار کیے تھے لیکن وہان کے ماہرین علم اقتصادیات (پچھلے حالات کو پس پشت ڈال کے اور اپنے نئے دریافت کردہ قانون کو پیش کرکے) ساری دُنیا مین یہی وعظ دیتے رہے کہ کھُلے بندون تجارت ہونی چاہیے بات یہ تھی کہ انگلستان کی صنعتون نے اس درجہ ترقی کرلی تھی کہ اُسے اب کسی اور ملک کے مقابلہ کا خوف ہی نہ تھا لیکن رفتہ رفتہ دوسرے ملکون نے بھی صنعت کے میدان مین قدم جمانا شروع کیا۔ جرمنی اور اضلاع متحدۂ امریکہ نے اپنی قدرتی طاقتون کا استعمال کرنا شروع کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کچھ صنعتون مین انگلستان کا مقابلہ کرنیکے قابل ہوگئے اب انگلستان کے کارخانہ دارون کو فکر دامنگیر ہوئی اور ماہران علم اقتصادیات نے بھی صورت حالات کو حل طلب پایا اور انگلستان مین بھی حفاظتی محصولون کے حق مین اُنیسوین صدی کے آخری حصہ مین صدائے احتجاج بلند ہونے لگی۔ جون جون مقابلہ بڑھتا گیا یہ آواز بھی بلند ہوتی گئی حتی کہ مسٹر چیمبرلین نے سلطنت برطانیہ کے مختلف حصون کو ترجیحی حقوق دینے کی آئین حفاظت، کا ایک نیا طریقہ دریافت کیا۔ لڑائی سے پہلے تو اُنکی آواز کا کچھ زیادہ اثر نہوا لیکن لڑائی کے دنون مین پچھلے سارے دلائل بھُلا دیے گئے اور کچھ تو جنگ کی مجبوریون سے اور کچھ حفاظت کے خیال سے حفاظت کے اس نئے طریقہ کی حمایت ہونی شروع ہوگئی۔ اور اسوقت یہ سوال علم اقتصادیات کے ماہرون کے ہاتھ سے نکلکر ملکی مدبرون کے ہاتھ مین چلا گیا۔

قدیم ماہران علم اقتصادیات کا یہ خیال کہ اقتصادی اُصول ہر جگہ یکسان طور پر استعمال کیے جاسکتے ہین ہندوستان کیلیے بہت نقصان دہ ثابت ہوا۔ جب انگلستان کی بہتری اس

بات میں تھی کہ باہر سے چیزیں آنی بند کر دی جاتیں تو ملکی مصلحتوں کی بنا پر یہ پالیسی اختیار کی گئی کہ ہندوستان کی صنعتیں تباہ کر دی جائیں۔ جب انگلستان میں صنعتیں زور پکڑ گئیں اور کھلے بندوں تجارت کا اصول فائدہ مند دکھائی دیا تو ہندوستان کو بھی اسمیں شامل کر لیا گیا اور اگرچہ ساری دنیا اپنی ترقی تجارت کیلیے حفاظتی محصول بے تامل لگاتی ہے۔ لیکن ہندوستان کو اس بات کی اجازت نہ ملی اور اب جبکہ پھر حفاظتی محصولوں کا سوال سامنے آرہا ہے تو حالات کہہ رہے ہیں کہ اگر ہندوستانیوں نے کوشش نہ کی تو ہندوستان کو وہی راستہ اختیار کرنا پڑیگا جو کہ ایمپائر (علاوہ ہندوستان) کے لیے فائدہ مند ہو خواہ اسمیں ہندوستان کو فائدہ ہو یا نقصان۔

ہندوستانی مدبروں کا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ ہندوستان کی صنعتیں حفاظت کی محتاج نہیں اور اگر ہندوستانیوں کا گورنمنٹ کے تجارتی قوانین میں کچھ اختیار ہوتا تو نہ ہندوستان کی صنعتیں اسطرح سے تباہ ہوتیں اور نہ اختراع و ایجاد کے راستہ میں رکاوٹیں پیدا ہوتیں رانا ڈے۔ دادا بھائی نارو جی۔ گوکھلے۔ دت۔ جوشی سارے کے سارے اس بات کیلیے چلاتے رہے کہ ہندوستانیوں کیلیے اس بات کی اجازت ہونی چاہیے کہ وہ اپنی صنعتوں کو قائم کر سکیں۔ اور اسکے لیے اشیاء درآمد پر محصول قائم کرنا چاہیے۔ انکی تو نہ سنی گئی لیکن اب سلطنت برطانیہ کے فوائد (۹) اس بات کو چاہتے ہیں کہ سلطنت کو اپنا ملک خیال کر کے اسکی صنعتوں کی حفاظت کیجاے۔ انگلستان بھی اپنی پالیسی چھوڑ بیٹھا ہے اور جرمن مال کے مقابلے میں ان صنعتوں کیلیے حفاظت کا انتظام کیا گیا ہے جو کہ ابھی قائم ہو رہی ہیں اور دوسرے ملکوں کی پیداوار سے مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں۔ اسلیے اب اس بات کے متعلق تو کسی کو شک ہی نہیں رہا کہ حفاظت اصولاً نقصان دہ ہے۔ اسمیں بھی شبہ نہیں کہ چند حالتوں میں اسی کی ضرورت بھی ہے۔

جب سلطنت برطانیہ کیلیے حفاظتی محاصل کی ضرورت ہے تو لازمی طور پر سلطنت برطانیہ کی مختلف ممالک کیلیے بھی فرداً فرداً حفاظت کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ ترجیحی محاصل کا مسئلہ حفاظت کی ضرورت کو بذات خود تسلیم کرتا ہے جیسا کہ پہلے کہا گیا۔ تقریباً سب کے سب

ہندوستانی مدبر اس بات پر مُصر رہے ہین کہ ہندوستان مین اشیاے درآمد پر محصول لگا کر ہندوستانی صنعتون کو آگے بڑھنے کا موقع دیا جانا چاہیے - بات یہ ہو کہ ہندوستان نے مشینون کا استعمال ابھی ابھی شروع کیا ہو اسوجہ سے ہماری نوساختہ چیزین ابھی مہنگی پڑتی ہین البتہ کچھ دنون مین سستی تیار کرسکین گے کیونکہ دوسرے ملکون کی صنعتین مدتون سے قائم ہین اور زمانہ نے جو ترقی کے گُر اُنھین سکھا دیے ہین اُنھین ہم آہستہ آہستہ سیکھ لین گے اگر حفاظتی محصول لگ جائے تو اُنکے مقابلے سے ہم فارغ ہوکر اپنی صنعت و حرفت کو بڑھانا شروع کردینگے اور تھوڑے عرصہ مین ہم اُنکا مقابلہ کرنیکے قابل ہوجائینگے - دنیا کے سارے ملکون نے اسی طرح ترقی کی ہو - اور ہندوستان کیلیے بھی یہی ترقی کا ذریعہ ہو - ہندوستان مین ایک اور بڑی وجہ یہ بھی ہو کہ یہان کے لوگ عموماً زراعت کرتے ہین صنعت و حرفت کی نسبت زراعت مین آدمی کم کما سکتا ہو اسلیے ہندوستان مین فی کس آمدنی کم ہو - اس آمدنی کو بڑھانیکا سب سے آسان طریقہ ہندوستان مین صنعتون کا جاری کرنا ہو - اگر ہماری آمدنی بڑھ گئی تو ہم پھر آئے دن کے قحط کا بھی مقابلہ کرنیکے لیے تیار ہوجائینگے - کیونکہ ہندوستان مین غلہ کی کمی کی وجہ سے قحط نہین پڑتا بلکہ غلہ خریدنیکے لیے روپیہ نہ ہونیکی وجہ سے - غرضکہ ہندوستان کو اسوقت حفاظت کی سخت ضرورت ہو

ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہو کہ جسوقت ہم ہندوستان کیلیے حفاظتی محاصل کا مطالبہ کرتے ہین تو ہمارا یہ منشا نہین ہوتا کہ ہم سب کچھ ہندوستان ہی مین کرین اور باقی ملکون سے تجارت بند کردین - ہم صرف اُن صنعتون کیلیے حفاظت کا مطالبہ کرتے ہین جو کہ ہندوستان کے طبعی اور معاشی حالات مین کامیاب ہوسکتی ہین یا جو کہ ہر ایک قوم کی زندگی کیلیے ضروری ہین دُنیا کا کوئی ملک بھی اس قابل نہین ہو کہ وہ دنیا کی ساری چیزون کو پیدا کرسکے - اسلیے واجب ہو کہ مختلف ملک ایک دوسرے سے تجارت کرکے وہ چیزین حاصل کرین جو کہ وہ خود منافع پر پیدا نہین کرسکتے ہین یا جنمین اُنھین باقی چیزون کی نسبت کم فائدہ ہو - کہا جائیگا کہ ہندوستان مین شاید یہ قابلیت ہو کہ وہ سب کچھ پیدا کرسکے - اس بات [illegible] فضول ہو لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ایک صنعت مین یکسان فائدہ نہین ہوسکتا [illegible] ہمین روئی کا کام کرنے مین ۵۰ فیصدی فائدہ ہوتا ہو اور مشین بنانے مین [illegible] تو

رہو کہ ہم امریکہ۔ جرمنی یا انگلستان سے مشینین حاصل کرلین اور خود کپڑا بننے کا کام کرین
ملکہ حفاظتی محاصل کا مطلب ساری صنعتون کو بید ا کرنا نہین ہی بلکہ فائدہ مند اور
ضروری صنعتون مین ترقی کرنا ہی لیکن سلطنت برطانیہ کے ساتھ ترجیحی سلوک کا معاملہ اب
پیش ہی ۱۹۰۳ء مین لارڈ کرزن نے گورنمنٹ برطانیہ کو لکھا تھا کہ ہندوستان کے ترجیحی
سلوک کرنے سے سلطنت کو بہت کم فائدہ ہوگا۔ ہندوستان کو تو بالکل ہی فائدہ نہوگا
بلکہ بہت زیادہ نقصان ہوگا لارڈ کرزن نے صاف صاف کہدیا تھا کہ ہندوستان
تجارتی پالیسی کا فیصلہ کرنے مین ہندوستان کی نسبت انگلستان کے تاجرون کی آواز
زیادہ سنی جاتی ہی۔ پھر ۱۹۰۵ء مین لارڈ کرزن نے دارالامرا مین اس سے بھی زیادہ صاف گوئی
اختیار کی تھی اور کہہ ہی ڈالا تھا کہ وزیر ہند ہندوستان کی مالی پالیسی پر فیصلہ کرتے وقت انگلستان
کے مفاد کا زیادہ خیال رکھتا ہی اور ہندوستان کے مفاد کا خیال کبھی کبھار ہی آتا ہی۔ لیکن
بدقسمتی سے ۱۹۱۳ء مین ایک ہندوستانی ممبر نے اس سوال کو کونسل مین اٹھایا اور آخر مین اسکو اپنا
ریزولیوشن واپس لینا پڑا۔ لڑائی کے بعد پرانی امپیریل کونسل کا غالباً سب سے آخری کام
اس سوال پر غور کرنا تھا اور ایک کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ یہ سوال غور طلب ہی اور ایک کمیشن کے
ذریعے سے اسکا فیصلہ ہونا چاہیے۔ پچھلے مہینے سے مالی کمیشن دورہ کر رہا ہی۔ کچھ شہادتین
ہو چکی ہین اور کچھ ہونگی اور غالباً پانچ چھ مہینے تک رپورٹ نکل جائیگی۔ کمیشن کے پریزیڈنٹ
مشہور سر ابراہیم رحمت اللہ ہین جنھون نے پبلک سروس کمیشن کی ممبری کی حیثیت سے ایک
زبردست اختلافی نوٹ لکھا تھا اسلیے امید کی جاتی ہی کہ آپ ہندوستان کے مفاد کا خیال
رکھین گے اور کوئی ایسی تجویز پیش نہ کیجائیگی جو کہ ہمین نقصان دہ ہو۔

ترجیحی سلوک کے متعلق یہ کہنا بیجا نہوگا کہ اگر ہندوستان کی صنعتون کی حفاظت کرکے
پھر ترجیحی سلوک کرنا ممکن ہو تو اسمین کسی کو بھی اعتراض نہوگا۔ لیکن سوال تو یہی ہے کہ آیا
ایسا کرنا ممکن ہوگا۔ اُن صنعتون کیلیے جنکو کہ ہندوستان مین ترقی دینا ہی سلطنت کے مال
کو ترجیح دینا بے معنی ہوگا۔ ہان اگر اُن اشیاے درآمد کے بارے مین جو کہ باقی ملکون سے
آتی ہی ہین سلطنت کو کچھ ترجیح دیدی جائے تو یہ بذات خود کچھ خطرناک نہوگا۔ لیکن یہان

بین الاقوامی تجارت کی ایک اور گرہ پڑ جاتی ہے۔ اگر ہمنے باقی ممالک پر زیادہ محصول لگایا تو کیا وہ ہمارے ملک سے جانیوالی چیز پر اپنے اپنے ملک میں محصول نہ لگادینگے اور اُس محصول سے ہماری تجارت بر آمد کو نقصان نہیں ہوگا۔ ہماری بین الاقوامی تجارت کا بہت زیادہ حصہ سلطنت سے باہر کے ملکوں کے ساتھ ہے اس لحاظ سے کافی نقصان ہونے کا خطرہ ہے غرضکہ یہ سوال بہت غور و خوض کا ہے اور جو کوئی سکیم اسکے متعلق پیش کی جاسئے انمیں ان حل طلب باتوں پر بھی غور کر لینا ضروری ہے لیکن معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا۔ ایک ملکی سوال بھی سامنے آجاتا ہے کہ سلطنت کے حصوں کو ترجیحی سلوک دینا ایک طرح سے انکو ایک تحفہ پیش کرنا ہے۔ اور زبردستی کا تحفہ بے معنی ہوتا ہے اسلیے قبل اسکے کہ اس سوال کا فیصلہ کیا جائے۔ اس بات کا تصفیہ ضروری ہے کہ ہندوستان کو مالی آزادی مل جائے۔ اگر آزاد ہندوستان سلطنت کو یہ تحفہ پیش کرنا چاہے تو کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن انگلستان کی مجلس وزراء سلطنت کو ہندوستان کے نام سے تحفہ پیش کرے تو یہ بے معنی زبردستی ہوگی۔ اس لیے پیشتر اسکے کہ اس سوال پر غور ہو یجیسلیٹو اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کو اس سوال کا کھلے بندوں فیصلہ کرنیکی اجازت ملنی چاہیے۔

ملکی پہلو ابھی ختم نہیں ہوتا ہے۔ سر روپر لتھبرج نے ہندوستان کیلیے اس ترجیحی سلوک کو اختیار کرنیکی اسلیے بھی سفارش کی ہے کہ اسکے ذریعے ہندوستان والے سلطنت کے مختلف حصوں سے برابری کے حقوق لے سکیں گے۔ اگر صاحب مذکور اپنی تجویز پر ذرا غور کرتے تو انھیں معلوم ہو جاتا کہ یہ تو ان حقوق کے خریدنے کا معاملہ ہو جائیگا جو حقوق کہ ہندوستانی ویسے ہی مانگ رہے ہیں۔ صاحب مذکور نے شاید اس بات کو نظر انداز کر دیا کہ ان حقوق کیلیے معاوضہ دینے کی سفارش کرنا ہندوستانیوں کی ہتک کرنا ہے۔

رائٹ آنریبل مسٹر سری نواس شاستری نے لندن میں ایک اخبار کے قائمقام سے کہا تھا کہ اگر آسٹریلیا کینیڈا۔ اور افریقہ ہمارے ساتھ مساوات کا سلوک نہ کرینگے تو کسی ایسی بحری فوج کے خرچ کیلیے حصہ دینا جو کہ انکی حفاظت کیلیے کام میں آئے سخت بیعزتی کی بات ہوگی۔ اسی طرح سے جب تک سلطنت کے باقی حصے ہندوستانیوں کے ساتھ مساوات کا سلوک کرنیکے لیے تیار نہیں ہیں اُسوقت تک انکے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنا اس سے بھی بڑی بیعزتی ہوگی۔

سیتا رام شرما بی۔ اے

ارتقائے زبان

ارتقاء صرف زندہ ہستیوں اور زندہ انواع ہی مین نہین پایا جاتا بلکہ اُن ہستیوںمین بھی پایا جاتا ہی جنکو انسان غلطی سے زندہ نہین سمجھتا - اس کارخانۂ ہستی مین کوئی شے غیر ذی روح نہین - ہر شے اور ہر ہستی زندہ ہی اگرچہ زندگی زندگی مین فرق ہی تاہم زندگی اور موت ہر ہستی کے ساتھ لگی ہوئی ہی انسان جن اشیا کو غیر ذی روح جانتا اور اپنی خوش فہمی سے دائرۂ حیوانیت سے خارج سمجھتا ہی وہ سب کے سب اپنے اپنے رنگ مین زندگی اور موت کے قانون کے ماتحت ہین جسطرح فطرتین جداگانہ ہین اسی طرح زندگیان اور اموات بھی جداگانہ ہین -

کیا نباتات زندہ نہین، اگر زندہ نہین ہین تو یہ نشو ونما کیون پاتے ہین اگر انمین مادہ کے ساتھ ایک قسم کی حیوانی روح نہین ہی تو پھر بڑھتے اور پھولتے پھلتے کیون ہین اور ایک عرصہ کے بعد انمین سے کونسی شے یا کونسی طاقت سلب ہو جاتی ہی کہ پھر نشو ونما نہین پا سکتے ہین بلکہ بے حس ہو کر بڑ مردہ ہو جاتے ہین - اسی طرح جمادات اور عناصر مین بھی زندگی کے آثار موجود ہین جو ارتقائی مدارج طے کرتے رہتے ہین اور بالآخر فنا ہو جاتے ہین -

السنہ اور الفاظ مین بھی ایک قسم کی زندگی ہوتی ہی گو اس قسم کی زندگی کو ہم حیوانی زندگیون سے تعبیر نہین کر سکتے اور نہ اسپر عرفی زندگی کا اطلاق کر سکتے ہین لیکن مجازی رنگ مین کہہ سکتے ہین کہ زبانین اور الفاظ بھی کسی خاص وقت تک ترقی کرتے اور نشو ونما پاتے ہین اور اسکے بعد ارتقاء اور نشو ونما مین انحطاط ہو جاتا ہی - دوسرے الفاظ مین گویا زبانون اور الفاظ کی بھی موت ہوتی ہی مجازاً لوگ کہا کرتے ہین کہ فلان زبان مردہ ہو چکی ہی اور فلان زندہ ہی - بعض السنہ اس عہد مین بھی مردہ یا نیم مردہ سمجھے جاتے ہین کیونکہ نہ تو وہ مقابلتاً ترقی پذیر ہین اور نہ اُنکی قدر ہوتی ہی زبانونکے ارتقاء اور انحطاط کی فلاسفی ایک بڑی عجیب فلاسفی ہی

جو شخص زبانون کی تاریخ کا شائق ہو وہ گویا انسانی نسلون کی تاریخ کا قدردان ہے
کیونکہ زبانین بھی انسانی ترقیات کے ساتھ ساتھ ہی نشو و نما اور انحطاط پاتی ہین اگرچہ
یہ ضروری اور لازمی نہین کہ قومون کی خرابی او تنزل کے ساتھ ہی زبانین بھی گرتی جائین
مگر اسمین شک نہین کہ تنزل اقوام سے زبانین بھی زوال مین آجاتی ہین اور قومون کے
عروج سے زبانین بھی عروج پذیر ہوتی ہین -

ڈارون کا خیال ہے کہ بندر سے انسان بنا ہے اگر اس اصول کو الٹ کر زبانون پر عائد
کیا جاے تو کہنا پڑے گا کہ زبانین اس قسم کا ارتقا نہین رکھتی ہین وہ بھی نوعی ارتقا کے
تحت مین نشو و نما پاتی اور ترقی پذیر ہوتی ہین -

فی الحقیقت دنیا کی ساری زبانین ایک دوسرے سے مربوط اور مشتق ہین اسی نوع
کے اندر رہکر وہ ترقی پذیر ہوتی ہین - اور اسی نوع کے اندر انمین انحطاط بھی نمایان ہوتا ہے
کہا جاتا ہے کہ لاطینی اور آریہ ین زبانون مین کوئی رابطہ نہین ہے اور پھر دونون زبانین
ایک دوسرے سے مختلف ہین لیکن جب کل نسل انسانی کی ابتدا ایک ہی قرار دی جاتی ہے
تو پھر کہنا پڑتا ہے کہ زبانون کی ابتدا بھی ایک ہی کسی وقت اس بات کا اعتراف لازمی
ہوگا کہ سب انسانی نسلین ایک ہی مورث سے پیدا ہوئین تو پھر دنیا کی مختلف زبانین بھی
ایک ہی درخت کی مختلف شاخین ہین -

ہر زبان شاہد ہے کہ اسکا سلسلہ الفاظ ارتقائی پہلو سے ہمیشہ بدلتا رہا ہے کسی زمانہ مین کسی
خاص محاورون اور الفاظ کی قدر تھی مگر چند دنون کے بعد نئے نئے محاورون کا اجرا ہوگیا اور
پرانے الفاظ اور محاورے نکال ڈالے گئے یا یون سمجھو کہ فنا ہوگئے - اردو زبان جو اسوقت
ہندوستان کے اطراف مختلفہ مین بولی اور سمجھی جاتی ہے ایک ایسی زبان ہے جو چند زبانونکی
مرہون منت ہے

اردو زبان گو بہ اعتبار اپنے ڈھانچے کے ایک نئی زبان ہے لیکن چونکہ اسکے اجزا دیرینہ
زبانون سے مرکب اور مرتب ہوے ہین اسواسطے ہم کہ سکتے ہین کہ وہ اصل کے لحاظ سے ایک
پرانی زبان ہے -

انسانی مذاق ہمیشہ بدلتے رہتے ہین اسی طرح زبانین اور زبانون کے الفاظ بھی تغیر پذیر ہوتے رہتے ہین بعض وقت یہ پتہ بھی نہین لگتا کہ کن وجوہ کے پیش کرنے پر ایسا ردوبدل ہوا ہے۔ اردو کی کتابین اردو کے ملفوظات ظاہر کرتے ہین کہ انمین رفتہ رفتہ کس کس قسم کی ارتقائی تبدیلیان ہوئی ہین کبھی متروک کے پیرایہ مین بعض الفاظ دائرۂ زبان سے خارج ہوگئے اور کبھی ثقالت اور کراہت کی وجہ سے بعض الفاظ رد ہوگئے۔ کبھی ایک لفظ نے اپنی جگہ چھوڑ کر دوسرے کو اپنا قائم مقام بنا لیا کبھی جدید ضروریات قطع برید کی محرک ہوتی ہین اور کبھی پرانے ڈھانچون مین تغیر و تبدل کرنا پڑتا ہے ایسی کتر بیونت قریباً ہر زبان مین ہوتی رہی ہے مگر اس مضمون مین ہم صرف اردو زبان ہی کے چند نمونے پیش کرتے ہین جن سے پتہ لگ سکتا ہے کہ نسل کے السنہ مین بھی کس کس قسم کے تغیرات اور تبدلات پیش آتے رہے ہین اور کس طرح ایک نسل الفاظ محو ہو کر بجاے اسکے دوسری نسل جاگزین ہوتی ہے۔ ارتقاے زبان کی صورتین اور قسمین حسب ذیل ہوسکتی ہین۔

(الف) ارتقاے جدت

(ب) ارتقاے ترمیم

(ج) ارتقاے ترک

(د) ارتقاے اصنافی

(ہ) ارتقاے تبادلہ

نثر اور نظم دونون شعبون مین ارتقا د عمل پذیر ہوتا ہے اور ایسے ہی انحطاطی صورتین بھی ہوتی ہین۔ ہم نطقی تبدلات اور نطقی تغیرات کے چند نمونے پیش کرتے ہین۔

آن کر سے آکر

نظم مین کبھی آنکر باندھتے تھے لیکن رفتہ رفتہ (ن) گرتا گیا اور اب عموماً بجاے آن کر کے آکر بولتے ہین (ن) کے اخراج سے ملفظ ذرا ہلکا ہوگیا مرزا بیدل کہتے ہین۔

جب دل کے آستان پہ عشق آن کر پکارا

پردے سے یار بولا بیدل کہان ہے ہم ہین

(نین - نے)

نے کی جگہ کبھی نین، استعمال ہوتا تھا رفتہ رفتہ دوسرا (ن) گرتا گیا اور صرف (نے) رہ گیا جیسے کہ مرزا مظہر جان جاناں کہتے ہین

کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن
نہایت منھ لگایا ہے نجس نین بیڑہ پان کو

پیام
دلی کے کج کلاہ لڑکون نین
کام عشاق کا تمام کیا

(آوُنے - آنے)

کبھی آنے کے بجائے آوُنے کا استعمال ہوتا تھا جیسے کہ

دھوم آوُنے کی کسکی گلزار مین پڑی ہے
ہاتھ ارغجے کا پیالہ نرگس لیے کھڑی ہے

رفتہ رفتہ ثقالت کی وجہ سے (و) گر گیا اور صرف آنے رہ گیا۔

(جیونا - جینا)

جیونا کے بجائے اب جینا رہ گیا واو ترک ہو گیا جیسے کہ مبارک شاہ کے شعر ذیل مین ہے

جیونا مثل حباب اس جگ مین دم کا پیچ ہے
یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندگانی ہیچ ہے

کیونکے - کیونکر

اب کیونکے کے بجائے کیونکر کہتے ہین۔

(یک رنگ)
پارسائی اور جوانی کیونکے ہو
ایک جا آگ اور پانی کیونکے ہو

پیوتے - پیتے (پوچھو ہو - پوچھتے ہو)

کثرت استعمال سے رفتہ رفتہ واو نکل کر پیتے رہ گیا۔

حکیم
ہمسے پوچھو ہو پیوتے ہو شراب
ایسے کیا شیخ و پارسا ہین ہم

(ہم - ہم نے)

کبھی صرف مین - اور ہم ہی سے کام لیا جاتا تھا اب دونون کے ساتھ ساتھ (نے) بھی لگایا جاتا ہے

میر سجاد
تو روز وصل کے بیٹھے ہے پاس کن کو سے
یہ راتین ہجر کی کاٹی ہین ہم اسی دن کو

ولی
عالم مین ترے ہوش کی تعریف مین کی ہے
ایسا تو نہ کر کام کہ مجھ پر سخن آوے

(کون - کو)

کون کے بجاے اب کو بولتے ہین

کیدھر - کدھر

اب کیدھر کے بجاے کدھر کہتے ہین -

سید عبد الولی
سدھارے گل کہان سونے پڑے ہین گلستان اپنے
گئی ہین بلبلین کیدھر جلا کر آشیان اپنے

انکھیان - آنکھیں (ہور - اور)

کسی وقت بجاے آنکھون کے انکھیان ہی بولتے تھے

ہاتفی
تری انکھیان ہور زلف سے کافر ہوا سارا جہان
اسلام ہور تقوے کہان زہد اور مسلمان کدھر

لاگا - لگا

لاگا کے بجاے اب لگا کہتے ہین

عبد البر
سجن کے ہجر کا نیزہ جگر کے بیچ لاگا ہے

ہم نا - ہم نے تمن - تمھین

کبھی بجاے ہم نے اور تمھین کے ہم نا - اور تمن بھی بولتے تھے -

ہمنا تمن کو دل دیا تم دل لیا اور دکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے

(سین - سون - سے)

اب بجائے سین اور سون کے سے استعمال ہوتا ہے۔

ولی - بیوفائی نہ کر خدا سون ڈر کج ادائی نہ کر خدا سون ڈر

میر - آہ اگر باغ سین وہ سرو خرامان گزرے
اشک قمری سے گلستان مین طوفان گزرے

ان چند نمونون سے معلوم ہوسکتا ہے کہ بعض الفاظ مین رفتہ رفتہ ترمیمات اور تبدیلیان ہوگئی ہین اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس عہد مین ترمیمات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اس اوپر کے نقشہ مین (سین) کے ساتھ ہی دوسرے مصرع مین (سے) بھی لایا گیا ہو۔

پرانے شاعرون کے کلام مین اس قسم کے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہین اور جب انکا مقابلہ عہد جدید کے شاعرون سے کیا جاتا ہو تو پتہ لگتا ہو کہ زبان اردو مین بھی رفتہ رفتہ کس کس قسم کی کانٹ چھانٹ ہوتی رہی ہے اگر ذرا وسعت نظر سے کام لین تو معلوم ہوگا کہ الفاظ اردو کو پنجابی زبان سے نسبتاً زیادہ وابستگی ہے جسقدر الفاظ اردو نے ترک کردیے ہین وہ اسوقت تک پنجابی مین مستعمل ہین اگر انمین ذرا بھی ترمیم کردی جائے تو وہی اردو بن جاتے ہین۔ ہم ایک مختصر سی عبارت پنجابی مین لکھتے ہین تاکہ ناظرین کرام دیکھ سکتے ہین کہ اردو اور پنجابی الفاظ مین کسقدر وابستگی اور رابطہ ہے۔

(پنجابی)

میری بات جے تسین من لیندے تے میرے واسطے اچھا ہوندا تساندا نہ منا میرے حق وچھ بہت برا ہے مین خیال کرتا ہان کہ جے تساندی مرضی ہوئے تے تسین من سکدے ہو پر تساڈے اختیار وچھ ہے مینون ایس اوپر یقین ہے

جن الفاظ پر ہندسے دیے گئے ہین پہلے اردو زبان مین بھی استعمال ہوتے تھے اردو مین ان کا یہ ترجمہ ہوگا۔

میری بات اگر آپ مان لیتے تو میرے واسطے اچھا ہوتا آپ کا نہ ماننا میرے حق مین بہت برا ہے خیال کرتا ہون کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو آپ مان سکتے ہین

آپ کے اختیار مین ہے مجھے اسپر یقین ہے -

دوسرے السنہ سے بھی پنجابی کی طرح اردو زبان اور اُردو کے الفاظ کو نسبت ہے مگر جسقدر پنجابی سے ہے شاید ہی کسی اور زبان سے ہو - اسکی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اُردو زبان مین فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش ہوئی ہے اور پنجاب مین بھی اہل فارس اہل کابل اور اہل عرب کے آنے کی وجہ سے ان زبانون کے الفاظ کا استعمال بکثرت ہوتا گیا - عربی الفاظ سندھ کے راستے سے بھی پنجاب مین داخل ہوے -

ارتقاے زبان کا عمل کسی وقت مین ختم نہین ہوتا بلکہ یہ عمل برابر جاری رہتا ہے - تاوقتیکہ کوئی زبان پایۂ تکمیل تک نہ پہونچ جائے بلکہ تکمیل پر بھی کچھ نہ کچھ اضافے اور کتر بیونت کی ضرورت ہوتی رہتی ہے - یہ وہ سلسلہ ہے جو ہمیشہ انسانی اور قومی زندگی کے ساتھ ترقی کرتا رہتا ہے - جب قوم ترقی یاب ہوتی ہے تو زبان بھی ترقی پاتی ہے اور جب قوم مین تنزل آتا ہے تو زبانون مین بھی انحطاط اور زوال کے آثار شروع ہو جاتے ہین -

سلطان احمد

جرمنی مین ڈاکٹر ٹیگور کا چرچا

نیویارک امریکہ کا ایک تاجر کتب حال ہی مین تمام یورپ کی سیاحت کے بعد لندن پہونچا ہے - اسکا بیان ہے کہ امریکہ مین ابتک جو کتاب نہایت ہی سرعت اور عمدگی سے فروخت ہوئی ہے - وہ "مین سٹریٹ" تھی جسکے دو لاکھ نسخے بہت جلد فروخت ہو گئے - مگر تاجر کتب موصوف بیان کرتا ہے کہ جب وہ برلن مین تھا - تو ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور کی کتب کے شایع کنندگان نے ڈاکٹر موصوف کی تصانیف کو شایع کرنے کے لیے بیس لاکھ پونڈ سے زیادہ کاغذ کا آرڈر دیا - تاکہ کتب شایع کی جائین - اندازہ کیا گیا ہے کہ بیس لاکھ پونڈ سے تیس لاکھ کتب شایع ہو سکین گی -

---

عجائبات سرندیپ

نام اور انکی تحقیقات | سرندیپ جزائر ہند مین ایک مشہور و معروف جزیرہ ہے، جسے عرب سیلان یورپ والے سیلون اور ہندوستان کے باشندے، لنکا، سندگادیپ، سانکل دیپ اور سرندیپ بھی کہتے ہین۔ انگریزی تاریخون سے معلوم ہوتا ہے کہ لنکا، اُس قلعہ شاہی کا نام تھا جسمین خود تاجدار جزیرہ رہتا تھا۔ اور دریاے شور کے ساحل پر ابتک اُسکا ایک بہت بڑا برج موجود ہے جو اپنی شاندار تاریخی روایات کا زبان حال سے ثبوت پیش کر رہا ہے۔ اسی مناسبت بالا کی وجہ سے تمام ملک کا نام لنکا ہوگیا، اور یہی نام بہت زیادہ مشہور و متعارف ہے۔ یہان اب حکومت برطانیہ کی تھوڑی سی فوج اور کچھ سامان جنگ، اسلحہ وغیرہ بنظر احتیاط و تحفظ رہتا ہے

دوسرا نام | سانکل دیپ ہے۔ سانکل اور دیپ دونون لفظ ہندی زبان کے ہین، سانکل ہندی مین زنجیر کو اور دیپ، جزیرہ کو کہتے ہین۔ یعنی "زنجیر کا جزیرہ"۔ اسکی وجہ تسمیہ غالباً وہ زنجیرین ہین جنکا ذکر آگے آئیگا۔

تیسرا نام | سرندیپ ہے۔ لفظ سرن بھی ہندی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی ہین۔ پناہ، لہذا سرندیپ کے معنی ہوے جزیرۂ نجات، یا جزیرۂ پناہ۔

موسمی حالت | اس جزیرہ مین اکثر و بیشتر پانی برستا ہے۔ اسی وجہ سے ملک نہایت سرسبز و شاداب اور موسم بہت اچھا ہوتا ہے۔

حکومت سابق و حال | پہلے اس جزیرہ کا فرمانروا ایک ہندو راجہ تھا۔ جسنے اپنی حکومت مین ملک کو ثروت و خوشحالی سے لبریز اور رعایا کو شاد و آباد رکھا۔ مگر ضعف و انحطاط کے آثار پیدا تھے ۱۸۰۲ء مین برطانیہ نے اسپر قبضہ کرلیا اور قابض و متصرف ہوکر راجہ کو گوشۂ عافیت مین متمکن بنا دیا نیز معقول تنخواہ مقرر کردی جو اسکی اولاد کو ابتک ملتی رہتی ہے۔

راجہ رامچندر جی اور راون والی لنکا کے جنگی واقعات ہندوستان کے غرائب قصص

مین شمار کیے جاتے ہین۔ اور ہندی علم ادب انسے لبریز ہے۔

اسی حق وباطل کی جنگ، اور فتح صداقت و شکست ستم کی یادگار ہندوون کا تیوہار دسہرہ ہے۔

تاریخ سرندیپ کے ماخذ | سرندیپ کے تاریخی حالات عربی و فارسی کی قدیم کتب تواریخ مین نہین ملتے البتہ انگریزون نے (جو فن تاریخ کے بڑے دلدادہ، سیر و سیاحت کے بیحد شائق اور تحقیق و تلاش کے شیفتہ، آثار قدیمہ کا پتہ چلانیکے نہایت گرویدہ ہین) ہر ملک کے حالات چشمدید اور معتبر و مستند طریقون سے سنکر نیز تاریخ وسیر کی کتابون سے فلسفۂ درایت کے زرین اُصول پر انتخاب کرکے اپنی کتابون مین لکھے ہین چنانچہ سرندیپ پر بھی اپنی تحقیق کے دریا بہائے ہین اور وہی اس مضمون کا ماخذ ہین۔

جغرافیہ سرندیپ | جزیرۂ سرندیپ، ہندوستان کی جنوبی سمت مین خط استوا کے قریب واقع ہے اسکا طول جنوباً و شمالاً دو سو آٹھ کوس، عرض مین شرقاً و غرباً دو سو میل ہے۔ اور اسکا تمام و کمال دور آٹھ سو کوس یعنی سولہ سو میل ہے۔ چارون طرف دریاے شور اور بیچ مین جزیرہ کی زمین بلند ہے۔ اور تین میل تک کے اونچے اونچے پہاڑ اسمین واقع ہین۔ نیز چار بڑے بڑے دریا مثلاً گنگا، مہابلی وغیرہ جاری ہین جنکا پانی نہایت لطیف و خوشگوار ہے اور تمام جزیرہ انھین ندیون کے صاف و شفاف پانی سے سیراب و شاداب ہوتا ہے۔

پیداوار | سرندیپ کے جنگلون مین سیاہ مرچ، دارچینی، الائچی، کیلا، گنّا بافراط پیدا ہوتا ہے اور آبنوس، ساگون، ساکھو چیڑ وغیرہ کے درخت بھی بکثرت موجود ہین۔

کوہ آدم گر | سرندیپ کے پہاڑون مین ایک پہاڑ بہت بلند و بالا ہے۔ جسے اس جزیرہ کے باشندے (بکسرراے) "آدم گر" کہتے ہین۔ یہ سنسکرت زبان مین پہاڑ کا نام ہے۔ اس پہاڑ پر پہونچنے کا راستہ عجیب و غریب ہے وہ اولاً ایک طولانی مسافت طے کرکے ایک ایسی جگہ پر پہونچتا ہے جو بالکل مسطح ہے۔ گویا یہ پہاڑ کے درجۂ ابتدائی کی انتہا ہے یا مسافر کی منزل اول ہے پھر یہان سے دوسری چڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ راستہ مین ایک نہایت عمیق اور وسیع و عریض خندق ملتی ہے جو بالکل قدرتی ہے۔ انسانی کوشش کو اس سے کوئی تعلق نہین

اس خندق سے گزر کر ایک اور طولانی مسافت طے کرنی پڑتی ہے۔ تب آدمی اپنی منزل مقصود یعنی پہاڑ کی چوٹی پر وارد ہوتا ہے۔ یہ تمام تر مسافت تقریباً پندرہ میل کی ہے جو پورے ایک دن مین ختم ہوتی ہے۔

عجیب زنجیر اور تختے | ان دونون خندقون پر سے گزرنیکے لیے دو لکڑی کے تختے پڑے ہوے ہین۔ ہر ایک تختہ یک لخت سات فٹ چوڑا ہے۔ انمین جوڑ پیوند بالکل نہین ہے اور قد آدم ایک زنجیر اس سرے سے اُس سرے تک اس حیرت انگیز چوبی پل پر نصب ہے کہ اسکو پکڑ کر ہر راہ رو بلا تکلف و بے خطر خندق پر سے گزر جاتا ہے۔ خدا کے سوا کوئی نہین جانتا کہ یہ دونون تختے دونون خندقون پر کسنے رکھے ہین اور یہ زنجیرین کسکی لگائی ہوئی ہین۔ اور نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ زنجیرین لوہے کی ہین یا ست کٹ کی یا کسی اور نایاب دھات کی۔ مزید تعجب و حیرت یہ ہے کہ زنجیر کے جوڑ بالکل نہین معلوم ہوتے۔ نہ اُسپر کہین زنگ لگا ہے اور مضبوطی مین بھی بے مثل ہے تختون کی لکڑی بھی خدا جانے کس چیز کی ہے کہ ایک نامعلوم زمانہ گزرنیکے باوجود ہنوز نہ سر مو بوسیدہ ہوئی ہے اور نہ بوسیدہ ہونیکے کچھ آثار پائے جاتے ہین۔ زنجیر کا ہر حلقہ تین انچ موٹا ہے اور جو حلقہ نیز تختہ کے کنارہ پر جڑا ہوا ہے اُسکا قطر (حجم) ایک فٹ ہے۔ خندق اول کی زنجیر تیس فٹ لمبی اور دوسری خندق کی زنجیر چھ فیٹ لمبی ہے۔

یہ دونون عجیب و غریب پل زینہ کی طرح پستی سے بلندی کی جانب چڑھتے ہوے واقع ہین اور دونون زنجیرین دونون طرف میخون سے زمین اور پتھر مین گڑی ہوئی ہین۔ اور یہ نہین معلوم ہوتا کہ میخین کتنی گہرائی تک پہاڑی زمین مین گاڑی گئی ہین۔

عجیب و غریب نقش قدم | پہاڑ کی چوٹی بالکل سطح ہے اور وہان چٹان پر ایک نقش قدم کندہ ہے۔ بقول عبد القادر سیلانی اسکی پیمائش یہ ہے۔ طول چھ فیٹ نو انچ۔ عرض ایک فیٹ تین انچ۔ ایڑی سات انچ۔ عمق چار انچ۔

جزیرۂ سرندیپ مین تین ربع ہندو مہاتما بودھ اور مہادیوجی کے پیرو، اور ایک ربع مسلمان آباد ہین جو کہتے ہین کہ ہم یہان آٹھ سو برس سے آباد ہین۔ مسلمان بیان کرتے ہین کہ اس پہاڑ پر حضرت آدم علیہ السّلام مدت دراز تک ایک پانون سے کھڑے ہو کر خدائے پاک کی عبادت

اور التجائے معافی کرتے رہے ہین یہ انھین کا نقش قدم ہے۔

ہندوون کا قول ہے کہ مہادیوجی کا نقش قدم ہے۔ اور پیروان بودھ اسے بودھ کا نقش قدم بتاتے ہین، بہرحال سرندیپ کے تمام ہندو مسلمان ہرسال ایک بار اس نقش قدم کی زیارت کو پہاڑ پر ضرور آتے ہین۔ بہت بڑا میلا لگتا ہے اور ہزارون لاکھون روپیہ کا سامان فروخت ہوجاتا ہے۔ ہر ملک کے سوداگر یہان آتے ہین۔

ایک خاص قسم کے درخت اس متبرک ومقدس قدم کے گرداگرد ایک خاص قسم کے درخت ہین جو دنیا کی کسی اور اقلیم مین نہین پائے جاتے۔ باشندگان سرندیپ ان درختون کے پھلون کو ڈپی مدّری کہتے ہین۔ غالباً یہ اُنھین کی زبان کے الفاظ ہین۔ ڈپی کے معنی ہین ڈبیہ، اور مدّری کے معنی ہین چھلا، پھل بہت خوبصورت بشکل بادام ہوتا ہے۔ مگر یہ ثمر خوش منظر کھانیکے قابل بالکل نہین ہے بلکہ زہر قاتل کی خاصیت رکھتا ہے۔ فوراً اپنا کام کرجاتا ہے اور کھانیوالا زندہ نہین رہتا چرند، پرند، غرض کوئی اسے نہین کھاتا۔ اور نہ اسکے پاس جاتا ہے۔ اس پھل پر ایک قدرتی نشان دانت سے کاٹنے کا صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اسمین سے تھوڑا سا کتر لیا ہے۔ پھل کا مغز بالکل سُرخ ہے اور پھول نہایت خوشبودار ہوتا ہی

سرندیپ کے مسلمان کہتے ہین کہ خدا تعالی نے آدم وحوا علیہ السلام کو پیدا کرکے اس باغ مین بسایا تھا۔ یہ باغ بہت سرسبز وشاداب اور آراستہ وپیراستہ تھا۔ آدم وحوا سے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اس باغ کے تمام میوے کھاؤ، اور پھول سونگھو مگر اس درخت کے پاس تک نہ پھٹکنا لیکن شیطان نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو بہکایا اور انھون نے اس درخت کا پھل ذرا سا دانت سے کاٹکر چکھ لیا۔ اُسی وقت سے اس قادر مطلق کی حکمت سے ابتک ہر ایک پھل پر اُسکا نشان اولاد آدم کی عبرت کیلیے بطور علامت موجود ہے اور اس نافرمانی کی وجہ سے دونون اُس نایاب باغ سے نکال دیے گئے۔

ہندو کہتے ہین کہ راون نے سیتاجی کو لاکر اس باغ شاداب مین رکھا تھا۔ جب سیتاجی نے چند پھل دانت سے کاٹ کر اُسمین زہر ہلاہل بھر دیا کہ راون کھاتے ہی جہنم واصل ہو قدرت الٰہی سے اسکا اثر تمام درخت اور اُسکے پھلون مین ہمیشہ کیلیے سرایت کرگیا بلکہ جزو درخت

ہو گیا ہے اور پہر پھل پر دانت سے کاٹنے کا نشان بھی نمایان ہے۔

مرزا تقی سپہر صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہین کہ کوہ سرندیپ کے اوپر شاکمونی کا نقش قدم ہے۔ ساکمونی کو ملک خطا کے لوگ پیغمبر جانتے ہین۔ یہان رہکر اُنھون نے چند سال تک ایک پانؤن سے کھڑے رہکر عبادت الٰہی کی ہے اور یہان سے آسمان پر جاکر واپس آئے ہین۔ آسمان سے واپس آنیکے بعد شاکمون سے نسل انسانی عالم وجود مین آئی۔ اور شاکمونی کا قول ہے کہ مین بحکم خدا پھر اسی مرتبہ دنیا و آسمان مین آیا گیا ہون۔ شاکمون کی دعائین تمامتر عبودیت و بندگی اور عاجزی سے لبریز و معمور ہین۔

سرندیپ کی موجودہ حالت و آبادی | انگریزی حکومت نے اس جزیرہ کو پانچ حصون مین تقسیم کردیا ہے۔ شہر جافنا شمالی حصہ کا دارالحکومت ہے۔ اور شہر گالی سیلان جنوبی حصہ ملک کا۔ یہ بہت بڑی بندرگاہ ہے۔ اکثر جہازات کوئلہ لینے کی غرض سے یہان لنگر انداز ہوتے ہین۔ شہر ٹرنکملی حصہ شرقی کا پایہ تخت ہے۔ اور شہر کلمبو حصہ مغربی کا۔ اور شہر کانڈے، حصہ درمیانی یعنی قلب جزیرہ کا دارالسلطنت ہے۔ ان پانچ بڑے بڑے شہرون کے علاوہ بکثرت قصبات و دیہات آباد ہین۔ شہرون کی آبادی تخمیناً چالیس ہزار ہے۔ اور اس پورے جزیرہ کی آبادی کا شمار تقریباً بیس لاکھ نفر ہے۔

سرندیپ کے قدیم باشندون کی چار مشہور قومین یہ ہین۔

۱۔ بیدی۔ یہ لوگ وحوش کی مانند دشت و صحرا مین رہتے ہین۔ صحرائی کبوترون کی طرح انمین وحشت ہے۔ درندون کی طرح جب کسی آدمی کو پاتے ہین تو مار کر کھا جاتے ہین شہری باشندے بھی جب انکا سامنا ہوجاتا ہے تو درندے سمجھکر بندوق یا تلوار سے ہلاک کرڈالتے ہین انگریزون نے انکے بچون کو پکڑ کر پالا اور پرورش کیا تھا۔ مگر وہ جب بڑے ہوئے تو جنگل کو بھاگ گئے طبعی وحشت و صحرائیت انسے بالکل دور نہ ہوئی۔

۲۔ دوسری قوم کا نام ”سنگلی“ ہے۔ یہ بھی صورت مین انسان مگر سیرت مین بہائم ہین مردم خوار، بزدل اور نرے احمق ہوتے ہین۔ مگر جسکے پاس رہتے ہین اسکی نہایت وفاداری و امانت سے اطاعت کرتے ہین۔

۳- تیسری قوم کا نام مدیا ،، ہی - یہ کوہستان مین رہتے ہین کسی مذہب و ملت کے پابند نہین بہت طماع اور لالچی ہین -

۴- چوتھی قوم کا نام ماریا ہی - یہ لوگ اکثر تجارت پیشہ ہین - اور اس قوم کے اکثر و بیشتر افراد مسلمان ہوگئے ہین - مگر تمام تمدن و معاشرت کے آداب ہندو مسلمان دونون کے یکسان ہین - پہلے اس ملک کے باشندون کی زبان پالی تھی اب اسمین تلنگی بھی شامل ہوگئی ہی -

قبر آدم علیہ السلام | حاجی مردان علیخان اپنے سفرنامہ مین یہ بھی لکھتے ہین کہ کوہ آدم کر کے دامن مین حضرت آدم علیہ السلام کی قبر بھی ہی - قبر ناپی گئی تو تین سو پندرہ فٹ ہی - اور حضرت حوا علیہا السلام کی قبر بندرگاہ جدہ مین ایک سو ساٹھ گز ہی - یہ دونون قبرین قبلہ رو ہین سرو پا کی جانب دو چھوٹے چھوٹے قبے پہچان کی غرض سے بنا دیے گئے ہین -

شہر کالی سیلان مین ایک گروہ حسنی سادات کا قریب کوہ آباد ہی - اُسکا قول ہی کہ ہم یہان سات سو برس سے مقیم و سکونت پذیر ہین - انھین مین کے چند آدمی حضرت آدم علیہ السلام کی اس قبر کے مجاور ہین -

ایک عجیب بات یہ ہی کہ یہان کے اکثر ہندو مردہ کو جلاتے نہین بلکہ مسلمانون کی طرح زمین مین دفن کرتے ہین -

ایک عجیب و غریب دانت | یہین ایک مندر مین ایک انسانی دانت ایک بالشت کا نہایت احترام و عزت کے ساتھ ایک مرصع صندوقچہ مین رکھا ہوا ہی - ہندو کہتے ہین کہ یہ بودھ کا دانت ہی اور مسلمان کہتے ہین کہ آدم علیہ السلام کا دانت ہی - لیکن واقعہ یہ ہی کہ دانت بودھ کا نہین ہوسکتا - کیونکہ بودھ کو گزرے ہوے دو ہزار تین سو برس کا زمانہ ہوا ہی - اسوقت انسان کے دانت ایسے ہی تھے جیسے اب ہوتے ہین -

قبر ہابیل | یہان سے چند منزل کے فاصلہ پر ملیبار کے قریب قصبہ رام ناتھ مین ہابیل کی قبر ہی - یہ قبر ایک سو اسی فٹ لمبی ہی - یہان بھی مسلمان مجاور ہین - اور یہ لوگ اپنے کو شیخ کہتے ہین -

وید مقدس | بہت زمانہ گزرا ایک انگریز نے مکان بنوانیکی غرض سے ایک مقام پر

نیو کھدوائی۔ اُس جگہ ایک تہ خانہ نکلا۔ تہ خانہ مین ایک تخت پر سونے کے کچھ کندہ اوراق دستیاب ہوے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ اہل ہند کی مقدس کتاب چار ویدہین اور اُسپر راون کی لکھی ہوئی شرح بھی کندہ ہی۔ یہ کتاب لندن بھیج دی گئی۔ وہان سے قیصر جرمنی نے اُسکی نقل حاصل کی اُور اسکو پڑھنے کی غرض سے اہل جرمنی کو سنسکرت زبان پڑھنے کا شوق ہوا۔ چنانچہ بکمال ذوق وشوق زبان حاصل کرکے سنسکرت کا ایک مستقل سکول کھول دیا۔ جرمنی زبان سنسکرت اور اُسکے علوم وفنون کو نہایت دلچسپی سے پڑھتے ہین۔ چارون ویدون کو طبع کرکے داخل درس کرلیا ہی۔ یہ مقدس کتاب توحید وعلوم الٰہیات سے مملو ہی۔ دیانند سرسوتی جنکو گزرے ہوے کچھ زیادہ زمانہ نہین گزرا ہی بڑے فاضل وکامل وپکے موحد تھے۔ وہ بت پرستی کو خلاف احکام وید کی تعمیل دیتے تھے۔ افسوس کہ اُنکو دشمنون نے زہر دیکر خفیہ طور پر مارڈالا اُنکے پیرو اب بھی کثرت سے موجود ہین۔

کاغذ کی تاریخ

محمد حسین محوی صدیقی

کاغذسازی کا کام اول ۱۰۵ء کے بعد شروع ہوا تھا۔ سب سے پہلے جاپان چین۔ عرب مصر اور تبت نے کاغذ بنایا تھا۔ تھے بانسون کے پودے پُرانے سن کے ٹکڑے۔ مچھلیون کے جال۔ بھوج پتر کی چھال وغیرہ سے کاغذ تیار کیا جاتا تھا۔ ایک قسم کے درخت کی چھال اور وہان کی پیال سے بھی کاغذ تیار کیا جاتا تھا۔

۷۵۱ء مین سمرقند کے اندر کاغذسازی کا ایک کارخانہ تھا۔ تبت مین ۶۵۰ء کے قریب وسط مین کاغذسازی کا کام شروع ہوا۔ عرب لوگ ۸۰۰ء کے آغاز مین کپاس روئی یا اون کو کاغذسازی کے کام مین لاتے تھے۔

ہندوستان مین کاغذسازی کیلیے سب سے زیادہ زبردست ثبوت عہد اکبر سے ملتا ہی۔ اسوقت اول ہی اول کشمیر مین کاغذسازی کی صنعت کا آغاز ہوا تھا۔ اور بعد ازان اسکی صنعت سارے ہندوستان مین پھیل گئی اور اسکے بعد سے بھوج پتر پر لکھنے کا رواج اُٹھ گیا۔ پہاڑی علاقہ جات کے باشندون مین ایک قسم کے درخت کی چھال کا بڑا رواج تھا اور اسی طرح غیر پہاڑی بھوج پتر کو کام مین لاتے تھے۔ لیکن جب سے ہندوستان مین کاغذ کا رواج ہوا۔ دونون چیزونکا چلن بند ہوگیا اکبر کی نگرانی مین کشمیر کے اندر کاغذ کا کارخانہ جاری ہونیکے بہت پہلے کوہ ہمالہ کے مشرقی باشندون مین ایک قسم کی کاغذسازی کی صنعت موجود تھی جو غالباً انھون نے چینیون سے حاصل کی ہوگی۔ یہ صنعت دن بدن فروغ حاصل کرتی رہی اور آج بھی ہندوستان مین بہت پرانی تاریخی نظمون اور نثر کے چھپے ہوئے نسخے کاغذ بنانیکا طریقہ جانتے ہیں

(مہر)

موٹھ

(۱)

ڈاکٹر جے پال نے اعلی درجہ کی سند حاصل کی تھی لیکن اسے تقدیر کہیے یا کاروباری اصولون سے لاعلمی کہ انھین اپنے پیشہ مین کبھی فروغ نہوا۔ انکا مکان ایک تنگ گلی مین واقع تھا لیکن انھین کوئی کشادہ مکان لینے کا کبھی خیال نہوا۔ دواخانہ کی الماریان شیشان اور دوسرے طبی آلات بھی صاف ستھرے نہ تھے۔ اس کفایت شعاری کے اصول کو وہ اپنی خانہ داری مین سختی سے ملحوظ رکھتے تھے۔ لڑکا جوان ہوگیا تھا لیکن ابھی تک اسکی تعلیم کی فکر نہ تھی۔ سوچتے تھے اتنے دنون کتابون سے سر مار کر ایسی کونسی ثروت پیدا کرلی کہ خواہ مخواہ اسکی تعلیم پر ہزارون روپیہ خرچ کرون۔ انکی بیوی اہلیا صابر اور جفاکش عورت تھی لیکن ڈاکٹر صاحب نے اُن اوصاف پر اتنا بوجھ رکھدیا تھا کہ انکی کمر بھی خم ہوگئی تھی ماں بھی زندہ تھین لیکن زندگی سے بیزار، جو گنگا اشنان کیلیے ترس ترس کے رہ جاتی تھین دوسرے متبرک مقامون کی جاترا کا ذکر ہی کیا۔ ان بیدردانہ کفایت شعاریون کا نتیجہ یہ تھا کہ اس گھر مین اطمینان اور مسرت کا نام نہ تھا۔ اگر کوئی مد فاضل تھی تو وہ بڑھیا مہری جگیا تھی۔ اسنے ڈاکٹر صاحب کو گود مین کھلایا تھا اور۔ اسے اس گھر سے کچھ ایسی محبت ہوگئی تھی کہ سب خرچ کی سختیان جھیلتی تھی پر ٹلنے کا نام نہ لیتی تھی۔

(۲)

ڈاکٹر صاحب طبی آمدنی کی کمی کو کپڑے اور شکر کے کارخانون مین حصے لیکر پورا کرتے تھے آج سوء اتفاق سے بمبئی کے ایک کارخانے نے انکے پاس سالانہ نفع کے ۷۵۰ روپیے بھیجے ڈاکٹر صاحب نے بیمہ کھولا۔ نوٹ گنے اور ڈاکیہ کو رخصت کرنا چاہتے تھے لیکن ڈاکیہ کے پاس روپیے زیادہ تھے۔ اوچھے منہ نہ بنایا گیا تھا۔ بولا حضور روپیے لے لیں اور مجھے نوٹ دیدین

تو بڑا احسان ہو۔ بوجھ ہلکا ہو جائے۔ ڈاکٹر صاحب ڈاکیوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے
انھیں مفت دوائیں دیدیا کرتے تھے۔ سوچے آخر مجھے بنک جانے کے لیے تانگہ منگانا ہی پڑیگا
کیوں نہ مفت کرم داشتن کے اصول پر عمل کروں۔ روپئے گنکر ایک تھیلی میں رکھدیے اور
سوچ ہی رہے تھے کہ چلوں انھیں بنک میں رکھتا آؤں کہ ایک مریض نے بلا بھیجا۔ ایسے
موقع یہاں شاذ ہی آتے تھے۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب کو صندوقچہ پر بھروسہ نہ تھا لیکن مجبوراً
تھیلی کو صندوقچہ میں رکھا اور مریض کو دیکھنے چلے گئے۔ وہاں سے لوٹے تو تین بج چکے تھے
بنک بند ہو چکا تھا۔ آج روپئے کسی طرح جمع نہ ہو سکتے تھے حسب معمول شفاخانہ میں بیٹھ گئے
آٹھ بجے رات کو جب وہ اندر جانے لگے تو احتیاطاً تھیلی کو اندر رکھنے کے لیے صندوق سے
نکالا۔ تھیلی کچھ ہلکی معلوم ہوئی۔ اُسے فوراً دواؤں کی ترازو پر تولا۔ ہوش اُڑ گئے۔ پورے
ڈھائی سو روپیہ کم تھے۔ اعتبار نہوا۔ تھیلی کھولکر روپے گنے ڈھائی سو روپے کم نکلے مجنونانہ
بے صبری کے ساتھ صندوق کے دوسرے خانوں کو ٹٹولنا شروع کیا لیکن بے سود! روپئے
غائب ہو گئے تھے۔ مایوس ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور حافظہ کو مجتمع کرنے کے لیے آنکھیں
بند کر کے سوچنے لگے میں نے روپئے کہیں الگ تو نہیں رکھدیے۔ ڈاکیہ نے روپئے کم تو نہیں
دے۔ میں نے شمار کرنے میں تو غلطی نہیں کی؟ ہرگز نہیں۔ میں نے پچیس پچیس روپیہ کی
گڈیاں لگائی تھیں۔ پوری تیس گڈیاں تھیں۔ خوب یاد ہے۔ میں نے ایک ایک گڈی گنکر
تھیلی میں رکھی۔ حافظہ مطلق خطا نہیں کرتا۔ صندوق کی کنجی بھی بند کر دی تھی۔ مگر اوہو! اب
سمجھ میں آگیا۔ کنجی میز ہی پر چھوڑ دی۔ عجب نہیں اُسے جیب میں رکھنا بھول گیا۔ وہ ابھی تک
میز ہی پر پڑی ہے۔ بس یہی بات ہے۔ کنجی جیب میں ڈالنے کا خیال نہ رہا۔ لیکن لے کون گیا
باہر کے دروازے بند تھے۔ گھر میں کوئی میرے روپیے پیسے چھوتا نہیں۔ آجتک کبھی ایسا
اتفاق نہیں ہوا۔ ضرور کسی باہر کے آدمی کی حرکت ہے۔ ممکن ہے کوئی دروازہ کھلا رہگیا ہو،
کوئی شخص دوا لینے آیا ہو، میز پر کنجی پڑی دیکھی ہو اور صندوق کھولکر روپے نکال لیے ہوں
اسی سے میں روپیے نہیں لیا کرتا۔ کیا عجب ہے ڈاکیہ ہی کی شرارت ہو۔ بہت ممکن ہے۔
اُسنے مجھے صندوق میں تھیلی رکھتے دیکھا تھا۔ یہ روپے جمع ہو جاتے تو میرے پاس پورے

.... ہزار روپیے ہوجاتے۔ سود کا حساب لگانے مین آسانی ہوتی۔ کیا کرون؟ پولیس مین اطلاع کرون؟ بالکل بے سود، خواہ مخواہ کا دردِ سر ہی۔ محلہ بھر کے آدمیون کا دروازہ پر مجمع ہوگا، دس پانچ آدمیون کو گالیان کھانی پڑینگی اور حاصل کچھ نہین۔ تو کیا صبر کرکے بیٹھ رہون؟ کیسے صبر کرون۔ یہ کوئی مال مُفت نہ تھا۔ حرام کی رقم ہوتی تو سمجھتا مالِ حرام بود بجائے حرام رفت۔ یہان تو ایک ایک پیسہ اپنے پسینے کا ہی۔ مین جو اتنی کفایت سے بسر کرتا ہون، اتنی تکلیفین اُٹھاتا ہون، بخیل مشہور ہون۔ گھر کے ضروری مصارف مین بھی قطع و برید کرتا رہتا ہون، کیا اسی لیے کہ کسی اُچکے کیلیے سامان تفریح مہیا کرون؟ مجھے ریشم سے نفرت نہین، نہ میوے کم مرغوب ہین نہ سوءِ ہضم کی شکایت ہی کہ بالائی نہ ہضم کرسکون نہ ضعف بصر ہی کہ تھیٹر اور سنیما کا لُطف نہ اُٹھا سکون۔ آخر یہ نفس کشی اسی لیے تو کرتا ہون کہ میرے پاس چار پیسے ہوجائین۔ ضرورت کے وقت کسی کا دست نگر نہون۔ کچھ جائداد لے سکون اور نہین تو اچھا گھر ہی بنوالون۔ اور اس نفس کشی کا یہ نتیجہ! گاڑھی محنت کے روپیے یون گاؤخورد ہون۔ کاش مجھے معلوم ہوجاتا کہ یہ کس ظالم کی حرکت ہی۔ ستم ہی کہ مین یون دن دہاڑے لُٹ جاؤن اور اس غارتگر کا بال بھی بیکا نہو۔ اسکے گھر عید ہو رہی ہوگی، جشن منایا جا رہا ہوگا۔ سب کے سب بغلین بجا رہے ہون گے۔

اس خیال سے ڈاکٹر صاحب پر ایک پُر اضطراب جذبۂ انتقام کا غلبہ ہوا۔ مین نے کبھی کسی فقیر کو، کسی سادھو کو، دروازے پر کھڑا نہین ہونے دیا، باوجود تقاضون کے احباب کی کبھی دعوت نہین کی، عزیزون اور مہمانون سے ہمیشہ محترز رہا۔ کیا اسی لیے کہ یون ایک شاطر حریف کا تختۂ مشق بنون۔ کاش مجھے اسکا سراغ مل جاتا تو مین ایک زہریلی سوئی سے اُسکا کام تمام کردیتا۔

مگر کوئی علاج نہین۔ قہر درویش بر جان درویش کا معاملہ ہی۔ خفیہ پولیس والے بھی بس نام ہی کے ہین، سراغرسانی کا مادہ نہین۔ اُنکی ساری کارروائی سیاسی تقریرون کی غلط رپورٹین لکھنے پر ختم ہوجاتی ہی۔ انسان کتنا معذور ہی۔ کسی مسمرائزر کے پاس چلون۔ وہ اس عقدہ کو حل کرسکتا ہے۔ سنتا ہون یورپ، اور امریکہ مین اکثر چوریون کا سراغ اس

ترکیب سے مل جاتا ہی۔ مگر یہان ایسا باکمال کون ہی۔ اور پھر مسمریزم کے جوابات ہمیشہ معتبر نہین ہوتے۔ جوتشیون کی طرح وہ بھی قیاسات کے بحر بیکنار مین غوطے کھانے لگتے ہین کچھ لوگ نام بھی تو نکالتے ہین۔ اُنکے بڑے حیرت انگیز معجزے سنتے ہین۔ مین نے کبھی اُن روایتون پر اعتبار نہین کیا۔ مگر کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہی ورنہ اس مادّی دور مین اس علم کا وجود ہی نہ رہتا آجکل کے علماء طبیعات بھی تو روحانیات کے قائل ہوتے جاتے ہین مگر بالفرض کسی ملا نے کسی بے جرم کا نام بتلا ہی دیا تو میرے ہاتھ مین اسکے یاداش کا کونسا آلہ ہی۔ وہ ضمیر گوئی شہادت کا کام نہین دیسکتی بجز اسکے کہ ایک لمحہ کیلیے میری طبیعت کو سکون ہوجائے اور اس سے کیا حاصل ہی!

ہان خوب یاد آیا۔ ندی کی طرف جاتے ہوے وہ جو ایک اوجھا بیٹھتا ہی اُسکے کرتب کے اکثر واقعات سُننے مین آتے ہین سُنتا ہون دفینون کا پتہ بتلا دیتا ہی۔ مریضون کو بات کی بات مین چنگا کردیتا ہی۔ چوری کے مال کا پتہ لگا دیتا ہی۔ موٹھ چلاتا ہی۔ موٹھ کی بڑی تعریف سنی ہی۔ موٹھ چلا اور چور کے مُنھ سے خون جاری ہوا جبتک وہ مال واپس نہ کردے خون بند نہین ہوتا۔ یہ ترکیب اگر کارگر ہوجائے تو میرا دلی منشا پورا ہوجائے۔ مُنھ مانگی مُراد بر آئے۔ روپے بھی مل جائین۔ چور کی تنبیہ بھی ہوجائے۔ اسکے یہان ہمیشہ غرض مندون کا ہجوم لگا رہتا ہی۔ اگر اسمین کچھ کرتب نہوتا تو اتنے لوگ کیون جمع ہوتے۔ اسکے چہرہ سے ایک سایبت برستی ہی۔ آجکل کے تعلیمیافتہ لوگون کو تو ان باتون پر اعتقاد نہین ہی لیکن نیچ آدمیون اور جہلا مین تو اسکا کافی چرچا ہی۔ بھوت، آسیب، جن، کے افسانے روز ہی سُنا کرتا ہون۔ کیون نہ اسی اوجھے کے پاس چلون۔ بالفرض کوئی فائدہ نہ بھی ہو تو میرا نقصان ہی کیا ہی۔ جہان ساڑھے سات سو گئے ہین دو چار روپے کا خون اور سہی۔ مال مل گیا تو پوچھنا ہی کیا۔ چور کی قرار واقعی سرزنش بھی ہوجائیگی۔ یہ موقع بھی اچھا ہی۔ آدمیون کا ہجوم کم ہوگا۔ چلنا چاہیے۔

(۳)

دل مین یون فیصلہ کرکے ڈاکٹر صاحب اُس سیانے کے گھر کی طرف چلے۔ جاڑے کی رات تھی۔ نو بج گئے تھے۔ راستہ قریب قریب بند ہوگیا تھا۔ کبھی کبھی گھرون سے رامائن کی صدا

کانون مین آجاتی تھی۔ کچھ دور کے بعد بالکل سناٹا ہو گیا۔ راستہ کے دونون طرف سبزیون کے کھیت تھے۔ گیدڑون کے ہوانے کی آواز سنائی دینے لگی۔ معلوم ہوتا ہے انکا غول کہین قریب ہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اکثر دور سے انکا نغمہ مگر وہ سُننے کا اتفاق ہوا تھا۔ مگر اسوقت اس سناٹے مین اور اتنے قریب سے انکی چیخ سنکر انھین ڈر لگا۔ کئی بار اپنی چھڑی زمین پر پٹکی۔ پیر دھم دھمائے۔ یہ جانور بزدل ہوتے ہین۔ آدمی کے قریب نہین آتے۔ لیکن پھر اندیشہ ہوا کہین انمین کوئی پاگل ہو تو۔ اُسکا کاٹا تو بچتا ہی نہین۔ یہ فکر ہوتے ہی جراثیم اور بیکٹیریا اور پاسٹیور انسٹیٹیوٹ اور کسولی کے خیالات انکے دماغ مین چکر کھانے لگے۔ وہ تیزی سے قدم بڑھائے چلے جاتے تھے۔ دفعتہً خیال آیا کہین میرے ہی گھر مین کسی نے روپے اُڑا دیے ہون تو؟ وہ فوراً ٹھٹک گئے۔ مگر ایک ہی لمحہ مین انھون نے اس صورت حال کا بھی فیصلہ کر لیا۔ کوئی مضائقہ نہین۔ گھر والون کو تو اور بھی سخت سزا ملنی چاہیے۔ چور کو مجھ سے کوئی ہمدردی نہین ہوسکتی۔ لیکن گھر والون کی ہمدردی کا مین مستحق ہون۔ انھین جاننا چاہیے کہ مین جو کچھ کرتا ہون انھین کیلیے کرتا ہون۔ اگر اسپر بھی وہ مجھے یون دغا دینے پر آمادہ ہون تو اُنسے زیادہ کافر نعمت، اُنسے زیادہ احسان فراموش، اُنسے زیادہ بیرحم اور کون ہوگا۔ انھین اور بھی سخت سزا ملنی چاہیے۔ ایسی عبرتناک کہ پھر کبھی کسی کو ایسی جرأت نہو۔

آخر وہ اوجھے کے گھر کے قریب جا پہونچے۔ آدمیون کی بھیڑ نہ تھی۔ انھین تسکین ہوئی۔ ہان انکے تیز قدم ذرا دھیمے پڑ گئے۔ اور پھر خیال ہوا کہین یہ سب ڈھکوسلا ہی ڈھکوسلا ہو تو خواہ مخواہ شرمندہ ہونا پڑے۔ جو سُنے احمق بنائے۔ شاید اوجھا بھی مجھے اپنے دل مین حقیر سمجھے۔ لیکن اب تو آ گئے۔ یہ تجربہ بھی حاصل کر لون۔ اور کچھ نہوگا تو امتحان ہی سہی۔ اوجھا کا نام بدھو تھا۔ لقب چودھری۔ ذات کا چمار۔ مکان بہت تنگ اور بوسیدہ۔ سائبان اتنا نیچا کہ جھکنے پر بھی سر مین ٹکر لگنے کا خوف ہوتا تھا۔ دروازہ پر ایک نیم کا درخت تھا۔ اسکے نیچے ایک چبوترہ۔ نیم کے درخت پر دور سے ایک جھنڈی سی لہراتی ہوئی نظر آئی۔ چبوترہ پر مٹی کے سیکڑون ہاتھی سیندور سے رنگے ہوئے بکھرے تھے۔ کئی لوہے کے نوکدار ترسول بھی نظر آتے تھے، جو گویا ان سست رفتار ہاتھیون کیلیے آنکس کا کام دے رہے تھے۔ دس بجے تھے۔ بدھو چودھری جو ایک سیہ فام

قوی ہیکل، توند یلا، رعب دار آدمی تھا ایک پھٹے ہوئے ٹاٹ پر بیٹھا ناریل پی رہا تھا، بوتل اور گلاس بھی سامنے رکھے ہوئے تھے۔

بدھو نے ڈاکٹر صاحب کو دیکھکر فوراً بوتل چھپا دی اور نیچے اُتر کر سلام کیا۔ گھر مین سے ایک بڑھیا نے مونڈھا لا کر اُنکے لیے رکھدیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کچھ جھپتے ہوے سارا واقعہ مفصل بیان کیا۔ بدھو نے کہا حضور یہ کون بڑا کام ہی۔ ابھی اسی اتوار کو ورما جی کی گھڑی چوری گئی تھی بہت کچھ تحکیکات کی پتہ نہ چلا۔ مجھے بتایا مین نے بات کی بات مین پتہ لگا دیا۔ پانچ روپیہ انام دیے۔ کل کی بات ہی جمادار صاحب کی گھوڑی کھو گئی تھی۔ چارون طرف دوڑتے پھرتے تھے۔ مین نے ایسا پتہ بتایا کہ گھوڑی کھڑی چرتی ہوئی مل گئی۔ اسی بدیا کی بدولت حضور حاکم حکام سب مانتے ہین۔

جے لال کو داروغہ اور جمعدار کا ذکر ناگوار گذرا۔ ان جاہلون کی نگاہون مین جو کچھ ہین وہ داروغہ اور جمعدار ہین۔ بولے مین محض چوری کا پتہ لگانا نہین چاہتا۔ مین چور کو سزا دینی چاہتا ہون۔

بدھو نے ایک لمحہ کے لیے آنکھین بند کین، جمائیان لین، چٹکیان بجائین اور بولا یہ گھر ہی کے کسی آدمی کا کام ہی۔

جے لال۔ کچھ پرواہ نہین۔ کوئی ہو۔

بڑھیا۔ پیچھے سے کوئی بات بنے بگڑے گی تو حضور ہمین کو برا کہین گے،

جے لال۔ اسکی کچھ فکر نہ کرو۔ مین نے خوب سوچ لیا ہی۔ میرا اپنا لڑکا ہی ہو تو بھی مین اُسے سبق دینے سے باز نہ آؤن گا۔ بلکہ اگر گھر کے کسی آدمی کی شرارت ہی تو مین اسکے ساتھ اور بھی سختی کرنی چاہتا ہون۔ باہر کا آدمی میرے ساتھ دغا کرے تو معافی کے قابل ہی۔ لیکن گھر کے آدمی کو مین کسی طرح معاف نہین کر سکتا۔

بدھو۔ تو حضور چاہتے کیا ہین؟

جے لال۔ بس یہی کہ میرے روپیے مل جائین اور چور کسی سخت عذاب مین گرفتار ہو جائے۔

بدھو۔ موٹھ چلا دون؟

بڑھیا "نہ بیٹا موٹھ کے پاس نہ جانا۔ نہ جانے کیسی پڑے کیسی نہ پڑے"

جے لال "تم موٹھ چلا دو۔ اسکا جو کچھ محنتانہ شکرانہ ہو وہ مین دینے کو تیار ہون"

بڑھیا۔ بیٹا مین پھر کہتی ہون موٹھ کے پھیر مین نہ پڑ۔ کوئی جوکھم کی بات آپڑے گی تو یہی بابوجی پھر تیرے سر ہونگے اور تیرے بنائے کچھ نہ بنے گی۔ کیا جانتا نہین۔ موٹھ کا اُتار کتنا کٹھن ہے"

بدھو "ہان بابوجی سوچ لیجیے۔ موٹھ تو مین چلا دون گا لیکن اُسکو اُتارنے کا ذمہ (ذمہ) نہین لے سکتا"

جے لال "اجی کہہ تو دیا۔ مین تمسے اُتارنے کو نہ کہون گا۔ چلاؤ بھی تو"

بدھو نے ضروری سامان کی ایک طویل فہرست پیش کی۔ ڈاکٹر صاحب نے چیزین خریدنیکے مقابلہ مین نقد روپیہ دینا زیادہ مناسب سمجھا۔ بدھو بخوشی راضی ہوگیا۔ چلتے وقت بولے "اچھا منتر چلاؤ کہ صبح ہوتے ہوتے چور میرے پاس مال لیے ہوے آکر حاضر ہو جائے"

بدھو نے کہا آپ لسا کھا تر ہین ایساہی ہوگا۔

(۴)

جے لال گھر پہونچے تو گیارہ بج گئے تھے۔ جاڑے کی رات کڑاکے کی سردی تھی۔ ان کی مان اور بیوی دونون بیٹھی ہوئی انکا انتظار کر رہی تھین۔ طبیعت کو بہلانیکے لیے بیچ مین ایک انگیٹھی رکھ لی تھی جسکا اثر جسم کی نسبت خیال پر زیادہ پڑتا تھا۔ یہان کوئلہ تکلف سمجھا جاتا تھا۔ بڑھیا مہری جگیا جو مادی حرارت سے اسقدر بے نیاز نہ تھی وہین ایک پھٹا ٹاٹ کا ٹکڑا اوڑھے پڑی ہوئی تھی۔ وہ بار بار اُٹھکر اپنی اندھیری کوٹھری مین جاتی طاق پر کچھ ٹٹول کر دیکھتی اور پھر اپنی جگہ پر آکر پڑ رہتی۔ بار بار پوچھتی کتنی رات ہوگئی ہوگی۔ ذرا بھی کھٹکا ہوتا تو چونک پڑتی اور متردد نگاہون سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگتی۔ آج ڈاکٹر صاحب نے خلاف معمول کیون اتنی دیر لگائی اسکا سب کو تعجب تھا۔ ایسا بہت کم موقع ہوتا تھا کہ اُنھین مریضون کو دیکھنے کیلیے رات کو جانا پڑتا ہو۔ اگر کچھ لوگ اُنکے دست شفا کے قائل تھے تو رات کو اس گلی مین آنے کی زحمت نہ گوارا کرتے تھے۔ ملکی یا مجلسی معاملات سے انکو اتنا شوق نہ تھا جو اس تاخیر کا باعث ہو۔ مجلس احباب مین وہ کبھی شریک نہ ہوتے تھے۔ کسی

تھیٹر مین جانا اُنکے دائرۂ خیال سے بھی باہر تھا۔ مان نے کہا جانے کہان چلے گئے۔ کھانا
بالکل پانی ہوگیا ہوگا۔

اہلیا۔ آدمی جاتا ہی تو کہکے جاتا ہی۔ آدھی رات سے اوپر ہوگئی۔

مان۔ کوئی ایسی ہی اٹک ہوگئی نہین تو وہ کب گھر سے باہر نکلتے ہین۔

اہلیا۔ مین تو اب سونے جاتی ہون۔ اُنکا جب جی چاہے آئین۔ کوئی ساری رات بیٹھا ہوا
پہرہ دیگا؟

یہی باتین ہو رہی تھین کہ ڈاکٹر صاحب اندر داخل ہوے۔ اہلیا سنبھل بیٹھی۔ جگیا اُٹھا
کھڑی ہوگئی اور اُسکی طرف سہمی ہوئی آنکھون سے تاکنے لگی۔ مان نے پوچھا۔ آج کہان اتنی دیر
لگادی؟

جے لال۔ تملوگ تو آرام سے بیٹھی ہو نہ۔ مجھے دیر ہوگئی اسکی تمھین کیا فکر۔ جاؤ آرام سے
سوؤ۔ ان ظاہرداریون سے مین دھوکے مین نہین آتا۔ موقع پاؤ تو گلا کاٹ لو۔ اسپر چلی ہو
باتین بنانے۔

مان نے شرمندہ اور خفیف ہوکر کہا۔ بیٹا ایسی دل دُکھانیوالی باتین کیون کرتے ہو۔ گھر مین
تمھارا کون بیری ہی جو تمھارا برا چیتے گا؟

جے لال۔ مین کسی کو اپنا دوست نہین سمجھتا۔ سبھی میرے دشمن ہین۔ میری جان کے گاہک
ہین تو کیا آنکھ اوجھل ہوتے ہی میری میز پر سے ڈھائی سو روپیہ غائب ہو جاتے۔ دروازے
باہر سے بند تھے۔ کوئی غیر آیا نہین اور روپے رکھتے ہی رکھتے اُڑ گئے۔ جو لوگ اسطرح میرا گلا
کاٹنے پر آمادہ ہون اُنھین کیونکر اپنا سمجھون۔ مین نے خوب پتہ لگا لیا ہی۔ ابھی ایک سیانے
کے پاس سے چلا آ رہا ہون۔ اُسنے صاف کہدیا کہ گھر ہی کے کسی آدمی کا فعل ہی۔ خیر جیسی کرنی
ویسی بھرنی۔ مین بھی ثابت کردونگا کہ مین اپنے دشمنون کا دوست نہین ہون۔ اگر باہر کے کسی
آدمی نے مجھے زک دیا ہوتا تو شاید مین درگذر کر جاتا لیکن جب گھر کے آدمی جنکے لیے مین رات
دن چکی پیستا ہون میرے ساتھ ایسی دغا کرین تو وہ اسی لائق ہین کہ اُنکے ساتھ ذرا بھی
رورعایت نہ کی جائے۔ دیکھنا صبح تک چور کی کیا حالت ہوتی ہی۔ مین نے سیانے سے موٹھ چلانیکا

کہدیا ہی۔ موٹھ چلا اور اُدھر چور کے جان کی خیریت نہین" جگیا گھبرا کر بولی "بھیا موٹھ مین تو جان جوکھم ہے"

بے لال "چور کی یہی سزا ہے"

بڑھیا "کس سیانے نے چلایا ہے ؟

بے لال "بدھو چودھری نے،،

بڑھیا۔ ارے رام۔ اُسکے موٹھ کا تو اُتار ہی نہین۔

جے لال اپنے کمرے مین چلے گئے تو ماں نے کہا سوم کا دھن شیطان کھاتا ہی۔ ڈھائی سو روپیے کوئی مُنھ مار کر لے گیا۔ اتنے مین تو میرے ساتون دھام ہو جاتے۔

اہلیا بولی "کنگن کیلیے برسون سے جھینک رہی ہون۔ اچھا ہوا۔ میری آہ پڑی ہے"

مان "بھلا گھر مین اسکے روپیے کون چھوئے گا"

اہلیا "کواڑ کھلے ہونگے۔ کوئی باہری آدمی اُڑا لے گیا ہوگا"

مان "مجھکو بشواس کیونکر آ گیا کہ گھر ہی کے کسی آدمی نے روپیے چرا لئے ہین،،

اہلیا "روپیہ کا لوبھ آدمی کو نکمی بناتا ہے،،

(۵)

رات کے ایک بجے تھے۔ ڈاکٹر جے لال وحشتناک خوابون کے نرغے مین پڑے ہوے تھے دفعتہً اہلیا نے آکر کہا ذرا چلکر دیکھو جگیا کی کیا حالت ہو رہی ہی۔ معلوم ہوتا ہی زبان اینٹھ گئی کچھ بولتی ہی نہین۔ آنکھین پتھرا گئی ہین۔

جے لال چونک کر اُٹھ بیٹھے۔ ایک لمحہ تک اِدھر اُدھر تاکتے رہے گویا تحقیق کر رہے تھے یہ بھی تو خواب نہین ہی۔ تب بولے کیا کیا ہ جگیا کو کیا ہو گیا ؟

بیوی نے پھر جگیا کی حالت بیان کی۔ جے لال کے چہرہ پر ایک ہلکا سا تبسم نظر آیا۔ بولے چور پکڑا گیا۔ موٹھ نے اپنا کام کیا۔

بیوی۔ اور جو گھر ہی کے کسی آدمی نے لے لیے ہوتے ؟

جے لال۔ تو اسکی بھی یہی حالت ہوتی۔ ہمیشہ کیلیے سبق مل جاتا۔

بیوی۔ ڈھائی سو روپے کے پیچھے جان لے لینے!

جے لال۔ ڈھائی سو روپیہ کیلیے نہین۔ ضرورت پڑے تو ڈھائی ہزار خرچ کرسکتا ہون۔ صرف دغابازی کی سزا دینے کے لیے۔

بیوی۔ "بڑے بے رحم ہو"

جے لال۔ تمھین سر سے پیر تک سونے سے لاد دون تو مجھے نیکی کا پتلا سمجھنے لگو۔ کیون؟ افسوس ہے کہ مین تمسے یہ سند نہین لے سکتا۔

یہ کہتے ہوے وہ جگیا کی کوٹھری مین گئے۔ اُسکی حالت اس سے کہین زیادہ خراب تھی جو الیا نے بیان کی تھی۔ اعضا اکڑ گئے تھے۔ نبض کا کہین پتہ نہ تھا۔ اُسکی مان اُسے ہوش مین لانے کیلیے بار بار اُسکے مُنھ پر پانی کے چھینٹے دے رہی تھین۔ جے لال نے یہ حالت دیکھی تو ہوش اڑ گئے۔ انھین اپنی تدبیر کے کارگر ہونے پر خوش ہونا چاہیے تھا۔ جگیا نے روپیے چُرائے اسکے لیے اب مزید ثبوت کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن موٹھ ایسی سریع الاثر اور قاتل چیز ہے اسکا انھین گمان بھی نہ تھا۔ وہ چور کو ایڑیان رگڑتے، درد سے کراہتے، اور تڑپتے ہوے دیکھنا چاہتے تھے۔ اُنکی یہ خواہش انتقام غیر متوقع طور پر پوری ہو رہی تھی۔ مگر یہ وہ نمک کی کثرت تھی جو لقمہ کو مُنھ کے اندر جانے نہین دیتی۔ یہ نظارۂ درد دیکھکر انھین خوشی کے بجاے روحانی صدمہ ہوا۔ طیش مین ہم اپنی بیرحمی اور بیدردی کا مبالغہ آمیز اندازہ کر لیا کرتے ہین۔ واقعہ تخیل سے کہین زیادہ موثر ہوتا ہے۔ جنگ کا تخیل کتنا شاعرانہ ہے۔ رزمیہ شاعری کتنی حرارت انگیز۔ مگر کچلی ہوئی لاشین اور کٹے ہوے اعضا دیکھکر کون بشر ہے جسکے رونگٹے نہ کھڑے ہو جائین۔ بلاشبہ درد انسان کی سرشت ہے۔

اسکے علاوہ مجرم کی خستہ حالی نے اس جذبۂ درد کو اور بھی متحرک کردیا۔ جگیا جیسا وجود نحیف اُنکے طیش کا شکار ہوگا اسکا انھین گمان نہ تھا۔ وہ سمجھے تھے میرے انتقام کا وار کسی جاندار آدمی پر ہوگا۔ یہان تک کہ وہ اپنی بیوی اور لڑکے کو بھی اس وار کے قابل سمجھتے تھے لیکن مرے کو مارنا، کچلے کو کچلنا انھین اپنے شان انتقام کے خلاف معلوم ہوا۔ جگیا کی یہ حرکت معافی کے قابل تھی۔ جسے روٹیون کے لالے ہون، جو کپڑون کو ترستے ہون جسکا خانۂ آرزو

ہمیشہ اندھیرا رہا ہو جسکی خواہشین کبھی مسکرائی نہون، اسکی نیت خام ہو جائے تو تعجب کی بات نہین۔ وہ فوراً دوا خانہ مین گئے بہترین ہوش آور ادویات کا ایک مرکب تیار کر لائے اور جگیا کے حلق مین ڈال دیا۔ اس سے کچھ افاقہ نہوا تو برقی آلات لائے اور انکی مدد سے جگیا کو ہوش مین لانے کی کوشش کرنی شروع کی۔ ایک لمحہ مین جگیا کی آنکھین کھل گئین اسنے سہمی ہوئی نگاہون سے جے لال کو دیکھا، جیسا لڑکا اپنے مدرسہ کی چھی کی طرف دیکھتا ہی اور ہ اکھڑی ہوئی آوازمین بولی، ہائے رام! کلیجہ پھنکا جاتا ہی۔ اپنے روپیے لے طاق پر ایک ہانڈی ہی اسی مین رکھے ہوے ہین مٹھی بھر روپیون کے لیے مجھے آگ مین جلا رہا ہے مین تجھے اتنا کالا نہ سمجھتی تھی۔ ہائے رام!

یہ کہتے کہتے اسپر پھر غشی عارض ہو گئی۔ نبض بند ہو گئی ہونٹ نیلے پڑ گئے۔ اعضا مین تشنج ہونے لگا۔ جے لال نے بیکسانہ ندامت سے بیوی کی طرف دیکھا اور بولے مین تو اپنی ساری حکمت خرچ کر چکا۔ اب اسے ہوش مین لانا میرے امکان سے باہر ہی۔ مین کیا جانتا تھا کہ یہ کمبخت سوتھ اتنا قاتل ہوتا ہی۔ کہین اسکی جان پر بن گئی تو ساری عمر پچھتانا پڑیگا۔ ضمیر کے ٹھوکرون سے کبھی نجات نہ ملے گی، کیا کرون کچھ عقل کام نہین کرتی۔

اہلیہ۔ سول سرجن کو بلاؤ، شاید وہ کوئی اچھی دوا دیدے۔ کسی کو جان بوجھکر آگ مین ڈھکیلنا نہ چاہیے۔

جے لال۔ سول سرجن اس سے زیادہ اور کچھ نہین کر سکتے جو مین کر چکا۔ ہر لمحہ اسکی حالت نازک ہوتی جاتی ہی نہ جانے ظالم نے کونسا منتر چلا دیا۔ اسکی ماں مجھے بہت سمجھاتی رہی لیکن مین نے طیش مین اسکی باتون کی ذرا بھی پروا نہ کی۔

ماں۔ بیٹا تم اسی کو بلاؤ جسنے منتر چلایا ہی۔ وہی اسے اُتار سکے گا۔ رات تو بہت گئی ہی۔ لیکن کیا کیا جائیگا کہین مر گئی تو ہتیا سر پڑے گی۔ خاندان کو ہمیشہ ستائے گی۔

(۶)

دو کا عمل تھا۔ ٹھنڈی ہوا ہڈیون مین چھبی جاتی تھی۔ جے لال قدم بڑھائے بدھو چودھری کے گھر کی طرف چلے جاتے تھے۔ اِدھر اُدھر بے سود نگاہین دوڑاتے تھے کہ کوئی یکہ یا تانگہ

ہ جائے۔ اُنھین معلوم ہو رہا تھا کہ بدھو کا مکان بہت دور ہو گیا ہی۔ کئی بار دھوکا ہوا
ین راستہ تو نہین بھول گیا۔ کئی بار ادھر آیا ہون یہ باغیچہ کبھی نہ ملا۔ یہ لیٹر بکس بھی
رک پر کبھی نہین دیکھا۔ یہ پل تو ہرگز نہ تھا۔ ضرور راستہ بھول گیا کس سے پوچھون۔ وہ
ہی یادداشت پر جھنجھلائے اور اسی رو مین تھوڑی دور تک دوڑے۔ معلوم نہین ظالم
س وقت ملے گا بھی یا نہین، شراب مین مست پڑا ہوگا۔ کہین وہ غریب چل نہ بسی ہو۔
ئی بار دوسرے راستون پر گھوم جانے کا خیال ہوا۔ لیکن تحریک باطن نے سیدھے راستے
سے ہٹنے نہ دیا۔ یہان تک کہ بدھو کا مکان نظر آیا۔ ڈاکٹر صاحب کے جان مین جان آئی
بدھو کے دروازے پر جا کر زور سے کنڈی کھٹکھٹائی۔ اندر سے ایک کتے نے ناشائستہ انداز
سے جواب دیا لیکن کوئی انسانی آواز نہ سنائی دی۔ پھر اور زور سے کیواڑ کھٹکھٹائے۔ کتا
اور بھی تند ہوا۔ بڑھیا کی نیند ٹوٹی۔ بولی، یہ کون اتنی رات گئے کیواڑ توڑے ڈالتا ہی؟

ڈاکٹر۔ مین ہون جو تھوڑی دیر ہوے تمھارے پاس آیا تھا۔

بڑھیا نے آواز پہچانی۔ سمجھ گئی انکے گھر کے کسی آدمی پر آفت آئی نہین تو اتنی رات گئے
کیون آتے۔ مگر ابھی تو بدھو نے موٹھ چلایا نہین۔ اُسکا اثر کیونکر ہوا۔ سمجھاتی تھی تب
نہ مانا۔ خوب پھنسے۔ اُٹھکر کُپّی جلائی اور اُسے لیے ہوے باہر نکلی۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا
بدھو چودھری سو رہے ہین کیا۔ ذرا جگا دو۔

بڑھیا۔ نہ بابوجی۔ اس بکھت مین نہ جگاؤن گی۔ مجھے کچا ہی کھا جائیگا۔ رات کو لاٹ صاحب
بھی آئین تو نہین اُٹھتا۔

ڈاکٹر صاحب نے چند لفظون مین سارا ماجرا بیان کیا اور بڑی منت کے ساتھ التجا کی کہ
بدھو کو جگا دے۔ اتنے مین بدھو خود ہی باہر نکل آیا اور آنکھین ملتا ہوا بولا کہیے بابوجی!
کیا حکم ہے؟

بڑھیا نے چڑھکر کہا۔ تیری نیند آج کیسے کھل گئی۔ مین جگانے گئی ہوتی تو مارنے اُٹھتا

ڈاکٹر۔ مین نے سارا ماجرا بڑھیا سے کہہ دیا ہی۔ اُنھین سے پوچھو،

بڑھیا۔ "کچھ نہین تونے موٹھ چلایا تھا۔ روپیے انکے گھر کی مہری نے لیے ہین۔ اب اسکا ایسا حال ہو رہا ہے"

ڈاکٹر۔ "غریب مر رہی ہے۔ کچھ ایسی تدبیر کرو کہ اسکی جان بچ جائے"

بدھو۔ "یہ تو اب بڑی سنائی (؟)۔ موٹھ کو پھیرنا سہج نہین ہے"

بڑھیا۔ "ارے بیٹا جان جوکھم ہے۔ کیا تجھے معلوم نہین ہے۔ کہین اُلٹے پھیرنیوالے ہی پر پڑے تو جان بچنی مشکل ہو جائے"

ڈاکٹر۔ "اب اُسکی جان تمھارے ہی بچائے بچے گی۔ اتنا دھرم کرو"

بڑھیا۔ "دوسرے کی جان کی خاطر کوئی اپنی جان کا دھرم ڈالیگا!"

ڈاکٹر۔ "تم رات دن یہی کام کرتے رہتے ہو تمھین اُسکے داؤن گھات سب معلوم ہین۔ مار بھی سکتے ہو، جلا بھی سکتے ہو۔ میرا تو ان باتون پر بالکل بشواس ہی نہ تھا لیکن تمھارا کمال دیکھکر دنگ رہ گیا۔ تمھارے ہاتھون کتنے ہی آدمیون کا بھلا ہوتا ہے۔ اس غریب بڑھیا پر رحم کرو"

بدھو کچھ پسیجا لیکن اُسکی مان معاملہ داری مین اس سے کہین زیادہ فائق تھی۔ اُسے خوف ہوا کہین یہ نرم ہو کر معاملہ بگاڑ نہ دے۔ اُسنے بدھو کو کچھ کہنے کا موقع نہ دیا۔ بولی بابوجی۔ یہ تو سب ٹھیک ہے لیکن ہمارے بھی تو بال بچے ہین۔ نہ جانے کیسی پڑے کیسی نہ پڑے وہ تو ہمارے سر جائے گی نہ۔ آپ تو اپنا کام نکال کر الگ ہو جائین گے۔ موٹھ پھیرنا دلگی نہین ہے۔

بدھو۔ "ہان بابوجی کام بڑے جوکھم کا ہے"

ڈاکٹر۔ "کام جوکھم کا ہے تو مین تم سے مفت تو نہین کروانا چاہتا"

بڑھیا۔ "آپ بہت دینگے سو پچاس روپیہ دیدینگے۔ اتنے مین ہم کے دن کھائین گے۔ موٹھ پھیرنا سانپ کے بل مین ہاتھ ڈالنا، آگ مین کودنا ہے۔ بھگوان کی ایسی ہی نگاہ ہو تو جان بچتی ہے"

ڈاکٹر۔ تو ماتاجی مین تم سے باہر تو نہین ہوتا ہون۔ جو کچھ تمھاری مرضی ہو وہ کہو۔ مجھے تو اس

غریب کی جان بچانی ہے۔ یہان باتون مین دیر ہو رہی ہے۔ وہان معلوم نہین اُسکا کیا حال ہوگا

بڑھیا۔ دیر تو آپ ہی کر رہے ہین۔ آپ بات پکی کر دین تو یہ تو آپ کے ساتھ جائیگا اور جو کچھ اسکے کیے ہوسکے گا کرے گا۔ آپ کی خاطر سے یہ جوکھم اپنے سر لے رہی ہون۔ دوسرا ہوتا تو ٹکا سا جواب دیدیتی آپ کے ملاحظے مین پڑکر جان بوجھ کر زہر پی رہی ہون۔

ڈاکٹر صاحب کو ایک ایک لمحہ ایک ایک برس معلوم ہو رہا تھا۔ وہ بدھو کو اسی وقت اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ کہین اُسکا دم نکل گیا تو یہ جاکر کیا بنا لیگا۔ اسوقت انکی نگاہون مین روپیہ کی کوئی قیمت نہ تھی۔ صرف یہی فکر تھی کہ جلکیا موت کے مُنھ سے نکل آئے۔ جس روپیہ پر وہ اپنی ضرورتین اور آسائشین، اپنے گھر والون کی خوشی اور خواہش تصدق کرتے تھے۔ اُسے جذبۂ دردنے بالکل ناچیز بنا دیا تھا۔ بولے تمھین بتلادو۔ اب مین کیا کہون۔ مگر جو کچھ کہنا ہو فوراً کہدو،

بڑھیا۔ اچھا تو پانسو روپیہ دیدیجئے۔ اس سے کم مین کام نہوگا؛

بدھو نے مان کی طرف حیرت سے دیکھا۔ اور ڈاکٹر صاحب کو تو سکتہ سا ہوگیا۔ مایوسانہ انداز سے بولے اتنا میرے قابو سے باہر ہے۔ معلوم ہوتا ہے اُسکی تقدیر مین مرنا ہی لکھا ہے۔

بڑھیا۔ تو جانے دیجئے ہمین اپنی جان بھاری تھوڑے ہی ہے۔ ہمنے تو آپ کے ملاحظے سے اس کام کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ جاؤ بدھو سوؤ،،

ڈاکٹر۔ بوڑھی ماتا۔ اتنی بیرحمی نہ کرو۔ آدمی کا کام آدمی ہی سے نکلتا ہے"

بدھو۔ نہین بابوجی۔ مین ہر طرح سے آپ کا کام کرنے کو تیار رہون۔ اسنے پانچسو کہے، آپ کچھ کم کر دیجئے۔ ہان جوکھم کا دھیان رکھیے گا۔

بڑھیا۔ تو جاکے سوتا کیون نہین۔ انھین روپیے پیارے ہین تو کیا تجھے اپنی جان پیاری نہین ہے۔ کل کو لہو تھوکنے لگے گا تو کچھ بنائے نہ بنے گی۔ بال بچون کو کسپر چھوڑیگا؟ ہے گھر مین کچھ

ڈاکٹر صاحب نے شرماتے ہوے ڈھائی سو رو۔ پیہ کہے۔ بدھو راضی ہوگیا۔ معاملہ طے ہوا۔ ڈاکٹر صاحب اُسے ساتھ لیکر گھر کی طرف چلے۔ انھین ایسی روحانی مسرت کبھی حاصل نہ ہوئی تھی ہا۔ اہوا مقدمہ جیت کر عدالت سے لوٹنے والا مقدمہ باز بھی اتنا خوش نہ ہوتا ہوگا۔ اُسکے

چلے جاتے تھے۔ بدھو سے بار بار قدم بڑھانے کو کہتے۔ گھر پہونچے تو جگیا کو نزع کی حالت مین پایا۔ معلوم ہوتا تھا دم واپسین ہے۔ اُسکی مان اور بیوی دونون باچشم تر مایوس بیٹھی ہوئی تھین بدھو کو دونون نے منت آمیز نگاہون سے دیکھا۔ ڈاکٹر صاحب کے آنسو بھی نہ رُک سکے۔ بڑھیا کے سر کی طرف جھکے تو اشک کے کئی قطرے اُسکے مرجھائے ہوے زرد رخسارون پر ٹپک پڑے بدھو کی فراست اب بیدار ہوئی۔ بڑھیا کے بدن پر ہاتھ رکھتے ہوے بولا بابوجی اب میرا کیا کچھ نہین ہوسکتا۔ یہ تو دم توڑ رہی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے گڑگڑا کر کہا "نہین چودھری۔ ایشور کے لیے اپنا منتر چلاؤ۔ اسکی جان بچگئی تو مین ہمیشہ کے لیے تمھارا غلام بنا رہونگا"

بدھو۔ آپ مجھسے جان بوجھ کے جہر کھانے کو کہتے ہین۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ موٹھ کے دیوتا اس بکھت اتنے گرم ہین۔ وہ میرے من مین بیٹھے کہہ رہے ہین تمنے میرا شکار چھینا تو ہم تمھین نگل جائینگے

ڈاکٹر۔ دیوتا کو کسی طرح راضی کرلو"

بدھو مسکل سے راجی ہون گے۔ پانچسو روپیے دیجیے تو اسکی جان بچے۔ اُتارے کے لیے بڑے بڑے جتن کرنے پڑین گے"

ڈاکٹر "پانچسو روپیہ دیدون تو اسکی جان بچا دوگے؟

بدھو "ہان سرط بدکر"

ڈاکٹر صاحب بجلی کی طرح لپک کر اپنے کمرے مین گئے اور باقی پانچسو روپیون کی تھیلی لاکر بدھو کے سامنے رکھدی۔ بدھو نے فاتحانہ نظرون سے تھیلی کو دیکھا۔ تب جگیا کا سر اپنی گود مین رکھکر اسپر ہاتھ پھیرنے لگا۔ کچھ بُدبُدا کر چھو چھو کرتا جاتا تھا۔ ایک لمحہ مین اُسکی صورت وحشتناک ہوگئی۔ آنکھون سے شعاعین سی نکلنے لگین۔ بار بار انگڑائیان لینے لگا اسی عالم مین اُسنے ایک بے سُرا گیت گانا شروع کیا۔ مگر ہاتھ جگیا کے سرہی پر تھے۔ آخر آدھ گھنٹہ مین بڑھیا نے آنکھین کھولدین۔ جیسے بجھتے ہوے چراغ مین تیل پڑ جائے۔ لمحہ بہ لمحہ اُسکی حالت روبہ اصلاح ہونے لگی اور مرغ کی پہلی بانگ سُنائی دی۔ ادھر بڑھیا نے ایک انگڑائی لی اور اُٹھ بیٹھی۔ گویا اس بانگ سحر نے اُسے بیدار کردیا۔

(۷)

سات بجے تھے۔ جگیا میٹھی نیند سو رہی تھی۔ اُسکا چہرہ بشاش تھا۔ بدھو روپیون کی تھیلی لیکر ابھی ابھی رخصت ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی مان نے کہا۔ بات کی بات مین پانچسو روپیہ مارے گیا۔

ڈاکٹر۔ یہ کیون نہین کہتین کہ ایک مردہ کو جلا گیا۔ کیا اسکی جان کی قیمت اتنی بھی نہین ہے؟

مان۔ دیکھو طاق پر ہانڈی مین ڈھائی سو روپیہ ہین یا نہین؟

ڈاکٹر۔ نہین، اُن روپیون مین ہاتھ مت لگانا۔ اُنھین وہین پڑا رہنے دو۔ اُسنے تیرتھ کرنیکے لیے دیے تھے۔ وہ اُسی کام مین خرچ ہونگے۔

مان۔ یہ ساڑھے سات سو روپیے اسی کے بھاگ کے تھے،،

ڈاکٹر۔ اُسکے بھاگ کے تو ڈھائی سو ہی تھے۔ باقی میرے بھاگ کے تھے۔ اُنکی بدولت مجھے ویسا سبق مل گیا جو عمر بھر نہ بھولے گا۔ تم اب مجھے جائز خرچ مین مٹھی بند کرتے ہوے نہ پاؤگی

پریم چند

نیا زمانہ اور نئے لفظ

بعض اردو اخبارات مین گزشتہ چند سالونمین بعض ایسے لفظ استعمال ہونے لگے ہین جو انھین عربی اور فارسی اخبارات مین نظر آتے ہین۔ اور وہ انھین عربی یا ترکی سمجھکر استعمال کرنے لگے ہین بحالیکہ انکی حالت اور ہے مثلاً آجتک کیبنٹ کو وزارت یا کیبنٹ لکھا کرتے تھے۔ مگر اب اسے کابینہ لکھا جاتا ہے کیون اسلیے کہ عربی ترکی اخبارات اب لکھتے ہین۔ مگر یہ لفظ ہرگز عربی یا ترکی نہین ہے بلکہ فرانسیسی طریق تلفظ سے کیبی نٹ کو "کابی نہ،، تلفظ کیا جاتا ہے۔ لفظ بالکل وہی ہے۔ انگریزی لفظ اردو مین لکھنے کا یہ قاعدہ تھا کہ ہندوستان مین لاکھون لوگ انگریزی لکھ پڑھ سکتے ہین۔ اور وہ کیبی نٹ کے معنی جانتے ہین۔ ایسے ہی اور کئی نئے نئے لفظ آجکل رواج پا رہے ہین۔ ایک اور قسم نئے اصطلاحات کی ہے جو خالص عربی الفاظ ہین جو ہندوستان کے مروجہ انگریزی الفاظ کی جگہ استعمال کرنیکی کوشش کیجا رہی ہے مثلاً یونیورسٹی ایک عام لفظ ہے، ہر ایک اسکول کا لڑکا اور بازاری آدمی بھی یونیورسٹی کو جانتا ہے۔ کیونکہ اب کئی صوبونمین کئی کئی یونیورسٹیان موجود ہین مگر اردو اخبارات عربی ترکی اخبارات کو دیکھکر اُسے جامعہ لکھتے ہین۔ بجائیکہ روزمرہ کی بول چال مین اُسے ہر شخص یونیورسٹی ہی کہتا ہے۔ کیا ہندوستان کے ہندوون سے یہی امید ہے کہ وہ کبھی کلیہ پنجاب یا کلیہ مدراس یا بنگال یا بمبئی لکھین گے۔ بہت سے اور بیجوڑ اور فضول نئے لفظ اردو اخبارات مین داخل ہو رہے ہین جنکا اردو زبان مین ہضم ہونا بہت مشکل نظر آتا ہے۔

تنقید کتب

کلام طور

طور مرحوم دنیا مین بہت تھوڑی عمر لیکر آئے تھے لیکن اس قلیل مدت مین وہ جو خدمت قوم مذہب اور اردو زبان کی کر گئے ہین وہ عرصہ تک یادگار رہیگی شائقین ادب کو شیخ نذر محمد صاحب کا ممنون ہونا چاہیے کہ انکے حسن کوشش سے کلام طور کا ایک مختصر سا مجموعہ شایع ہو چکا ہے۔ گو اس مین طور مرحوم کی سب نظمین یکجا نہین کیجا سکین لیکن اگر انور صاحب کی سعی موفور بر سرکار ہے تو کچھ تعجب نہین کہ کسی دوسرے رسالے مین آپ وہ تمام نظمین بھی شایع کردین جو بعض اخبارات و رسائل مین وقتاً فوقتاً شایع ہو چکی ہین اور جو اس مجموعے مین شامل نہین،

طور مرحوم انگریزی مین ایم۔ اے تھے۔ اردو فارسی وغیرہ متداول علوم مین کافی دستگاہ رکھتے تھے ایک مدت تک علی گڑھ کالج کی اسسٹنٹ پروفیسری پر بھی ممتاز رہے، اردو اور انگریزی ادب مین خاص عبور تھا۔ چنانچہ مخزن کی اڈیٹری اور کامریڈ کی اسسٹنٹ اڈیٹری پر بھی فائز رہ چکے ہین۔ اپنے دیگر علمی مشاغل کے ساتھ آپ اکثر مذہبی اور قومی نظمین بھی کہتے رہتے تھے۔ نظمون کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپکے پہلو مین ایک درد بھرا دل تھا جسمین فطرت نے شاعرانہ مذاق کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا حالی۔ شبلی و اقبال وغیرہ کی طرح طور مرحوم کی نظمین بھی مفید ہونے کیساتھ دلکش اور دلچسپ ہین کلام طور مین تسلسل مضامین کے علاوہ رنگ تغزل برقرار ہے۔ اشعار کے باہمی تسلسل کا یہ عالم ہے کہ گویا کسی دریا کی موجین ہین جو ایک سلسلے مین بڑھی چلی آتی ہین۔ مثال کی طور پر رمضان طور کو لیجئے جو کلام طور کے دوسرے صفحہ پر ہے، ابتدائی اشعار ملاحظہ ہون۔

ابر رحمت ساحت امکان پہ تھا چھایا ہوا	خود اندھیرا زیست سے تھا اپنے اکتایا ہوا
ایک سناٹے کا عالم تھا خموشی تھی بپا	آب دبا دنا رو گل پنہان ابھی تھے کچھ نہ تھا
منظر وحشت تھا، سونا تھا بیابان ازل	آشنا رو ئیدگی سے تھا نہ میدان ازل

غور کیجیے قادر الکلام شاعر کس خوش اسلوبی کے ساتھ سامع کے خیال کو اُس زمانے کی طرف منتقل کرنا چاہتا ہے جو وجود کائنات سے پہلے تھا، اگرچہ اُس زمانہ کا قیاس امکان فہم سے باہر ہے، لیکن شاعر نے مذہبی اور عقلی روایات کو اپنا رہنما بنایا ہے اور انھین پر اپنے نظم کی بنیاد رکھی ہے۔ ان اشعار کے بعد فوراً تمہید سے گریز کرتا ہے اور اسکے بعد والے اشعار مین فلسفۂ کائنات بیان کرتا ہے۔

یک بیک تاریک بادل کا لفافہ پھٹ گیا ۔۔۔ یعنی روئے شاہدِ قدرت سے پردہ ہٹ گیا

نور ذات بیچگون خلوت مین عریان ہوگیا ۔۔۔ دم کی دم مین انجمن کا ساز و سامان ہوگیا

نور احمدؐ رونما، نور خدا سے ہوگیا ۔۔۔ میم کے پردے مین آکے ناز نین خود ہوگیا

لمعہ افگن جب ہوا خورشید نور مصطفےٰؐ ۔۔۔ مرحبا صلِّ علےٰ ہنسکر لبِ کُن سے کہا

پہلے دو شعرون کے مضمون سے تو قریب قریب ساری دنیا متفق ہے اور تمام مذہبی کتابین تصدیق کرتی ہین کہ ابتدا مین صرف خدا کی ذات تھی اور تاریکی کے سوا کائنات کا کچھ نشان نہ تھا البتہ پچھلے دو شعرون مین خاص مسلمانون کے عقیدے کا اظہار کیا ہے اور اس خوبی سے اظہار کیا ہے کہ شاعرانہ خوبیوں کے ساتھ اپنی راسخ الاعتقادی کو بھی نمایان کر دیا ہے۔

مسلمانون کا ایمان ہے کہ پہلے خدا نے اپنے نور سے نور احمدیؐ کو پیدا کیا اور پھر تمام کائنات کو وجود مین لایا، فرقان حمید مین ہے کہ ازل مین خدا نے کہا، کُن، یعنی ہو جا، پس تمام چیزین پیدا ہوگئین، شاعر نے انھین باتون کی طرف اشارہ کیا ہے، آگے چلکر فلسفیانہ انداز مین پوچھتا ہے۔

کون سی شئے وجہ تخلیق بنی آدم ہوئی

موجب پیدائش ہشردہ ہزار عالم ہوئی

اور پھر جواب مین اپنی کوتاہی فہم کا اعتراف کرتا ہوا بتاتا ہے کہ تخلیق عالم کا سبب عشق ہے، خدا کو عشق کی نمایش منظور ہوئی تو اپنے محبوب حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا کر کے سارے عالم کو ظہور مین لایا، ان اشعار کی لطافت، طرز بیان اور سبیل پر غور کرو،

ماجرا صبح ازل کا ہمنشین کیونکر کہون ۔۔۔ آسمان کی بات مین اہل زمین کیونکر کہون

کیا کہون تجھ سے ہوئی کیونکر نمود زندگی ۔۔۔ کس طرح پر ہے وجہ دہست و بود زندگی

ذات مطلق کو نمایش عشق کی منظور تھی ۔۔۔ پردۂ سرِّ ازل مین بات یہ مستور تھی

الفت محبوب کے اظہار سے ہستی ہوئی اور تعینِ جہان و رفعت و پستی ہوئی
عشق سے موجود یہ اسم و مسمے ہوگئے اہل جان ذرات ہیجان اور مجزا ہو گئے،

غرض پوری نظم قابل دید ہے، اور اسکا ہر شعر مصنف کو خود داد قادر الکلامی دے رہا ہے، اسی نظم پر موقوف نہین بلکہ کلام طور مین جتنی نظمین موجود ہین سب مین تسلسل اور رنگ تغزل کی یہی شان موجود ہے، بلکہ بعض بعض نظمین تو اپنی شان تغزل کیوجہ سے بہت بلند ہین۔

مکالمہ شاعر و فطرت اسلامیہ سوز گداز، اور حجاز کے عنوان سے جو نظمین ہین وہ اس قابل ہین کہ اہل نظر انکو پڑھین اور اندازہ کرین کہ زور تخیل اور آمد مضامین کا کیا عالم ہے۔

لیکن بعض نظمین کلام طور مین ایسی بھی ہین جنمین کوئی خاص بات نہین اور اُنکے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنف مرحوم کی ابتدائی مشق ہے۔ کلام طور مین جا بجا لغزشین بھی موجود ہین لیکن اکثر وہ ہین جو عموماً اہل پنجاب کے کلام مین پائی جاتی ہین، اور تنہا طور مرحوم کو انکا ذمہ دار نہین ٹھہرایا جاسکتا باایں ہمہ مصنف کی کم مشقی اور خوشگوئی اُن سب کی تلافی کردیتی ہے،

فاختہ کا پیغام، کے عنوان سے ایک دلکش اور عبرت انگیز نظم ہے، جسمین مصنف نے اُون کیفیات کا اظہار کیا ہے جو ویرانۂ دہلی کی سیر سے اُسکے دیدۂ دل پر طاری ہوئین، اس نظم کے مطالعہ سے دہلی کی گذشتہ شان و شوکت کی تصویر بربادی آنکھون مین کھنچ جاتی ہے، نظم کا پہلا شعر یہ ہے،

ویرانۂ دہلی مین جو گیا اک فاختہ مجھ سے یون بولی پیغام تجھے اک دیتی ہے سُن اے غافل کوکو میری

غالباً طور مرحوم نے عمر خیام کی اس رباعی سے اس نظم کا خاکہ طیار کیا ہے۔

آن خواجہ کہ خویش را بلا کو میگفت در کبر سخن بہ چشم وابرو میگفت
بر کنگرۂ سرائے او فاختۂ دیدم کہ نشستہ بود کوکو میگفت

بفرض محال اگر یہ خیال صحیح بھی ہو تو شاعر کے کمال مین کوئی فرق نہین آتا کیونکہ اُسنے عمر خیام کے خیال کو اردو مین اس خوش اسلوبی سے نظم کردیا ہے جو بحیثیت موجودہ کسی طرح اُس رباعی سے کم نہین،

طور مرحوم کو غزل گوئی سے زیادہ الفت نہ تھی (اگرچہ آخر مین چند غزلین شامل ہین مگر انمین بھی نظم ہی کا رنگ نمایان ہے) ممکن ہے کہ میدان غزل کی فرسودگی اور پامالی نے اُنھین اسطرف

متوجہ ہونے دیا ہو پھر بھی جو چند غزلیں، کلام طور میں موجود ہیں اُن میں دو چار شعر ایسے ملتے ہین جو شہادت دیتے ہین کہ طور مرحوم اس صنف مین بھی مجبور نہ تھے۔

انشا کی لاجواب غزل کے بعد اس زمین مین کسی کی غزل کا رنگ نہین جمتا،

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی تجھے اٹکھیلیان سوجھتی ہین ہم بیزار بیٹھے ہین

مگر طور مرحوم نے باوجود کم مشقی کے کامیاب غزل لکھی ہے چند شعر ملاحظہ ہون،

جدا ہونیکو ملکر بزم مین سب یار بیٹھے ہین ابھی آئے تھے، جانیکو ابھی طیار بیٹھے ہین

ہم اے مہمانسرائے دہر بہت ہار بیٹھے ہین مسافر ہین ازل کے، تھک کے کوئی کار بیٹھے ہین

لگا ئین خاک واکرلے گلستان تیرے جھونکون سے جو شل بوئے گل پرواز کو طیار بیٹھے ہین

ہماری انجمن بھی انجمن ہے اے خدا کیسی کہین بیمار بیٹھے ہین کہین ناچار بیٹھے ہین

یہان تک کلام طور کے ایک رُخ پر گفتگو ہو چکی، اب دوسرا رُخ باقی ہے، ہمارا فرض تھا کہ ہم اُسکو بھی نمایان کرتے لیکن ہم جیسا اوپر لکھ آئے ہین، مرحوم کی کم مشقی، تمام لغزشون کی ضامن ہے علاوہ برین طور مرحوم بقید حیات نہیں، اُنھین نہ اب اپنی تعریف سے خوشی ہو سکتی ہے اور نہ اپنی غلطیون سے متنبہ ہو سکتے ہین، اسلیئے ہم تنقید کے اس رُخ سے قصداً چشم پوشی کرتے ہین اور اسکے بجائے خدا سے مرحوم کے لیئے دعائے مغفرت مانگتے ہین۔

کلام طور کا حجم ایک سو چوبیس صفحے کا ہے، نظمون کے علاوہ چند غزلین اور متفرق اشعار بھی شامل ہین آخر مین بطور ضمیمہ چار صفحے پر طور مرحوم کی سوانحعمری بھی ہے، کاغذ اور کتابت وطباعت معمولی ہے۔ قیمت ۱۲؍ ملنے کا پتہ بشیر منزل ترکمانی دروازہ دہلی

پارہ ہائے جگر

پارہ ہائے جگر کے نام سے مولانا کیفی چریاکوٹی کی چھ نظمون کا مجموعہ برہم صاحب نے گورکھپور سے شایع کیا ہے۔

کیفی صاحب کی رنگینیٔ تخیل، طرز بیان، اور مضامین کی ندرت محتاج تعارف نہین رسالہ زمانہ اور اکثر موجودہ رسائل و اخبارات آپ کے رشحات قلم سے سیراب ہوتے رہے ہین آپ تمام اصناف سخن پر یکسان قدرت رکھتے ہین، اور نظم کے علاوہ نثر بھی بہت رنگین اور لطیف لکھتے ہین، لیکن آپ کبھی کبھی بلند پروازی کے جوش مین بعض ایسی باتون سے قطعاً چشم پوشی کر جاتے ہین جنکی وجہ سے کلام کی خوبیون پر حرف آجاتا ہے، عموماً آپ زور تخیل کے سامنے مسلسل مضامین اور اشعار کے ربط باہمی کا خیال نہین رکھتے۔

سب سے آخری نظم جو آپنے عید کا چاند دیکھکر لکھی ہے، وہ نہایت ہی پُر کیف ہے مگر اسکا ہر شعر لطیف ہے لیکن شروع سے آخر تک پڑھ لینے کے بعد بھی یہ سمجھ مین نہین آتا کہ اس نظم کو اپنے عنوان سے کیا تعلق ہے۔ مطلع سے لیکر مقطع تک، ایک شعر کو دوسرے شعر سے کوئی لگاؤ نہین ہے فرماتے ہین۔

جنون کا جوش بھی ہے آپ کا خیال بھی ہے	بقدر ہمتِ دل ہجر بھی وصال بھی ہے
کہا یہ مہر جہان سوز سے قیامت نے	جسے عروج کبھی ہے اُسے زوال بھی ہے
زبان پہ مہر خموشی ہے پاؤن مین زنجیر	جو پچھلے سال قیامت تھی اب کی سال بھی ہے
یہ سر ہے اپنی جگہ پر بنائے بیم و امید	کہ مشکل زیست بھی ہے دوش پر وبال بھی ہے

ان شعرون مین کوئی ربط نہین، اگر انھین ہم تشبیب سمجھ لین تو کہین گریز کا پتہ نہین چلتا، دو شعرون کے بعد تیسرے شعر مین ہلال کا قافیہ ضرور نظم ہوا ہے، لیکن وہ بھی اسطرح گویا غزل کا ایک شعر ہے کیونکہ اسکے بعد پھر کسی شعر مین ہلال عید کیطرف اشارہ تک نہین۔

زمین ہی نہین دشمن ترے اسیرون کی	سنا ہے تیغ بکف چرخ پر ہلال بھی ہے
رکھو نہ ہاتھ تسلی کو دل تو ٹوٹ گیا	کہ زخم یاس کا دنیا مین اندمال بھی ہے
جبین پہ اُنکے شکن ہے تو مین سمجھتا ہون	کہ آئینہ مین دکھانیکو ایک بال بھی ہے
تمھین بتاؤ کہ مین اور کس سے دون تشبیہ	تمھارے جور و جفا کی کہین مثال بھی ہے

ان شعرون کو پڑھکر کون کہہ سکتا ہے کہ ایک مسلسل نظم کے شعر ہونگے، انمین تو نظم کی کوئی شان نہین اور نہ عنوانِ مجوزہ سے ان اشعار کا کوئی تعلق ہے، ہمارے خیال مین اس قسم کی نظم کو

غزل کہنا بہت مناسب ہے،

پہلی نظم جو مرقعہ اسلام کے عنوان سے لکھی گئی ہے، نہایت پاکیزہ نظم ہے، اور اسکے لیے جناب کیفی دنیائے ادب سے مبارکباد کے مستحق ہین، ممالک اسلامیہ کی بربادی کے ساتھ ساتھ مسائل حاضرہ کی بڑی دلکش تصویر کھینچی ہے، پہلا بند یہ ہے۔

آج کچھ خودداری وحشت کا سامان ہوگیا لخت دل اشکون مین ملکر گل بداماں ہوگیا
ہچکیون کا زور شمشیر رگ جان ہوگیا یعنی آخر مبتلائے درد ہجران ہوگیا

ناامیدی کہتی ہے رنگ جہان کچھ بھی نہین
دل بھی کہتا ہے کہ ہان لے مہربان کچھ بھی نہین

ملاحظہ فرمایئے، جناب کیفی نے فصاحت و بلاغت کے کیسے کیسے جوہر دکھائے ہین، ہر مصرعہ ایک ادبی جواہر ریزہ ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اسکے تیسرے اور چوتھے مصرعے مین کوئی ربط ہی نہین، ہچکیون کا زور شمشیر رگ جان ہوگیا، خیر یہ بھی سہی۔ مگر یہ ہچکیان کیون آنے لگین یہ ظاہرا ہچکیون کو درد ہجران سے کوئی تعلق نہین معلوم ہوتا البتہ ٹیپ کا بند بہت زوردار ہے، سلاست بیان، لطافت زبان، زور تخئیل سب کچھ موجود ہے، "ہان اے مہربان کچھ بھی نہین" یہ فقرہ داد سے مستغنی ہے، مجموعی حیثیت سے یہ نظم، مولانا کیفی کی، عالی خیالی اور بلند پروازی کا نہایت عمدہ نمونہ ہے، ترک و عرب کے اتحاد کے متعلق آپ نے ایک بہت ہی پرکیف بند لکھا ہے، جسمین جناب سعدی کے شعر کو اس خوبی سے ضم کر دیا ہے، کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے،

رہبر راہ محبت ہائے رہزن ہوگئے حرز جان جو بن گئے تھے طوق آہن ہوگئے
کہنے سننے مین کسی کے آکے بدظن ہوگئے سب یہ کہتے ہین عرب ترکون کے دشمن ہوگئے

آسمان را حق بود گر خون بگرید بر زمین
بر زوال ملک سلطان امیر المومنین

گو تعریف ہی کیساتھ آنا ہم ضرور کہینگے کہ، حرز جان جو بن گئے تھے، نہایت ہی بے جوڑ اور بے تکا فقرہ ہے، اسی طرح ایک جگہ ہندوستان کو خطاب کر کے، نہایت خوب دو بند لکھے ہین،

آ دیکھ ہین تیری زمین پر یون تو قومین بے شمار ایرین منگولین افغان و ترکان تتار

تو نے دیکھے اپنے آنکھوں سے ہزاروں تاجدار — نادر و اسکندر و احمد شہِ عالی وقار

اسطرح سیلاب آفت کا ادھر آیا کبھی

سچ بتا ایسا تماشہ بھی نظر آیا کبھی

ہم ہیں کیا سنئے کیا ہم ہیں یاس کی تصویر ہیں — شکوۂ بے مدعا ہیں آہ بے تاثیر ہیں

جسمیں کچھ مطلب نہ ہو وہ حرف وہ تحریر ہیں — جسکا کچھ منشا نہ سمجھے کوئی وہ تقریر ہیں

زندگی کے مقصد اصلی سے بالکل دور ہیں

کیا کریں ہم بستۂ زنجیر ہیں مجبور ہیں

پارہ ہائے جگر کے چھبیسویں صفحے پر نالۂ مسلم کے عنوان سے جو نظم ہے اُسکی شان نرالی ہے، اُردو کے ساتھ ساتھ، فارسی، عربی، اور بھاشا کی آمیزش سے کچھ عجیب چیز ہو گئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ جناب کیفی نے اس نظم کو کسی پنچ اخبار کے لیئے لکھا تھا جو بھول چوک سے پارہ ہائے جگر میں شامل ہو گئی، جہاں تک اردو ادب کا تعلق ہے، نظم بہت عمدہ ہے لیکن جہاں سے یہ علمی ظرافت یعنی فارسی عربی بھاشا کی آمیزش شروع ہوئی ہے اسکا رنگ ہی بدل گیا ہے بہر حال یہ ادبی کھچڑی ہمکو پسند نہیں، لیکن باینہمہ پارہ ہائے جگر دیکھنے کی چیز ہے، اُسمیں نظم اردو کے بہترین نمونے موجود ہیں،

ٹائیٹل کے علاوہ ۲۲۴ صفحوں پر کتاب ختم ہوئی ہے، قیمت عہ کسقدر زیادہ ہے مگر کیفی صاحب کے قدر شناسوں کو اُنکا کلام جس قیمت پر بھی میسّر آئے گراں نہیں،

(شائقین حکیم برہم صاحب (گورکھپور) سے طلب فرمائیں

نکات غالب

یہ مرزا غالب کی خود نوشتہ سوانحعمری ہے جو چھوٹی تقطیع کے ۲۷ صفحے پر نظامی پریس بدایون سے شایع ہوئی ہے، جسکو جناب نظامی بدایونی نے مرزا کے خطوط سے اقتباس کرکے مرتب کیا ہے اگرچہ مضامین مختلف خطوط سے لیئے گئے ہیں لیکن مؤلف کی قابلیت نے ان بیش بہا دانوں کو ایک رشتہ میں اسطرح پرو دیا ہے کہ پوری سوانحعمری موتیوں کی ایک لڑی بن گئی ہے،

مرزا غالب کے وہ تمام نکات بھی جو اُنھوں نے وقتاً فوقتاً اپنے دوستوں اور شاگردوں کو بتائے تھے جمع کر دیئے گئے ہیں، اسطرح کتاب کی خوبیوں میں ایک خاص اضافہ ہوگیا ہے۔ آخر میں مرزا کی طبعی ظرافت کے وہ نمونے بھی پیش کر دیے گئے ہیں جس سے اُنکی رندانہ اور ظریفانہ زندگی پر کافی روشنی پڑتی ہے، غرض یہ مختصر سی کتاب ہر حیثیت سے قدر و عزت کی مستحق ہے، اور ہم جناب نظامی کو اس بے نظیر تالیف پر مبارکباد دیتے ہیں،

کاغذ عمدہ کتابت و طباعت دیدہ زیب، جلد خوشنما مگر حجم کے لحاظ سے مقررہ قیمت عہ ر زیادہ ہے۔ ملنے کا پتہ۔ نظامی پریس بدایون

امتحان وفا

امتحان وفا کے نام سے سید مسعود حسن بی اے ادیب نے انگلستان کے مشہور شاعر لارڈ ٹینیسن کے منظوم افسانے کا سلیس اور بامحاورہ اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ عموماً ترجمہ میں وہ خوبیاں قائم نہیں رہتیں جو اصل زبان میں ہوتی ہیں، لیکن جناب ادیب اپنی کوشش میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں، اصل افسانہ بہت ہی پُر اثر ہے۔ مگر امتحان وفا میں بھی وہ تاثیر زائل نہیں ہونے پائی ہے۔ کاغذ عمدہ کتابت و طباعت دیدہ زیب، قیمت صرف ۸ر ملنے کا پتہ زمانہ کانپور،

اعظمی

خوشی کی بات ہے کہ شہزادہ ولیعہد بہادر نے دورۂ سیاحت میں کئی سرداروں اور سپاہیوں سے اُردو میں بھی براہ راست بات چیت کی اور ایسی بے تکلفی سے کہ معلوم ہوتا تھا آپ اس زبان میں بھی مہارت پیدا کر رہے ہیں۔ مثلاً۔ حال میں ایک پنشنر رسالدار فرزند علیخان بہادر ساکن قائم گنج ضلع فرخ آباد کا کار وفیشن میڈل دیکھکر فرمایا "کہ آپ ولایت گئے تھے" جب رسالدار صاحب نے جواب عرض کیا کہ ہاں حضور گیا تھا تو آپنے فرمایا کہ "بادشاہ سلامت کو دیکھا تھا" رسالدار صاحب نے عرض کی ہاں اُنہی کے دست مبارک سے ملا تھا یہ سُنکر مسکراتے ہوئے "بہت اچھا مبارک" کہکر آگے بڑھ گئے۔

میری پیاری بھارت ماتا

(ایک قومی گیت)

جینت ہمالہ تجھکو لاتا   ہے بڑھیا سا چھتر چڑھاتا
سر کے بل ہے ساگر آتا   تیرے چرنون کو دھو جاتا

میری پیاری بھارت ماتا

ہرے بھرے ہین جو جنگل ہین   اچھے اچھے پھول اور پھل ہین
خوب سہانے سب جل تھل ہین   تیرا درشن من کو بھاتا

میری پیاری بھارت ماتا

تازہ تازہ سرد ہوا ہے   خوشبو بھی پھر اسمین کیا ہے!
اور روح افزا ہر جھونکا ہے   ہان، جو جیون کو ہے بڑھاتا

میری پیاری بھارت ماتا

تیری چمک مین کیسی آبج ہے   چاند ہے چہرہ یا سورج ہے
سانولی رنگت پر سج دھج ہے   آکاشش یکدم جھک کے بجاتا

میری پیاری بھارت ماتا

رشیون کو تو سرجا تو نے   منیون کو بھی پالا تو نے
ویرون کو ہان جنا تو نے   اے ودیا اور بل کی داتا

میری پیاری بھارت ماتا

پھیلا سارا دھرم تجھی سے   نکلا پورا کرم تجھی سے
پایا جگ کا مرم تجھی سے   جسپر اب جگ ہے اتراتا

میری پیاری بھارت ماتا

دُنیا نے کی پوجا تیری سب نے گائی مہما تیری

پھل دیتی تھی سیوا تیری بڑھیا سکھ تھا بڑھتی پاتا

میری پیاری بھارت ماتا

تجھ مین اب بھی ہے اونچا پن تیرا نام اب بھی ہے روشن

اب بھی تیری بھومی کا دھن کسکے دل کو نہین لبھاتا؟

میری پیاری بھارت ماتا

لیکن تیرے بچے بگڑے جھوٹی سچ پر سٹکے بگڑے

بنتے بنتے کیسے بگڑے یہ دُکھ تجھکو اب ہے ستاتا

میری پیاری بھارت ماتا

آتما گیان گھٹا اب کیسا ویا دان گھٹا اب کیسا

تیرا مان گھٹا اب کیسا اگلا آدر نہین دکھاتا

میری پیاری بھارت ماتا

تجھسے غافل یون ہو بیٹھے اُپنے پن کو بھی رو بیٹھے

آرام اپنا سب کھو بیٹھے اور تیرا دل ہے گھبراتا

میری پیاری بھارت ماتا

کھو دینے کو پھر بھی اوداسی یہ تو نہین کچھ بات ذرا سی

جیت رہے ہون بھارت باسی ہر اک تجھکو ہو اپناتا

میری پیاری بھارت ماتا

سیکھین اتنا کہ کر جانا تیری سیوا مین مرجانا

اپنے کامون سے ڈرجانا کر کے جنکو من پچھتاتا

میری پیاری بھارت ماتا

پوری ہو گی جب یہ تپسیا آنند آئے گا پہلا سا

دکھلائے گا پھر وہ تماشا ہائے نہین اب جو دکھلاتا

میری پیاری بھارت ماتا

پریم رہے گا دنیا مین جسم دور خوشی سے ہوگا سب غم
سورگ اور نرکر تجھ مین یکدم رنگ اپنا ہوگا پھیلاتا

میری پیاری بھارت ماتا

جلد اب تجھکو پھر ہے لانا اُس حالت کا پاک زمانا
ہان جس حالت کا یاد آنا تیرے جی کو ہے ترساتا

میری پیاری بھارت ماتا

ماتا! تیرا راج اٹل ہو تیرے دل مین دل کا بل ہو
سب پر تیرا اصاف آنچل ہو سحر دعا مین یون ہے گاتا

میری پیاری بھارت ماتا

اقبال ورما سحر (ہتگامی)

کلام اکبر

باطن بہت ہین ایسے جو مشتعل نہین ہین
سینے مین سبکے دل ہین، سب اہل دل نہین ہین

اس سے کب انکار ہی کہتا ہون خود مین کچھ نہین
آپ بھی لیکن فقط بنتے ہی ہین، ہین کچھ نہین
اس خبر پر اُٹھ کھڑا ہونا تھا لازم آپ کو
یہ نرا افسوس و غصہ، یہ فقط "آین" کچھ نہین

سرودِ عشق

کچھ تمکو اسکی خبر بھی ہی ہم یاد تمھاری کرتے ہین

جب صبح گلابی ہونٹوں سے پیغام نور سناتی ہی
جب شب کی سیاہی ذرّوں کی ضیا آپس مین گھل مل جاتی ہی

جب مہر درخشاں کی کرنوں سے دنیا ہوتی ہی نورانی
جب جانین چلتی پھرتی ہین مٹ جاتی ہی سب ویرانی

جب دھوپ کی کثرت تابش سے دنیا کی زمین گرماتی ہی
قہر خورشید درخشان سی جسوقت ہوا تھراتی ہے

جب دنیا سب تھک جاتی ہی جب نور کا دن ڈھلجاتا ہی
جب شام جہاں کو ڈھکتی ہی جب شب کا اندھیرا آتا ہے

جب رات کا دلکش سناٹا دنیا پر ہوتا ہی طاری
جب سب اعضا سو جاتے ہین جب روح کو ہوتی ہی بیداری

جب اپنی حالت جاننے والے اپنے آپ سے ڈرتے ہین
جب اپنے گناہ آتے ہین نظر جب دل کے داغ ابھرتے ہین

کچھ تمکو اسکی خبر بھی ہی ہم یاد تمھاری کرتے ہین

جب فکروں کی تاریکی مین دل جینے سے گھبراتا ہی
جب رنج کے بادل آتے ہین جب درد سے جی اکتاتا ہی

جب کوشش ضایع جاتی ہی جب اپنی قسمت پھرتی ہی
جب وصل کی راحت مٹتی ہی جب ہجر کی بجلی گرتی ہی

جب عزلت کی تکلیفوں مین جانکاہ ہوائین آتی ہین
جب خلوت کی بشاشت سے دل کی کلیان کھلجاتی ہین

جب اپنے پرائے صدموں سے ہوتا ہی دل پر غم طاری
جب درد والم سے ہوتی ہی خود زیست ہمین اپنی بھاری

جب ہوتا ہی مئے الفت سے لبریز یہ دل کا پیمانہ
جب نا معلوم طریقوں سے بنتا ہی یگانہ بیگانہ

جب بنتے کام بگڑتے ہین جب بگڑے کام سنورتے ہین
جب روح کو راحت ہوتی ہی جب جی پہ رنج گذرتے ہین

کچھ تمکو اسکی خبر بھی ہی ہم یاد تمھاری کرتے ہین

جب باد نسیم کے جھونکوں سے گلشن کے شجر لہراتے ہین
جب پتی پتی ہنستی ہی۔ جب غنچے تان لگاتے ہین

جب مستی مین مرغان چمن ہوتے ہین گرم غزلخوانی
جب شبنم کے دانوں پہ صبا کرتی ہی سبحہ گردانی

جب میکدۂ گلشن مین ان پھولونکے ساغر ہوتے ہین
جب مست مئے پندار خودی جامے سے باہر ہوتے ہین

جب مہر منوّر سے گلشن پر طور کا عالم ہوتا ہے
جب اشک ندامت موتی کا ہر قطرہ شبنم ہوتا ہے

جب شاخین سجدے کرتی ہین جب فصل بہاری آتی ہو — جب باد خزان کی گرمی سے سبزی تری جلجاتی ہو
جب دل جوش مسرت سے آنکھون مین آنسو بھرتے ہین — جب کالی گھٹائین آتی ہین دل کے جذبات ابھرتے ہین
کچھ تمکو اسکی خبر بھی ہو ہم یاد تمھاری کرتے ہین

روان

افادات اکبر مرحوم

دانت کا درد بدستور چلا جاتا ہے — نہی مازو دہی کافور چلا جاتا ہے
ڈارون کے اسی لکچر کا سبق ہو اب تک — وہی بندر وہی لنگور چلا جاتا ہے
برق کے لمپ سے آنکھونکو بچائے اللہ — روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے
شیخ صاحب کی کمر جھک گئی اور دل نہ جھکا — آجتک شوق سقنقور چلا جاتا ہے

ارمان بقدر طاقت ہر سو نکل رہے ہین — صاحب تو اڑ رہے ہین وہم اچھل رہے ہین
غصہ مین ہین ہم آنپر وہ ہمپہ ہنس رہے ہین — دام فریب دنیا مین دونون پھنس رہے ہین
دونونکو چاہیے یہ طاعت سے منھ نہ موڑین — وہ اپنا جبر چھوڑین ہم صبر کو نہ چھوڑین

حامی جنون کی رہ خدا ہو تو کیا کرون — ہوش آفرین ہی ہوش ربا ہو تو کیا کرون
الفاظ پر مرے ہی بجا اعتراض شیخ — مطلب مگر جو یون ہی ادا ہو تو کیا کرون

دل شکستہ مین اک ساز جان نواز بھی ہو — نہ در رہا ہو نمین جسکے اسی پہ ناز بھی ہو

تنخواہ کے لیے ہو نہ ہو واہ کے لیے — ہے میری شاعری دل آگاہ کے لیے
ہو یہ دعا کہ ترک فضولی نصیب ہو — جو کچھ کہون وہ ہو فقط اللہ کے لیے
اک مل بچا کہ اسکو بھی لیسنس ہو ضرور — منھ کھل چکا تھا ورنہ مرا آہ کے لیے

تلاشِ سکون

(۱)

دن کے ہنگامے نہاں ہیں رات کے آغوش میں
ہوش ہے خوابیدہ یعنی پیکر مدہوش میں

اسطرح طاری ہیں دنیا بھر یہ آثارِ سکون
ذرّہ ذرّہ اس کا گویا ہے پرستارِ سکون

رات کے دامن میں آسودہ ہے دل کا انتظار
دہر کے رُخ پر پڑی ہے رات کی کالی نقاب

ہر طرف ہے ایک تاریکیٔ مطلق جلوہ گر
یعنی پنہاں ہیں حجابِ شب میں انوارِ سحر

اس اندھیرے میں عجب نیرنگیاں پوشیدہ ہیں
کچھ نگاہیں مائلِ آرام کچھ خوابیدہ ہیں

ساری دنیا اس سکوتِ شب کی ہے منت گزار
لیکن اک میں ہوں کہ آتا ہی نہیں مجھکو قرار

رات ہو یا دن مگر راحت مجھے حاصل نہیں
نیند آنکھوں سے اُڑی، دل ہے بہت اندوہگیں

درس خاموشی میں دیتا ہوں لبِ فریاد کو
کاش حاصل ہو سکون کچھ خاطرِ ناشاد کو

رنج و راحت بزم و خلوت یہ تو کچھ مشکل نہیں
ہیچ ہے لیکن جو اطمینانِ دل حاصل نہیں

رنج و غم میں گر سکون ہوتا نہیں حاصل نہو
عیش و راحت کے زمانہ میں تو دل بسمل نہو

(۲)

بہرِ اطمینانِ دل کوئی تو صورت چاہیئے
سوچتا ہوں میں کہ دولت اور حکومت چاہیئے

کاش ملجائے مجھے قیصر کی ساری مملکت
کاش ملجائے مجھے خاقان کا تختِ سلطنت

ہو زمانہ بھر میں میرا سکۂ دولت رواں
ہو مرے زیرِ نگیں عالم میں اُس کا حکمراں

لعل و گوہر سے خزانہ بھی مرا معمور ہو
شاید اس صورت سے کچھ شادان دلِ رنجور ہو

آہ! لیکن فائدہ کیا سلطنت لیکر مجھے
یاد ہے افسانۂ دارا و اسکندر مجھے

کیا میں اپنے جان نثاروں سے گلا کٹواؤنگا
کیا میں خالی ہاتھ دنیا کو دکھاتا جاؤنگا

اے فریبِ مال و دولت میرے دل سے دور ہو
اے غرورِ جاہ و حشمت میرے دل سے دور ہو

(۳)

جی مین اب یہ آرہی ہو فاتح اعظم بنون — ثانی اسفندیار و ہمسر رستم بنون

چارسو شہرہ ہو میری ہیبتِ شمشیر کا — ہر طرف سکہ ہو میرے عزم عالمگیر کا

شان نادر شوکتِ تیمور ہو حاصل مجھے — شاید اس صورت سے ملجائے سکون دل مجھے

لیکن اس صورت مین پیش نظر ہے باربار — جو ہوا انجام زورِ رستم و اسفندیار

فاتح یورپ وہ شاہِ بایزید یلدرم — دشمنون کے سر پہ چمکی جسکی تیغ برق دم

اُس شجاع دہر کا انجام آخر کیا ہوا — اور بونا پارٹ سا خود کام آخر کیا ہوا

اس تصور سے بھی اطمینان کچھ حاصل نہین — خود نمائی کی ہوس وجہ سکون دل نہین

(۴)

دل کے بہلانے کو پیدا اک نئی صورت کرون — حلقۂ احباب مین کچھ اور اب وسعت کرون

اس طرح گھٹ جائے شاید رنج بھی آزار بھی — غم ہی یعنی جب مقدر ہے تو ہون غمخوار بھی

دوستون مین بیٹھکر کچھ تو بہل جائیگا دل — پھر نہ ہوگا اسقدر غمگین اتنا مضمحل

بے محل ہے اُف یہ میری آرزو بھی کسقدر — لو مین بھولا وہ مثل بھی غم نداری بُز بخر

یا تو یہ حالت کہ اپنی زندگی بھی بار ہے — یا یہ جرارت اب کہ ان فکرون مین دل تیار ہے

دوستون سے شرکتِ رنج و مصیبت کا خیال — ایک امیدِ عبث ہے، اک تمنائے محال

اپنے مطلب کے سوا پاسِ وفا ان مین نہین — جسکو دیکھا آدہ پایا اُس کو مارِ آستین،

ابنِ مریم کی گرفتاری مین مخبر کون تھا — قاتل دارا ؛ وجہ قتل نادر کون تھا

جونیس سیزر کا گھر کسنے کیا تھا بے چراغ — پیر کنعان کو دیا غیرون نے کب بیٹے کا داغ

مین نہ رکھونگا کبھی ایسون سے اپنا واسطہ — خود غرض ابنائے عالم سے مجھے کیا واسطہ

(۵)

اب سکونِ قلب کی تدبیر آخر کیا کرون — ترک آبادی کرون مہمانی صحرا کرون

یعنی جنگل مین رہون بستی کی راحت چھوڑکر — خوش رہونگا کیا مین یہ قید علائق توڑکر

ہان بظاہر بُعد ہو جائیگا ان افکار سے — اور زندانِ تمدن کے در و دیوار سے

ایک گونہ مجھکو آزادی وہان مِل جائیگی
کچھ تو یہ جانِ ستمدیدہ تسلّی پائیگی

فکر مین لیکن وہان بھی مبتلا ہو جاؤنگا
کیا خبر ہے چھوڑکر بستی کو کیا ہو جاؤنگا

مین سمجھتا ہون کہ کچھ بہتر نہین یہ بھی خیال
میری نظرون مین ہے ابتک وہ اعظم کی مثال

دشت و صحرا مین جو ملتا اُس کو اطمینان ل
تو وہ دنیا چھوڑ دینے پر نہوتا منفعل

یہ بھی ظاہر ہے کہ یون دُنیا سے ہوکر بےنیاز
جانور مین اور مجھ مین کیا رہے گا امتیاز

الغرض رہبانیت مین کچھ جو ہوتا فائدا
ترکِ دنیا کو نہ کرتے منع ہرگز مصطفےٰ

آہ دنیا تجھ مین رہکر تجھکو کیونکر چھوڑ دون
کسطرح مین تیرے دیرینہ علایق توڑ دون

(۶)

بس زمانے مین کہین میرے لیے راحت نہین
اور اطمینانِ دِل حاصل ہو وہ قسمت نہین

آہ یہ دنیا نہین ہے میری راحت کا مقام
ایسی دنیا اور ایسی زندگانی کو سلام

مجھکو مرنے دو کہ ملجائے کہین تسکین دل
یعنی وہ تسکین کہ جسکی جستجو ہے جان گسل

جس کو جیتے جی نہ پایا اسکو مرکر ڈھونڈ لون
اک نئی دنیا تجسس کے لیئے پیدا کرون

جسکے دینے پر نہین سارے جہان کو اختیار
دے سکے شاید وہ نعمت گوشۂ تنگِ مزار

گو نظر آتی ہے یہ تدبیر کچھ موزون مجھے
یاد آجاتا ہے لیکن ذوق کا مضمون مجھے

اب تو گھبرا کر یہ کہتے ہین کہ مرجائینگے ہم
مرکے بھی راحت نہ پائی تو کدھر جائینگے ہم

(۷)

اے سکون موہوم ہے تیری بھی ہستی کسقدر
دل کے بہلانے کو ہے اک لفظ بےمعنی مگر

ساری دنیا سے سنا کرتے تھے تیرا نام ہم
جستجو ہرچند کی لیکن رہے ناکام ہم

اہلِ دنیا کو جو دیکھا اُنہین خوشحالی نہین
تارک الدنیا بھی کچھ افکار سے خالی نہین

رنج و غم خوف و خطر مین مبتلا ہین مالدار
اور ہین تا بیم و رجا مین زاہدانِ شب گزار

کاش ملتا کوئی ایسا رہبر کامل مجھے
جو بتا دیتا سکون قلب کی منزل مجھے

ہے اگر تسکینِ خاطر بھی جہان مین کوئی شئے
تو بتائے کوئی کیسی ہے، کہان ہے، کیا یہ ہے

ورنہ جب پورا نہ ہوگا میرے دل کا مدعا
تو کہونگا پھر کہونگا آشکارا و برملا

دونون عالم مین نہین فہمی سکون دل نہین
جب یہ ہے تو جستجو کیا سعیٔ لاحاصل نہین

سید محمود اعظم فہمی ترمذی

سال نو

آئے وہ دن نصیب ہو جاہ و جلال نو آنکھون سے اپنی دیکھین فروغِ جمال نو
چمکے فرازِ چرخ وطن پر ہلال نو حاصل عروج تو ہو میسر کمال نو

یارب دیارِ ہند کو راس آئے سال نو
بہبودیِ وطن کے لیے ہو یہ فال نو

ہر سمت دور دورۂ امن و امان رہے آشوب روزگار سے آسودہ جان رہے
ارزان ہو علیش جنس تباہی گران رہے راحت کدہ یہ خطۂ جنت نشان رہے

یارب دیارِ ہند کو راس آئے سال نو
بہبودیِ وطن کے لیے ہو یہ فال نو

فتنہ نہ ہو۔ فساد نہ ہو۔ شور و شر نہ ہو ہندوستان مین خانہ خرابی کا گھر نہ ہو
چہرون سے دادخواہون کا چھلنی جگر نہ ہو دامان خاکِ خونِ شہیدان سے تر نہ ہو

یارب دیارِ ہند کو راس آئے سال نو
بہبودیِ وطن کے لیے ہو یہ فال نو

سرسبز کشت ہند ہو، دل باغ باغ ہو بادِ بہارِ عیش سے تازہ دماغ ہو
غم سے نصیب اہل وطن کو فراغ ہو ہر سو مئے طرب کا چھلکتا ایاغ ہو

یارب دیارِ ہند کو راس آئے سال نو
بہبودیِ وطن کے لیے ہو یہ فال نو

افراد متحد ہون۔ بہم اتفاق ہو دل پر کسی کے بار کشاکش نہ شاق ہو
غارتگرِ طرب۔ نہ غبارِ نفاق ہو شیشہ مئے عناد کا بالائے طاق ہو

یارب دیارِ ہند کو راس آئے سال نو

بہبودیِ وطن کے لیے ہو یہ فالِ نو

قحط و وبا کا ہو نے نہ پائے گذر یہان
دن رات ہو ترقیِ علم و ہنر یہان
لائے نہالِ صنعت و حرفت ثمر یہان
اقبال و اوج و جاہ و حشم کا ہو گھر یہان

یارب دیارِ ہند کو راس آئے سالِ نو
بہبودیِ وطن کے لیے ہو یہ فالِ نو

انصاف کا ہو عہد ستم ہو نہ جور ہو
بگڑا ہوا نصیب نہ دنیا کا طور ہو
بدلے ہوائے دہر۔ زمانہ کچھ اور ہو
اپنی زمین۔ اپنا فلک۔ اپنا دور ہو

یارب دیارِ ہند کو راس آئے سالِ نو
بہبودیِ وطن کے لیے ہو یہ فالِ نو

از برق دہلوی بی۔اے

محفلِ قدرت ہے ایک دریائے بے پایانِ حسن
دیکھتی ہے آنکھ ہر قطرے مین یان دریائے حسن
حسن کوہستان کی سنسان خاموشی مین ہے
مہر کی ضو گستری شب کی سیہ پوشی مین ہے
آسمانِ صبح کے آئینہ پوشی مین ہے یہ
شام کی ظلمت شفق کی گل فراشی مین ہے یہ
عظمتِ دیرینہ کے مٹتے ہوے آثار مین
طفلکِ ناآشنا کی کوششِ گفتار مین
ساکنانِ صحنِ گلستن کی ہم آوازی مین ہے
ننھے ننھے طائرون کی آشیان سازی مین ہے
چشمۂ کہسار مین۔ دریا کی آزادی مین حسن
شہر مین۔ صحرا مین۔ ویرانے مین آبادی مین ہے
(ماخوذ از اقبال)

زمانہ

جلد ۳۸ فروری سنہ ۱۹۲۲ء نمبر ۲

اکبر مرحوم کے چند خطوط

حضرت اکبر کے انتقال کو پورے پانچ مہینے ہوگئے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج ہی یہ سانحہ ہوا ہے۔ انکی جدائی کا غم ابھی تازہ ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ تازہ رہیگا۔ اردو شاعری کو اس حادثہ عظیم سے جو نقصان پہونچا ہے اسکے لیے سچ تو یہ ہے کہ اگر تمام عمر ہمارے جذبات روحانی ماتم کرتے رہیں تب بھی سوگواری کا حق ادا نہ ہو۔ اس فلسفی شاعر کے بغیر بزم سخن سونی نظر آرہی ہے۔ اُردو کی بدقسمتی ہے کہ آسمان ادب کے تمام ستارے ایک ایک کرکے غروب ہوتے جاتے ہیں!

ذاتی حیثیت سے جن لوگوں کو اکبر مرحوم سے تعارف کا شرف نصیب تھا اُنکے لیے موصوف کی وفات ایک نقصان عظیم ہے جسکی کسی طرح بھی تلافی نہیں ہوسکتی ہے۔ ایک دفعہ بھی جو اُنسے مل آیا اُسکا دل ہمیشہ اُنکی ملاقات کیلیے بیقرار رہتا تھا۔ اُنکا خلوص اور اُنکی محبت، اُنکی شگفتہ مزاجی، اُنکی بذلہ سنجی دلوں پہ ایک دیرپا نقش چھوڑ دیتی تھی۔ اُنکی گفتگو ایسی شستہ، برجستہ، دلنشین اور پرلطف ہوتی تھی کہ جس سے مدتوں دل مسرور اور دماغ منور رہتا تھا۔ اُنکے پُر مذاق فقرے، لطیف اشعار، پُرمعنی اشارے، اُنکی حکیمانہ

باتیں اور فلسفانہ بحثیں، مذہبی و روحانی نکتے، اور سیاسی آزادخیالی یہ سب جب یاد آتی ہیں تو اب بھی مُنھ سے بے اختیار ایک آہ سرد نکل جاتی ہے۔ آہ ناپائیدار دنیا! مگر قضا کا حکم اٹل ہے فنا کا سکہ سب پر جاری ہے۔ آج وہ کل ہماری باری ہے!

رسالہ زمانہ ابتدا ہی سے حضرت اکبر کا مرہون منت رہا ہے۔ آغاز اشاعت سے اسکے حال پر موصوف کی خاص توجہ رہی۔ شاید اسکی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ راقم کے بزرگون سے حضرت اکبر مرحوم کے مراسم خاص تھے۔ خیر کچھ ہو جناب اکبر روز اول ہی سے راقم کے علمی مشاغل کی قدر کرنے لگے تھے۔ اور گو انکی بزرگانہ نوازش اور مخلصانہ ہمدردی کا سلسلہ انکی آخر عمر تک یکسان قائم رہا اور خط و کتابت جاری رہی لیکن ۱۹۰۴ء و ۱۹۰۹ء کے درمیان کی خط و کتابت عام دلچسپی کے خیال سے بھی نہایت اہم ہے اکثر خطوط مین اُسوقت کے مختلف تحریکات اور واقعات کا جس پُرلطف اور سبق آموز پیرایہ مین ذکر آگیا ہے اسکی دلچسپی اتنے دنون کے بعد کم ہونیکے بجاے پہلے سے بھی بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ افسوس راقم کے پاس اُسوقت کے سب خطوط محفوظ نہین ہے اور اپنے نیازنامون اور عریضون کی بھی نقل موجود نہین ہے ہان مرحوم کے بعض عنایت نامے باقی رہ گئے ہین جنسے انکی بہت سی خصوصیات واضح ہوتی ہین۔ اور سوانحی حالات پر روشنی پڑنیکے علاوہ بعض اہم مسائل پر اُنکے دلی جذبات اور خیالات بھی آئینہ ہوجاتے ہین۔ ادبی حیثیت سے بھی یہ تحریرین ادب اُردو اور انشاپردازی کا بہترین نمونہ ہین۔

جس زمانہ کے یہ خطوط ہین اُسوقت عنان حکومت لارڈ کرزن کے زبردست ہاتھون مین تھی۔ قومی جذبات مین صدیون کی غفلت کے بعد بیداری کے آثار ظاہر ہو رہے تھے لارڈ کرزن اصلاح کی دھن مین ہر صیغہ مین ردوبدل کے خواہشمند تھے۔ تعلیم کی اصلاح پر ویسراے نے خاص توجہ کی تھی اور مروجہ نظام تعلیم بالکل بدل ڈالنے کے درپے تھے۔ تمام ملک مین اسپر ایک تہلکہ برپا تھا۔ زمانہ مین "شیو شمبھو (بالمکند گپت مرحوم) کے مشہور و معروف چھٹے شایع ہو رہے تھے۔ راقم نے حضرت اکبر سے بھی لارڈ کرزن کی پالیسی پر اپنے طرز خاص مین راے زنی کی درخواست کی تھی۔ موصوف

نے رسالہ کے لیے تو نثر میں کوئی مضمون نہیں لکھا۔ لیکن ایک خط میں باتوں باتوں میں بہت کچھ لکھ گئے۔ میں نے قدرتاً اسوقت اس پر لطف چٹھی کو شایع کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن اسکی تلافی اب ہو رہی ہے۔ حضرت اکبر اندنون پنشن لے چکے تھے اور آپکے فرزند رشید سید عشرت حسین صاحب انگلستان مین اپنے والدین کی مرضی کے خلاف طولانی قیام کیے ہوے تھے، انھین دونون کچھ تو قدرتی اسباب اور کچھ بیٹے کی جدائی سے حضرت اکبر کی آنکھین خراب ہو گئین، کلام اور گفتگو دونون مین دلی ملال کا عکس بار بار نمایان ہو جاتا تھا، اور کبھی کبھی تو یہ حالت ہو جاتی تھی کہ کہنے والے اور سننے والے دونون کی آنکھین پر نم ہو جاتی تھین۔ خطوط ذیل مین انھین سب گرد و پیش واقعات اور بعض حالات کی طرف اشارہ ہے ضمنی طور پر اردو کی کس پرسی اور علم کی بیقدری کا بھی کہین کہین شکوہ ہے۔ بہر حال یہ ادبی خزانہ جو راقم کے پاس سالہا سال سے امانت تھا نذر ناظرین زمانہ ہے۔

(۱)
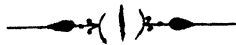
عشرت منزل چوک الہ آباد ۹۔ جنوری ۱۹۰۴ء

جناب مکرم۔

آپ نے میری بڑی عزت افزائی کی۔ آپ کی تحسین و مرحبا سے دل کو مسرت ہوئی۔ اس فیاضانہ اظہار رائے کا کہان تک شکر ادا کرون چند روز سے میری آنکھون مین ایک ایسی شکایت پیدا ہو گئی ہے کہ نوشت و خواند سے یک قلم نہین تو بہت کچھ معذور ہون۔

چھ مہینے یا سال بھر مین اصلاح کا وعدہ کیا گیا ہے اسی وجہ سے مین اپنے معینہ اندازے سے پہلے ریٹائر[1] ہوا۔ اس سے زیادہ کس بات کی خوشی ہو سکتی ہے کہ جوہر شناس سخن اور قدر دان فن کے ملاحظہ مین اپنی ناچیز نظم و نثر پیش کیا کرون جن اکابر کے نام آپ نے تحریر فرمائے ہین شاید وہ سب بزرگ میرے عنایت فرما ہین۔

بالفعل مین تعمیل ارشاد سے قاصر ہون تو معاف فرمایئے۔

میری چند نظمین کہین کہین چھپ چکی ہین۔ اور مین یہ نہین کہہ سکتا کہ آپ کے تمام ناظرین

[1] ملازمت سے کنارہ کش

انکو دیکھ چکے ہونگے۔ آپ اپنے زمانہ میں ان سب کو یکے بعد دیگرے عزت اشاعت عطا فرما سکتے ہین[1]

مدتین گذرین مین نے چند روز پنچ کی نامہ نگاری کی تھی اور اُسوقت اسکا شوق بھی تھا عظیم سوشل اور پولیٹکل انتخاب درپیش تھا اور دور اندیش طبیعتین اُن انقلابون کے ناگوار پہلوون کی مخالفت اور تردید ضروری سمجھتی تھین۔ اور ظرافت کا پیرایہ اُسکے لیے بہت ہی مفید اور موثر سمجھا گیا تھا۔ نوکری کے مشاغل اور ذمہ داری کی نزاکت نے اُس شغل کو تھوڑی مدت کے بعد مجھسے چھڑا دیا۔ اپنے طور پر کبھی کبھی کوئی غزل یا مضمون لکھتا رہا۔ مگر باوجود اصرار احباب ہنوز کسی مجموعہ کی اشاعت کو دل نہین چاہا۔ حیدر آباد اور بمبئی اور دیگر مقامات کے آپ ایسے بلند طبع اور اولو العزم بزرگون کے خطوط کے انبار میرے پاس جمع ہین۔ اگر معذور نہ ہوتا تو انکی تعمیل ارشاد سے معذور رہتا۔

مخزن نے بمشکل اور مدت مین مجھسے دو ایک نظمین پائی ہین۔ اول تو کہتا کم ہون۔ اور کہا بھی تو لکھے کون صاف کون کرے۔ کہین نوٹ کر دیا اور بھول گئے۔

بیشک حالی[2] گورنمنٹی یا اسکولی شاعر ہین۔ داغ درباری شاعر ہین مین تو کسی شمار مین نہین ہون مین مکرر عرض کرتا ہون کہ آپ کی قابلیت اور رد اودھی نے مجھکو بہت محظوظ کیا اور مجھکو آپ کا معتقد بنایا۔ اور آرزو پیدا ہوئی کہ گھڑی دو گھڑی آپ سے باتین کرون۔ لکھنؤ آتے جاتے ایسا ممکن ہے اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو بشرط اجازت آپ کو اطلاع دونگا۔

اسوقت کسی قدر دوران سر تھا نیا زنامہ اپنے ڈکٹیشن سے لکھوا دیا ہے۔ یہ نہ خیال کیجیے گا کہ تعمیل ارشاد کا مجھکو مطلق خیال نہ رہے گا۔

اکبر حسین

۴۔ جون ۱۹۰۴ء

(۲)

عنایت فرمائے من۔ ....

اپریل مین آپ کا پرچہ میرے نام سے خالی رہا جس کم جہان پاک۔ بلاشبہ یہ افسوس ہوا

---

[1] اس تجویز پر زمانہ مین عمل نہین ہو سکا۔

[2] زمانہ بابت جنوری ۱۹۰۴ء مین کلام اکبر کی تمہید کے سلسلے مین اُردو شاعری کے ان مختلف اسکولون کا مختصر تذکرہ کیا تھا اور اسکے پیشگی پروف جناب اکبر کی خدمت مین ملاحظہ کیلیے بھیجے گئے تھے ان فقرات مین غالباً اسی تمہید کیطرف اشارہ ہے

کہ آپ نے سمجھا ہوگا کہ باوجود اسقدر ترغیب اور تحسین اور منت کے مین نے بروانہ کی ساہی امر کا مجھکو بہت خیال تھا۔ نوشت وخواند مجھ پر بار ہے، عشرت سلمہ کا انتظار ہے۔ کچھ موزون کرتا ہون تو صاف ہونے کی نوبت نہین آتی۔ منشی جی غلط نویس ہین اور پھر وہ چند روز سے کچھ اور کامون پر متعین ہین۔

آپ نے اُن چند اشعار کو جو مکرر خط آنے پر مین نے بھیجدیے تھے نہین چھاپا اچھا کیا۔ وہ کچھ پرائیوٹ تفنن طبع کے طور پر موزون ہوے تھے۔ لیکن اس اثنا مین میرے بعض خطوط احباب کے پاس نہین پہونچے اسلیے شبہ ہوتا ہے کہ آپکے پاس دوسرا خط پہونچ گیا تھا یا نہین۔

"روانی لوٹ ور" میری ایک نظم ہے جو بہت مشہور اور مقبول ہوئی ہے اُسکے سوا اور نظمین بھی ہین البتہ اُنکا ملنا ذرا دشوار ہے۔ اگر آپ پرچہ مئی کے لیے پردہ کرین تو منشی جی پر تاکید کرون کہ تلاش کرکے اُسکی نقل بھیجدین۔

مین ہنوز اُنھین شکایتون مین مبتلا ہون۔ یہ خط لکھ رہا ہون لیکن یقین نہین کہ قلم میرے ارادون کو پورا کرتا جاتا ہے۔

گوئٹہ جو جرمنی کا مشہور شاعر گذرا ہے شعرا کے سرور کو جو نظم سخن سے حاصل ہوتا ہے طیور خوش الحان کی نغمہ سنجی سے تشبیہ دیتا ہے اُنکی ترانہ سنجیان اسلیے ہین کہ وہ اُنکی فطرت مین داخل ہین نہ اسلیے کہ چمن روزگار سے اُنکو داد وتحسین وآفرین کی طلب ہو۔ شاعری مین وہ درجہ میرا تو ہے نہین۔ لیکن شروع ہی سے کچھ ایسی حالت پیش آئی کہ اشاعت کلام کا خیال نہوا۔ دل گھبراتا تو زبان بہلا دیتی۔ خیر جہان تک ممکن ہوگا انسان بننے کی کوشش کرون گا۔ بلبل پھر بھی جانور ہے۔ غالباً آپ کو ذوق سخن بھی ہے۔ اگرچہ اڈیٹر کو اسکی فرصت نہین رہتی چڑیون کی شین کہ بحرون کی درستی کی فکر کرین۔ ضلع جگت[1] پر میرے چار مصرعے تو تصنیف سینئے۔ پلے ایان ورڈس ہے لیکن بیجا نہین۔

دل ہو جو وسیع اور روشن ہو خیال	ہر رنگ تجھے دکھائے خالق کا جمال
ساری دنیا ہے اُسکو پیاری اکبر	کہتا ہے کم آل جسکو حاصل ہے کمال

[1] ضلع جگت COME ALL ۵۲

(۳)

(بلا تاریخ)

عنایت فرمائے من - ہر چند نظر آنکھ حیران رہی لیکن مین نے کسی نہ کسی طرح آپکا خط پڑھ ہی لیا آپ اُس رُباعی کو میرے نام کے ساتھ بھی لکھدین تو حرج نہین - آخر وہ میری تصنیفات مین داخل ہے - آپکی مشکلات سے مین خوب آگاہ ہون - بے تمیزی رُک نہین سکتی جہالت کی گردن جُھک نہین سکتی - بولنے کی طاقت نہین - بارعب جو نکی جماعت نہین - لیکن آپ محنت و استقلال سے اپنا کام کیے جایئے خدا مددگار رہے - اُردو سب کو آتی ہے - انگلش لٹریچر نے خیالات کے انبار لگا دیے ہین - آپکو بہت مضمون نگار ملتے رہین گے - آپ خود بھی نہایت ذکی اور صاحب فہم اور وسیع الخیال ہین - مین آپ سے سچ عرض کرتا ہون کہ لکھنے پڑھنے مین بہت دقت ہے انکل سے لکھتا ہون مشکل سے پڑھتا ہون - کئی خط آئے جس مین سخت شکایت ہے کہ زمانے کو مضمون ملتا ہے ہمسے معذرت کیجاتی ہے - مین نے لکھدیا کہ وہان بھی نہین جا سکتا خیر یہ تو کوئی بات نہین ہے اصل یہ ہے کہ شکایت چشم سے نہایت ہی پریشان ہون - اپنے ذخیرۂ اشعار کو ابتک ترتیب نہین دے سکا - عشرت سلمہ کا انتظار ہے دیکھئے ولایت سے کیا انداز طبیعت لیکر آتے ہین

نیازمند اکبر

میری غزلین قریباً کل غیر طبع شدہ ہین - وہ ذخیرہ عشرت سلمہ کے علم مین کہین موجود ہے چند اجزا میرے پاس ہین - کچھ نئی غزلین بھی ہین اگرچہ یکجا طبع ہونا چاہیے لیکن تعمیل ارشاد بھی ضروری ہے - چند اشعار ایک پرانی غزل کے عرض کرتا ہون

ادراک بھی تھا علم بھی تھا عقل رسا بھی   وہ لیگئے دل اور کوئی بولا نہ ذرا بھی ؎۱

. . . .

سنتا ہون کہ اکبر نے کیا عشق بتان ترک   اس بات سے تو خوش نہوا ہوگا خدا بھی

(۴)

یہ خط بلا تاریخ ہے لیکن سنہ ۱۹۰۴ء کا لکھا ہوا ہے

؎۱ پوری غزل ہے - یہان صرف مطلع و مقطع درج کیا جاتا ہے   ایڈیٹر
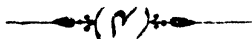
مکرمی - یاد آوری اور مزاج پُرسی کا ممنون ہون، میری طبیعت بدستور ہے آنکھون کی اصلاح کا وقت دور ہے - ان روزون شہر مین پلیگ کا زور ہے - مرنیوالے مرتے جاتے ہین بھاگنے والے بھاگے جاتے ہین - مین خدا بہ توکل گھر مین بیٹھا ہون - معمولی احتیاط او صفائی کو کافی سمجھ لیا ہے - دھوپ کھاتے ہین شوربا[1] پیتے ہین حکم اللہ کا ہے جیتے ہین - مرنا تو مین نہین چاہتا لیکن طاعون کی قید نہین ہے بلکہ کسی طرح کسی عارضے مین مرنا نہین چاہتا - ایسی جگہ ملے تو سب سے پہلے مین بھاگون - ڈاکٹر کا ہمسایہ اس ریمارک کو دیوانگی سمجھے گا - شاعر کا ہمسایہ اُسپر عمل کر سکے یا نہین اسکو عمدہ مضمون سمجھے گا - جہاز اور ریل نے اچھے، بُرے، پاک، ناپاک، مضر، غیر مضر کو مخلوط کر رکھا ہے - انکو کوئی روکتا نہین پھر ہم آپ بری ہواؤن یا بُرے اثرون کو کیا روک سکتے ہین - نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد - بے سامانی اور کمزورون پر پلیگ کا وار چل رہا ہے -

سید اکبر حسین

(۵)

(کسی خط کا آخری ٹکڑا یہ محفوظ رہ گیا ہے)

لیکن آسمان کہتا ہے کہ یہ پاپولیشن[2] کا رڈکشن[3] ہمارے محکمہ سے جاری ہے - کہین پلیگ ہے کہین جنگ ہے ــــــ جو کچھ ہو -

مقصود ہے شغل - کوئی مضمون سہی   پیمانہ مے نہین تو افیون سہی

ہنگامۂ موت بھی ہے اِک چیز اکبر   گو جنگ نہین تو خیر، طاعون سہی

منشی جی سے کہدیا ہے دو ایک رباعیان بھیجدینگے - میرا نام خریدار[4] مین نہ لکھے گا اور اچھا مین نہین ہے - باقیداری پسند نہین -

(۶)

(۲۲ - جون ۱۹۰۴ء)

عنایت فرمائے من زاد لطفہ - آپ کا خط دیکھکر یہ مضمون ذہن مین آیا

گو وہ نہ کہلا سکے مضامین کے گُل   احباب مین ہو رہا ہے تحسین کا غُل

ہے آج زمانہ مُصلح گلشن نظم   اکبر بھی بنا ہے آنریری بُلبل

---

[1] شوربہ [2] آبادی [3] تخفیف [4] اسکا کوئی خوف نہ تھا لیکن کفایت شعار طبیعت، احتیاط پسند تھی [5] اعزازی

اگرچہ آپ کی قدر افزائی کا شکرگذار ہون لیکن شرمندہ ہوتا ہون کہ وہ قابلیت نہین ہے جو آپ نے تصور فرمائی ہے۔ لارڈ کرزن کی کس اوپر آپ میری توجہ چاہتے ہین ؎

حیران ہین اس زمانے مین ہم جی کے کیا کرین
جائز سہی شراب مگر پی کے کیا کرین

اسکا دوسرا شعر شاید کچھ تعلق رکھتا ہے ؎

تعلیم اونچے درجے کی ہوتی نہین نصیب
پھر گھر مین بیٹھکر بجز اے[A] بی[B] کے کیا کرین

A. B آ بی بی سے بھی مخاطبہ ہے۔ ۱۶ مئی ۱۹۰۴ء کے انسٹیٹوٹ گزٹ علی گڑھ مین میری ایک نظم چھپی ہے جسمین لڑکون کو اطاعت والدین کی نصیحت ہے مین خیال کرتا ہون کہ اس سے زیادہ کوئی ضروری چیز نہین ہوسکتی۔ آپ اُس پرچے کو منگا کر ملاحظہ فرمائین محسن الملک صاحب نے میرا پرائیوٹ خط بھی چھاپ دیا ہے اگرچہ وہ بھی لطیفہ تھا لیکن میرا مقصود اُسی اخلاقی نظم سے تھا۔ دربار دہلی کے متعلق میری جو نظم ہے اسکو لیجئے۔ کرزن سبھا کو چھاپیے۔ لارڈ کرزن پر اعتراضات سے ہوتا کیا ہے اس ملک مین بنگالیون نے زور قلم دکھایا۔ سر سید نے بزم جمشید مرتب کی، خوب چمک دمک دکھائی، ڈنڑ دیے، دونون نے اپنے اپنے طریقون سے کشود کار چاہا لیکن ہمارے اعمال ایسے ہین کہ خرابی ہی کی طرف رفتار ہے۔ اسی خیال سے مین نے یہ رباعی کہی تھی ؎

بنگالی ہاتھ مین قلم لے تو کیا | مسلم جو مثال بزم جم لے تو کیا
ہندی کی نجات ہے نہایت مشکل | سو مرتبہ مرکے وہ جنم لے تو کیا

یہ رباعی ذہن مین تھی اسوقت لکھتا ہون۔ ابھی آپ کے پرچہ مین کسی صاحب کا مضمون تھا کہ بچون کو بھوت سے نہ ڈرانا چاہیے، بیشک یہ بات صحیح ہے۔ یہ نصیحت بارہا ہو چکی ہے۔ اگرچہ ظرافتاً مین کہدون کہ بیگانہ ملک سے گھر کا بھوت اولی ہے تصریح نہ چھپے سکوت اولی ہے۔ لیکن درحقیقت بچون کے دل مین ایک غلط خیال کی بنیاد قائم کرنا نہایت مُضر ہے۔ سچی بات کیون نہ کہو کہ حکام کا خوف اور ادب دل مین پیدا ہو۔

لڑکے جو شریر ہین سنور جائین گے آجائین گے راہ پر سُدھر جائین گے
بھوتون کے ذکر کی ضرورت کیا ہے صاحب کا نام لے دوڑ جائین گے

نصیحت تو اچھی ہے لیکن شاعرانہ کمبختی سے ترکیب نظم ایسی واقع ہوگئی ہے کہ بدگمانی پیدا[۱]
ہوسکتی ہے۔ آپ خود حفظ حاصل کرلین۔ حضرت آپ کی تحریر اور تقاضے اور تعریفین مجبور کرتی ہین
ورنہ مجھکو خط لکھنا بھی بار ہے۔ تا بہ مضمون نگاری چہ رسد

نیاز مند
اکبر

ہمایون

رسالہ ہمایون کا پہلا نمبر لاہور سے ۲۰×۳۰ تقطیع پر میان محمد شاہدین صاحب ہمایون (مرحوم) کی یادگار مین شایع ہوا ہے جو صوری و معنوی دونون حیثیت سے قابل قدر ہے۔ کاغذ اور کتابت و طباعت کے ساتھ مضامین بھی اچھے ہین۔ ہماری دعا ہے کہ دنیائے ادب کا یہ نو وارد مسافر جناب ہمایون مرحوم کی یادگار کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کے لیے سرمایۂ ناز ثابت ہو، ہمارا ذوق ادب مجبور کرتا ہے کہ ہم معزز رسالہ ہمایون اور بعض دیگر معاصرین سے گزارش کرین، کہ وہ اپنے صفحات کو ایسے مضامین سے پاک رکھنے کی کوشش کرین جنکی معنویت ہوس کارانہ لفاظی پر مبنی ہوتی ہے، اور جنمین نفسانی جذبات اور ولولہ انگیز خیالات کے سوا اور کچھ نہین ہوتا۔ کچھ دنون سے اس قسم کے مضامین کی بھرمار ہورہی ہے، ضرورت ہے، کہ اُن مضامین کی باقاعدہ مخالفت کی جائے جن سے ادب اُردو کی دراصل توہین ہوتی ہے

ہمایون کی سالانہ قیمت پانچ روپیہ ہے۔ شائقین منیجر رسالہ ہمایون لاہور سے طلب فرمائین

---

[۱] مرحوم بمقتضائے وقت عموماً بہت محتاط تھے اور آخر وقت تک ضرورت سے زیادہ احتیاط کرنے لگے تھے۔ ایڈیٹر

نواب مہر مرحوم

نواب امین الدولہ سیف الملک سید آغا علی خان بہادر فیروز جنگ مہر مرحوم فرزند رشید نواب معتمد ولہ مختار الملک سید محمد خان بہادر ضیغم جنگ عرف آغا میر وزیر شاہ اودھ ناسخ مرحوم کے ارشد تلامذہ مین تھے اور شاعری کے دلدادہ تھے فارسی اردو دونون زبانون مین قادر الکلام تھے آپکا دیوان ۱۲۶۳ھ مین شاہی پریس لکھنؤ مین طبع ہو چکا تھا۔ تحقیق زبان صحت الفاظ محل استعمال مین انکا مرتبہ ناسخ سے کچھ کم نہ تھا دو تین مرتبہ ناسخ مرحوم ان کے بلائے ہوئے کانپور مین گئے حسن اتفاق سے ایک مرتبہ کسی تقریب مین ناسخ نواب امین الدولہ کے مہمان تھے کہ منیر مرحوم نے حاضر ہو کر شرف تلمذ حاصل کیا۔ ناسخ نے کہا نواب صاحب کو تو اصلاح دینے کی فرصت نہین ہے مین میر علی اوسط رشک سے کہدونگا تم انھین سے اصلاح لیا کرو مجھے اصلاح دینے کا وقت نہین ملتا نواب امین الدولہ کی تمام عمر کانپور مین گذری۔ اگرچہ کانپور کو بھی نواب نے دوسرا لکھنؤ بنا لیا تھا تاہم ہمیشہ لکھنؤ کے لیئے بیتاب رہتے تھے، اکثر مشاہیر شعرا لکھنؤ، منیر، رشک، ناسخ، وغیرہ انکے یہان مہمان رہا کرتے تھے۔ اس طرح لکھنؤ کا نظارۂ باطنی تو میسر تھا۔ مگر نظارۂ ظاہری کی متمنی رہتے تھے چنانچہ فرماتے ہین،

دم پھڑکتا ہے مرا ہر دم برائے لکھنؤ ۔۔۔ لکھنؤ مجھکو دکھا دے اے خدا اے لکھنؤ

جب کنارے گنگ آتی ہے کبھی ٹھنڈی ہوا ۔۔۔ یاد آتی ہے مجھے آب و ہوائے لکھنؤ

آرزو ہے تجھسے اے فرمانروائے کائنات ۔۔۔ مہر پر ہون مہربان فرمانروائے لکھنؤ

دوسری غزل مین کمال اشتیاق ظاہر کرکے کہتے ہین۔

کانپور مین ہے یہ میری زندگانی کا سبب ۔۔۔ جسم کو لگ جاتی ہے اکثر ہوائے لکھنؤ

ایک غزل قافیہ بدلکر لکھنؤ کی حسرت مین کہی ہے۔

بلبلو پھرتے ہین دلمین گلعذار لکھنؤ ۔۔۔ میری آنکھون کو ہے اکثر انتظار لکھنؤ

پاس سے دیکھوں بنائے پائیدار لکھنؤ ۔۔۔ دور ہو آنکھوں سے یارب انتظار لکھنؤ

حیدر آباد اور دلی کی حقیقت کون شئے ۔۔۔ وسعت ملک صفاہان ہے نثار لکھنؤ

کابنور مین کیا کہین جاؤن پے گلگشت باغ ۔۔۔ سامنے آنکھون کے ہے باغ و بہار لکھنؤ

ایک اور غزل تبدیل قافیہ ردیف و فراق لکھنؤ مین کہی ہے،

فرش ہو مسند ہو بیداری ہو خواب عیش ہو ۔۔۔ اب سخن تکیہ مرا ہے اشتیاق لکھنؤ

سلطنت کے بدلے پہونچا دے وطن تک لے ہما ۔۔۔ بادشاہی سے سوا ہے اشتیاق لکھنؤ

خل آب د آتش و خاک و ہوا طینت سے ہے ۔۔۔ پانچوان عنصر بنا ہے اشتیاق لکھنؤ

مرہم سیر وطن اے مہر اسکا ہے علاج ۔۔۔ مثل داغ دل بنا ہے اشتیاق لکھنؤ

آخر مین مایوس ہو کر فرماتے ہین،

جینے کب دے گا فراق لکھنؤ ۔۔۔ جان تک لیگا فراق لکھنؤ

اور غزلون مین بھی آپنے لکھنؤ کی حسرت دیدار کو بہ طرز احسن ظاہر کیا ہے۔جس سے قادر الکلامی ٹپکتی ہے۔

لکھنؤ خوب ہے جنت کے چمن سے ہم کو ۔۔۔ خوش کرے جلد خدا سیر وطن سے ہمکو

میر ضامن علی شوق خلف میر علی اوسط رشک ہمیشہ انھین کے دربار مین رہے۔

جناب شوق کا ایک قاعدہ تھا کہ ہر غزل کے مقطع مین مادہ تاریخ غزل نکالتے تھے اور یہ شرف اُنھون نے جناب مہر سے حاصل کیا یعنی جناب مہر نے کبھی کبھی اپنے مشاعرے کی غزل مین مقطع کے مصرعہ آخر سے مادہ تاریخ نکالا ہے۔چنانچہ فرماتے ہین۔

یہ ہوئی طرح کی اے مہر یہی تاریخ ۔۔۔ بس محبت ہے گل غنچہ دہن سے ہمکو

اور مضمون کی صفائی حسن بندش معانی کی خوبی کا تو ان کے کلام پر خاتمہ تھا۔

کھل گئے سیغب کے اسرار سخن سے ہم کو ۔۔۔ کام کی بات ملی تیرے دہن سے ہمکو

جدت طرازی کا نمونہ سنیئے۔

ہستی زر پہ نہین قابو گدا و شاہ کا ۔۔۔ جان بھی اللہ کی ہے مال بھی اللہ کا

مجھ مین اس قاتل مین تیرونکی لڑائی رہتی ہو ۔۔۔ جب نگہ کا تیر کھایا تیر مارا آہ کا

کہکشان اسے مہر جسکو فلسفی ٹھہراتے ہین — یہ دھوآن ہے آسمان گیر اپنی شمع آہ کا

ایک مشکل مصرع پر ایسا زوردار مصرع لگایا ہے کہ قابل داد ہے مصرع یہ تھا "پیکر نہ پیرہن نہ دیکھا" بادی النظر مین اس مصرع کو تغزل سے کوئی واسطہ نہین معلوم ہوتا اور یہ بھی سمجھ مین نہین آتا کہ شاعر کیا مصرع اسپر لگائیگا۔ اسی مصرع سے مہر کی قادر الکلامی کا ثبوت ملتا ہے۔

دیکھا تجھے چشم دل سے عُریان — پیکر نہ پیرہن نہ دیکھا

ایک غزل مین لکھنؤ کی بربادی پر افسوس کرکے فرماتے ہین۔

اُٹھائے غربت کے رنج ہمدم تباہ ہوتے وطن نہ دیکھا — مقام شادی ہے ہمصفیرو خزان مین روئے چمن نہ دیکھا

ایک مرتبہ کانپور کے قریب ایک مقام بٹھور ہے وہان کے میلے مین تشریف لیگئے اسکی کیفیت ایک غزل مین نظم کردی ایک شعر مین میلے کی صفت کو ختم کردیا۔

جس سے بازار مصر شرمائے — ایسا میلا بٹھور مین دیکھا

مشکل ردیف و قافیون بھی اپنا رنگ طبیعت دکھا جاتے تھے حباب بنا بر بگڑ گیا، کتاب بنا پر بگڑ گیا، اسمین ایک شعر اپنے حصّہ کا کہا ہے۔

ایوان عیش اہل فنا کو، نہ پوچھئے — مانند بزم خواب بنا پر بگڑ گیا

کہین کہین تعلی بھی کی ہے۔

ہماری نظم سے کیونکر ہو آب و تاب جدا — درخوش آب جو ہو اس سے کیا ہو آب جدا

پئین گے شہر سے جاکر کہین شراب جدا — ہے پاس وضع جدا ہیسم احتساب جدا

سنہ ۱۲۴۹ ہجری مین ایک دفعہ بٹھور کے میلے مین تشریف لیگئے اُسکی تعریف ایک غزل مین لکھی اور مادہ تاریخ مقطع کے آخری مصرع سے نکالا۔

دریائے فیض عام ہے میلا بٹھور کا — ہوتا عبث نہین لب گنگا بٹھور کا

اس ماہ وش نے مجھ سے یہ تاریخ مین کہا — اے مہر لو پری ہے یہ میلا بٹھور کا

سنہ ۱۸۳۳ء مین ایک غزل بٹھور کے حالات مین لکھی اسمین بھی مادہ تاریخ پیدا کیا۔

کاشی گیا پراک مین جانے سے فائدہ — آنکھون مین یان سمایا ہے تیرتھ بٹھور کا

تاریخ عیسوی مین یہ مصرع ہوا ہے مہر — کیا ہی پسند آیا ہے تیرتھ بٹھور کا

لکھنؤ سے نکلنے کا غم دل پر ہمیشہ رہا اور اسکا اظہار غم مختلف پہلو سے کیا۔

لکھنؤ تھا جسم تو ہم جان تھے | آئی قضا دیس نکالا ملا
شاہ ہم اس حکم کے دیوانے ہین | بے سر و پا دیس نکالا ملا
کہنہ چلا آیا ہے آدم کا ارث | کیا یہ نیا دیس نکالا ملا

دوسری غزل مین کہتے ہین۔

بیجرم و بے گناہ غریب الوطن کیا | ہمکو وطن سے شاہ غریب الوطن کیا
دشمن نہ یون ہو دوست کے جسطرح سے ہین | باحالت تباہ غریب الوطن کیا

تصوف کے رنگ مین بھی اچھی داد سخن دی ہے۔

یہ عرش نہین گوشۂ میخانہ ہے اسکا | سورج خم افلاک مین پیمانہ ہے اسکا
چھانا جہان مین نے اِک جا مکان نہ ٹھہرا | مسکن ترا امکان سے تا لامکان نہ ٹھہرا
ہمکو بھی ساتھ لیتے اے رہروان منزل | عجلت کا کیا سبب تھا کیون کاروان نہ ٹھہرا

درج گوہر کو صدف سے تو نے عالی کر دیا | ایک کا گھر بھر دیا اور ایک خالی کر دیا

اُستاد کا ذکر نہیر عجیب حسرت سے کیا ہے۔

پوچھتے ہو مجھسے کیا اے مہر آہ | نام تھا ناسخ مرے اُستاد کا

لکھنؤ کی بربادی کا حال کس دلکش پیرایہ مین کیا ہے،

مین ہون ساکن اُس خراب آباد کا | جسمین غم ہے نکہت برباد کا

غلط کی ردیف مین نواب ناظم والی رامپور کی غزل مشہور ہے لیکن مہر کی غزل تبدیل قافیہ عجب مرصع نظر آتی ہے۔ ناظم فرماتے ہین،

مین نے کہا کہ دعوئ الفت مگر غلط | کہنے لگے کہ ہان غلط اور کسقدر غلط

جناب مہر فرماتے ہین،

دنیا کے ہین یہ سات ورق حیا بجا غلط | ہے ابتدائے دہر سے تا انتہا غلط

قاتل سے ہے خیال شکایات کا غلط — دعوائی خون غلط طلب خونبہا غلط
پڑھکر ہمارے خط کو نکالے یہ پانچ عیب — بے ربط بے محاورہ بدخط برا غلط

ہجر صنم مین ضبط فغان و بکا غلط — تسلیم و صبر و شکر و شکیب و رضا غلط
حیرت زدہ مرا دل پر خون ہے ساقیو — ساغر دروغ جام غلط آئینہ غلط
اپنا کسی کا کوئی نہین اس زمانے مین — لطف یگانہ دوستی آشنا غلط
انداز ربط وہم سخنی حیلہ و فریب — تسلیم بندگی و سلام و دعا غلط

جسم صاف مین ردیف ہے اور ضیا دعا قافیہ ہے ردیف کی دقت پر نظر کیجئے تو اس مین مطلع کہنا بہت مشکل یعنی ایک مصرع کی ردیف بیکار ہوئی جاتی ہے، ایسی مشکل زمین مین نواب مہر نے غزل کہی ہے اور نازک نازک شعر نکالے ہین۔

عالم ہے مہر دآئینہ کا جسم صاف مین — ہے اسقدر صفا و ضیا جسم صاف مین
تیرے ہر ایک عضو مین آتا ہی منھ نظر — سب جڑ دیئے ہین آئینے کیا جسم صاف مین

وطن صحرا مین چمن صحرا مین غزل کہی ہے جسکا مطلع ہے،

روح کو خانہ زندان ہے بدن صحرا مین — یاد آتا ہے ہمین اپنا وطن صحرا مین

شمشیر مین زنجیر مین ایک پامال زمین ہے اسمین بھی اچھے اچھے شعر نکالے ہین۔

یار کی تلوار کا کھنچنا نوید قتل ہے — بدلے جوہر کے قضا کے حرف ہین شمشیر مین
جب نکالی قید خانے سے ترے وحشی کی لاش — غل تھا رونے پیٹنے کا خانۂ زنجیر مین
طبع بد کو خوبیٔ اصلاح سے کیا فائدہ — بوئے گل ہوتی نہین ہے گلشن تصویر مین

مثال اور دلیل معانی کے تو صاحب تھے۔

دست رنگین مین نہین ظرف شراب آتشین — آگ ساغر مین بھری ہی اور ساغر آگ مین
اشک و سوز غم سے مین ہون آب آتش مین کبھو — مچھلیان پانی مین پلتی ہین سمندر آگ مین
مرتبہ جتنا بڑھے دنیا مین اتنا رنج ہو — ماہ آسایش مین ہے خورشید غادر آگ مین

لکھنؤ چھٹنے کا تو ایسا غم تھا کہ کوئی غزل اس ماجرے سے خالی نظر نہین آتی ہے اور خاص خاص

غزلین بھی اسی خیال مین کہی ہین۔

کانپور سے کہین بلائے وطن — جان لے میری یا جلائے وطن
منھ سے غربت مین بھی نکلتا ہے — لکھنؤ لکھنؤ بجائے وطن

آیا خیال ماہ لقا کانپور مین — یاد وطن نے داغ دیا کانپور مین
خنجر رنج غربت و قلق و صدمہ وطن — چوتھا نہین انیس مرا کانپور مین
ہونا وطن مین قتل نہین سلطنت سے کم — ہے ظلِ تیغ ظلِ ہما کانپور مین

گنگ الکن نہین خاموش جو ہون غربت مین — کس سے افسانہ غریبی کا کہون غربت مین
رنج ایسا ہے کہ دو دن جاین اگر قابو ہو — رنج غربت کا بھی احسان نہ لون غربت مین

انتخاب کلام

کیا کرون یار مطرب و ساقی — جلوہ گر ہے نہین محفل مین

جو ہو وہ طالب بزم شراب دریا مین — بنین پیالہ و مینا حباب دریا مین

کس چیز سے مین اسکے سوا غم غلط کرون — آئے کبھی جو نامہ ترا غم غلط کرون

بے وفا کس سے دغا کرتے ہین — نقد دل لیکے دغا کرتے ہین

جیسے ہر طائر ہما ہوتا نہین — ہر گدا بھی بادشا ہوتا نہین
چشم بد دور آنکھ کی پتلی ہے تو — جسم سے سایہ جدا ہوتا نہین
مہر تیرے ساتھ ہے اے بحر حسن — موج دریا سے جدا ہوتا نہین

ایک چھٹ دوسرے کا نام نہین قصر دل خانۂ عوام نہین

جسم مین جان نہو طاقت گفتار نہو سب گوارا ہے مگر فرقت دلدار نہو

نمود خط رخسار بتان ہے چمن مین آمد فصل خزان ہے

ہنس کے یون کہگئے وہ مجھکو جو روتے دیکھا سیر کو آئے تھے ہم آب روان دیکھ چلے
کی جگہ اور رہو سنا کو نکے خاطر خالی خوب ہم محفل عشرت کا سامان دیکھ چلے

کہین کس دل سے ہم خدا سمجھے تجھ سے اے بت تری جفا سمجھے

دیکھ اے غافل سوے ماہ و نجوم چار دن یہ صحبت احباب ہے

آؤ رخصت ہو لو اے اہل وطن اب ہمارے کوچ کا سامان ہے

وصل کی شب بات کی فرصت نہین شام ہوئی اور سحر آ گئی

تو جو گرم خرام ہوتا ہے روز محشر کا نام ہوتا ہے
وصل کے بعد ہے جو رنج و فراق یہ فقط انتقام ہوتا ہے

وقت پیری ہمین ہوا معلوم کہ پیام اجل جوانی ہے
جائے عبرت ہے ہستی موہوم صحبت رفتگان کہانی ہے

روز کہتے ہین یہ اردو سے محلے والے — لطف دہلی تو گیا لکھنؤ آباد رہے
ہے خدا سے یہ دعا لکھنؤ آباد رہے — اصفہان سے بھی سوا لکھنؤ آباد رہے
ربع مسکون مین فرخاک نہین ایسی جا — لوگ کہتے ہین بجا لکھنؤ آباد رہے

کسقدر اسکا دہن شیرین ہے — ایک سے ایک سخن شیرین ہے

ناز دنیاز دل سے نہ آگہ کبھی رہے — تا منتہائے عشق ہمین مبتدی رہے
خالی ملازمہ سے نہ شغل اے پری رہے — حقے کے بدلے صحن چمن مین کلی رہے
کہتا ہے تجکو عقد ثریا دکھا کے چرخ — اے ماہ نیچہ مین بھی دستکی رہے

ہر گز نہ وعظ سے دل میخوار توڑیئے — اکبار توبہ کیجئے سو بار توڑیئے

خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت

لاکھ بھی گوند کی قسم سے ہے اور یہ اُن کیڑون کا فضلہ ہے جو درختون مین خود بخود پیدا ہو جاتے ہین یہ صرف مشرق ہی مین ہوتی ہے اور ہندوستان مین سب سے زیادہ ہندوستان کے علاوہ سیام اور انڈوچینا مین بھی اسکا وجود پایا جاتا ہے مگر دونون ملک کل پیداوار کا صرف (جو تقریباً ½ ۹ لاکھ من ہوتی ہے) دو یا ڈھائی فیصدی مہیا کر سکتے ہین - ان دونون ملک کی بیشتر لاکھ ہندوستان چلی آتی ہے جو صاف کر کے بنائی جاتی ہے - اسطرح سے ہندوستان کا قریب قریب لاکھ پر اجارہ ہے - پس لاکھ ایک ایسی پیداوار ہے جسپر کہ ملک محصول برآمد لگاکر فائدہ اُٹھا سکتا ہے -

لاکھ کا کیڑا مختلف درختون مین لگتا ہے جس قسم کا درخت ہوتا ہے اسی قسم کی لاکھ ہوتی ہے سب سے عمدہ قسم کی لاکھ کُسمب کے درخت کی ہوتی ہے مگر بیر، پلاس، پیپل اور ببول کی لاکھ بھی اچھی ہوتی ہے - ممالک متوسط مین کُسمب اور پلاس کے درخت زیادہ تر لاکھ پیدا کرتے ہین - مگر سندھ مین ببول پر عمدہ لاکھ ہوتی ہے - لیکن جب سندھ کے ببول کی لاکھ کے کیڑے بہار مین لائے گئے تو ببول کے درخت پر انکی نشوونما نہو سکی - اس سے ظاہر ہے کہ مختلف قسم کی لاکھ محض اس بات کی وجہ سے نہین ہوتی ہے کہ کیڑے مختلف قسم کے درخت پر پرورش پاتے ہین بلکہ بات یہ ہے کہ کیڑے بھی مختلف قسم کے ہوتے ہین - اس بات کا ابھی کافی طور پر پتہ نہین چلا ہے اور ابھی اس مسئلہ کی تفتیش کی ضرورت ہے -

سال مین لاکھ کی چار فصلین ہوتی ہین - انہین سے پہلی سب سے زیادہ ہوتی ہے -

(۱) بیساکھی (۲) جیٹھوا (۳) کُسمی (۴) کاتکی -

یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ کل ملاکر ½ ۹ لاکھ من کچی لاکھ حاصل ہوتی ہے - اسکے علاوہ برہما سیام اور انڈوچینا سے تقریباً نوے ہزار من درآمد ہوتی ہے - اسطرح میزان کل دس لاکھ

پندرہ ہزار من ہوئی۔ اس سے چالیس سے ساٹھ فیصدی تک صاف شدہ لاکھ تیار ہوتی ہے۔ یہ ۳۴ء۴-لاکھ من ہوئی۔ یہ زیادہ تر دوسرے ملکون کو چلی جاتی ہے۔

لاکھ کی پیداوار بہت بڑھ سکتی ہے۔ جتنے کام کرنیوالے ملے اُتنی ہی لاکھ فراہم ہوئی۔ اگر جنگلو نمین لاکھ جمع کرنیکے کام کرنیوالون کی تعداد مین اضافہ ہو تو لاکھ کی پیداوار مین بھی اضافہ ہوسکتا ہے۔ زمانہ گذشتہ مین سب سے بڑی مشکل یہ رہی ہے کہ عمدہ لاکھ کے کیڑے کم دستیاب ہوتے تھے لیکن اب انتظام کیا گیا ہے کہ عمدہ کیڑے مل سکین۔ انکے واسطے گھوارے قائم ہونے والے ہین۔ فی الحال لاکھ جمع کرنیکے پٹے دیے جاتے ہین اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب لائسنس بدلنے والا ہوتا ہے اور لائسنسدار کو امید نہین ہوتی کہ اسکو لائسنس پھر ملے گا تو وہ لائسنس کی مدت ختم ہونیکے قبل ہی جتنی لاکھ ہوتی ہے سب نکال لیتا ہے اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ازسرنو لاکھ پیدا کرنے کا سامان بھی جاتا رہتا ہے یہ مشکل اسطرح حل کرنے کا ارادہ ہے کہ انڈے دینے والے لاکھ کے کیڑے کسی اوسط مین لائسنس سے مستثنیٰ کردیے جائین۔ جنگ کے زمانہ مین اس امر کی تھوڑی بہت تحقیقات ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری صنعتین ابھی مختلف پہلوؤن سے سائنس کے اصولون پر نہین چلتین۔ یہی حال لاکھ کا بھی ہے۔ ہندوستانی لاکھ اُکھاڑ لیتے ہین جا لانکہ لاکھ ابھی پورے طور پر جمنے نہین پاتی۔ ملائم اور نرم ہوتی ہے اور قبل اسکے کہ اس سے انڈے پھوٹ کر ننھے کیڑے نکلین۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک تو لاکھ کی عمدگی مین فرق آتا ہے دوسرے یہ کہ اگر کافی تعداد مین کیڑے انڈے پھوڑ کر لاکھ جمع کرنیکے پیشتر ہی نکل نہین گئے ہین تو آنیوالے موسم مین لاکھ کی پیداوار کم ہو جاتی ہے۔ مگر لاکھ جمع کرنیوالون کا ایسا کرنا حق بجانب ہے کیونکہ لاکھ صاف کرنیوالے ایسی ہی لاکھ مانگتے ہین۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ لاکھ مین جو گوندسی شے ہوتی ہے وہ لاکھ کے ملایم ہونے پر کم درجہ کی گرمی پر گل جاتی ہے ورنہ اسکو گرمی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے لیکن اسطرح لاکھ کے انڈے برباد ہو جاتے ہین اور لاکھ بھی عمدہ نہین ہوتی۔ تیسرا اثر اسکا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ سال بسال لاکھ برابر مقدار مین نہین پیدا ہوتی اسلیے لاکھ کی تجارت مین قمار بازی کو دخل ہو جاتا ہے اور اس سے بہت

نقصان ہوتا ہے - ادھر بھی لاکھ کو جمع کرنے کا جو دستور ہے اسکی اسی طرح بندش کرنا چاہیے جسطرح ہندوستان مین صغرسنی کی شادی کی روک کی ضرورت ہے - لاکھ کے واسطے ضرورت اس بات کی ہے کہ جن شاخون مین لاکھ جمی ہے انکو درخت پر ہی رہنے دیا جاے یا انکو کاٹکر دوسرے درختون پر ڈال دیا جاے تاکہ اُسکے نئے کیڑے نکل جائین اور آیندہ لاکھ بنائین - اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ سال بسال لاکھ کی پیداوار مستقل ہو جائیگی - قماربازی لاکھ کی تجارت مین مسدود ہو جائیگی اور اسکی قیمت ارزان ہوگی - لاکھ کی تجارت مین یا کسی اور تجارت مین قماربازی یون پیدا ہو جاتی ہے کہ جب یہ اطمینان نہین ہوتا اور نہ معلومات ہوتی ہے اور نہ ایسے سامان ہوتے ہین جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ پیداوار کتنی ہوگی تو ہوشیار تاجر اُس سے نفع اُٹھانیکے زیادہ خواہشمند ہوتے ہین - وہ پیداوار کو روک لیتے ہین اور جب قدرتی طور پر کمی ہونیکی وجہ سے اسکا نرخ چڑھتا ہے تو اپنی قسمت کو سراہتے اور ایک کے چار چار کرتے ہین -

ہندوستان مین چار خطے ہین جہان لاکھ کی پیداوار کافی مقدار مین ہوتی ہے -

۱ - ممالک متوسط ہند جسمین ضلع ناگپور - اُڑیسہ اور بنگال کے ملحق علاقے اور حیدرآباد ریاست کے مشرقی اور شمالی جنگلات شامل ہین -

۲ - سندھ

۳ - سنٹرل آسام -

۴ - اپر برما اور ریاستہاے شان -

انکے علاوہ اور بھی علاقے ہین جیسے پنجاب - مگر نمبر اول کے مقامات کو بھی اہمیت ہے کیونکہ لاکھ صاف کرنیوالے اسی رقبہ سے زیادہ تر لاکھ حاصل کرتے ہین -

(لاکھ کا استعمال)

لاکھ کا استعمال متعدد طریقون سے ہوتا اور گذشتہ چند سالون مین یہ نئے نئے طریقہ پر صنعتون مین استعمال ہونے لگی ہے - یہ وثوق کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ مغرب مین صنعتون کیلیے یہ ایک لابدی شے ہے - اور چونکہ یہ دیگر ممالک یورپ اور امریکہ مین نہین پائی جاتی

اسلیے ابتک دیگر ممالک مین بڑی بڑی تحقیقاتین ہو چکی ہین تاکہ کوئی اسکا بدل تیار ہو جسطرح کہ نیل کا بدل جرمنی مین تیار ہوا تھا مگر ابھی تک اسمین کوئی کامیابی نہین ہوئی ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسکا مصنوعی بدل بنانا غیر ممکن ہے اور اگر بنا یا بھی جائے تو لاکھ کا کام نہین دے سکتا۔

اس لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ ایسے وسائل اختیار کیے جاوین کہ جس سے لاکھ پر جو اجارہ ہندوستان کا ہے قائم رہے اور ہندوستان کا خزانہ اس سے مستفید ہو سکے لاکھ بطور خام مال کے یورپ اور امریکہ کے آرٹ اور صنعتون کے واسطے ضروری ہو گئی ہے۔ دوران جنگ مین یہ فوجی ضروریات کی چیزون کے بنانے مین بھی کام آئی ہے۔ اس سے اسکی اہمیت اور بڑھ گئی ہے اسکے خاص خاص استعمال حسب ذیل ہین۔

۱۔ صنعتونمین یہ مندرجۂ ذیل صنعتونمین کام آتی ہے۔ گراموفون کے رکارڈ بنانا بٹن بنانا لیتھو کی روشنائی بنانا۔ نقلی ہاتھی دانت بنانا۔ آئل کلاتھ بنانا۔ وارنش اور پالش تیار کرنا۔ پتھر اور دھات کی چیزون پر پالش کے لیے چرخ تیار کرنا وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ ریشم یا کھر کی ٹوپیون مین سختی پیدا کرنا

۳۔ بجلی کی مشینونمین بجلی کی طاقت کو زائل ہونے سے روکنے کیلیے آلات بنانا جسکو انگریزی مین انسیولیٹر کہتے ہین۔ لاکھ ایک ایسی شے ہے جسمین سے ہو کر بجلی گذر نہین سکتی جیسے دھات مین سے ہو کر گذر جاتی ہے۔

۴۔ بارود کی ایسی چیزین بنانے مین کام آتی ہے۔

۵۔ روزمرہ کے گھر کے استعمال کی چیزین بنانے مین کارآمد ہے مثلاً مُہر کرنے کے لیے چوڑیان بنانیکے لیے۔ کھلونے بنانے کیلیے۔ وغیرہ وغیرہ۔

۶۔ جوڑنے کے کام آتی ہے مثلاً ہاتھی دانت اور دھات کی چیزین جوڑنے کے لیے تلوارون کا دستہ جوڑنے کے لیے۔

۷۔ زیورات بھرنے کے لیے جو اندر سے کھوکھلے ہوتے ہین۔

۸۔ سفید لاکھ تیار کرنے مین، جو لاکھ اور کلورین کی مرکب ہے۔

جب لکڑی پر پالش یا دھات پر پالش کرنیکے یا بارود کے گولون کے اندر پالش چڑھانیکی ضرورت ہوتی ہی تو لاکھ کو الکوحل مین گھولتے ہین۔ فلٹ ٹرپیون اور ایسی چیزون کو کڑا کرنیکے لیے لاکھ کو سہاگہ مین ملاتے ہین۔ سفید لاکھ تیار کرنیکے لیے اسکو سوڈا کی خاک اور پانی مین گھولتے ہین۔ یہ سفید لاکھ الکوحل مین گھل جاتی ہے اور اسطرح ایک سفیدی مائل صاف شفاف پالش تیار ہو جاتی ہے۔

(لاکھ اور اُسکی تجارت)

خام لاکھ سے پختہ لاکھ جسکو شبلک کہتے ہین ممالک متحدہ آگرہ و اودھ۔ بنگال اور بہار کے مختلف اضلاع مین تیار کی جاتی ہے۔ سب سے زیادہ مشہور مقامات اسکی صنعت کے مرزاپور۔ بلرامپور۔ امام گنج۔ پاکر اور جھالدہ ہین۔ اسکے علاوہ بنگال مین دو کارخانہ ہین جنمین مشین کے ذریعہ پیٹنٹ شدہ طریقون سے شبلک بنائی جاتی ہے۔

اسکے حسب ذیل تجارتی اشکال ہین۔

۱۔ خام لاکھ

۲۔ دانہ وار لاکھ۔ خام لاکھ کو کوٹ پیسکر دھوکر خشک کر لیتے ہین۔

۳۔ شبلک یا چپڑا لاکھ۔ یہ تیار شدہ لاکھ یا شبلک ہے جو پپڑا یا گالے کی شکل کی ہوتی ہے

۴۔ بٹن یا زبان کی شکل کی لاکھ۔ یہ وہی تیار شدہ لاکھ یا شبلک ہی۔ اسکو گلا کر بٹن یا زبان کی شکل مین بنا لیتے ہین۔

۵۔ تامڑے کی لاکھ۔ یہ بھاری سرخ رنگ کی ہوتی ہے۔ اسکی شکل پتلے پتلے ٹکڑون کی سی ہوتی ہے جو چپٹے نہین ہوتے جیسے نمبر ۳۔ اسمین تقریباً ۱۰ فیصدی رال ہوتی ہے لیکن خالص بن سکتی ہے۔ نمبر ۴ و ۵۔ اقسام کی ادنی درجہ کی لاکھ لاکھ کا فضلہ ملانیسے بھی تیار ہوتی ہے۔

۶۔ کیٹری۔ یہ فضلہ ہے جو بورون مین جنمین لاکھ گلائی جاتی ہے لاکھ گلنے کے بعد باقی رہجاتا ہے۔ اسمین لاکھ کا کچھ اوسط ہوتا ہے۔ بعض اوقات پچاس فیصدی تک۔ اکثر اس سے بھی زیادہ۔ یہ عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مشین کی بنی ہوئی لاکھ ہاتھ کی بنی ہوئی

لاکھ سے مقابلہ نہین کرسکتی۔

تجارت برآمد کی کل قیمت کا اندازہ ۳ ۳/۴ کرور روپیہ سالانہ ہے مگر یہ اتنا زیادہ اسوجہ سے ہے کہ نرخ چڑھا ہوا ہے۔ فوجی ضروریات کی وجہ سے دوران جنگ مین اسکی قیمت مین بہت بڑا اضافہ ہوا۔ اور اسکی اہمیت بڑھ گئی۔

دس سال قبل تجارت برآمد کی کل قیمت کا اندازہ صرف ۲ ۳/۴ کرور روپیہ ہے۔ جنوری سنہ ۱۶ع سے جب سے کہ ہندوستان کے وسائل پورے طور پر جنگ مین کام آنے لگے اور جب سے گرانی کا سلسلہ شروع ہوکر ابھی تک ختم ہونے نہین آتا بائیس مہینو نمین ۱۱۲۰۰۰ من لاکھ وزارت اسلحہ کو گئی تھی۔ اسکی قیمت مقررہ تھی۔ ۸۲ ۱/۲-پونڈ فی من کی قیمت ۸۲ روپیہ تھی مندرجہ ذیل اعداد روپیہ ہین۔ اور برآمد شدہ مال کے ہین۔

سال	تیار شدہ لاکھ	غیر تیار شدہ لاکھ	میزان کل
۱۹۱۳-۱۴	۱۸۲،۸۵۰۰۰	۱۳۷۳۰۰۰	۱۹۶۵۸۰۰۰
۱۹۱۴-۱۵	۱۵۳،۶۲۰۰۰	۶،۹۶۰۰۰	۱۶۰۵۸۰۰۰
۱۹۱۵-۱۶	۱۶۰،۴۶۰۰۰	۱۱،۲۹۰۰۰	۱۷۱۸۵۰۰۰
۱۹۱۶-۱۷	۲۵۶،۹۹۰۰۰	۲۳،۳۳۰۰۰	۲۸۳۳۲۰۰۰
۱۹۱۷-۱۸	۳۶۲۳۹۰۰۰	۱۴۳۹۰۰۰	۳۷۷۷۸۰۰۰

اگر مندرجہ صدر پانچ برسون کا اوسط نکالا جائے تو اوسط برآمد ۲ کرور ۳ لاکھ روپیہ نکلتا ہے۔ اسکی تجارت کا نظام بہت سادہ ہے اور تقسیم کار و نقصانات کے عمدہ اصول پر مبنی ہے۔ لاکھ کے جمع کرنیوالے اسکو بنیون کے ہاتھ فروخت کرتے ہین۔ بنیا چھوٹے چھوٹے کارخانہ دارون کو مال بہم پہونچاتا ہے۔ یہ مال تیار کرکے دلالون کے ذریعہ برآمد کرنیوالے تاجرون کے ہاتھ فروخت کرتے ہین۔ سرمایہ جو اسمین لگا ہے مختلف درجونمین مختلف مالکون کا ہے۔ کلکتہ کے دلال چھوٹے چھوٹے کارخانہ دارون کو روپیہ پیشگی دیدیتے ہین اسطرح انکا کام چلتا ہے۔ لاکھ جمع کرنیوالون کو روپیہ بنیون سے پیشگی مل جاتا ہے۔ اسمین ایک نقص ہے اور وہ یہ ہے کہ اس نظام مین پیشگی روپیہ لینے والا۔ دینے والے کا ایک قسم کا

غلام ہو جاتا ہے۔ اسکو مال بازار کے نرخ سے کم داموں پر دینا پڑتا ہے اور اکثر شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ سوائے اسکے مال اور کسی دوسرے کو نہ دیا جائے۔ پہلی شرط کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ سود نہین لیا جاتا اسلیے اسکا عوض کمی نرخ مین نکلتا ہے مگر اسمین پیشگی لینے والے کا سراسر نقصان ہے۔ فرض کیجیے کسی نے سو روپیہ پیشگی لیے اور دوران سال مین اُسنے ۵۰۰ کا مال دیا۔ یہ مال فرض کیجیے ۲۵ من ہے لہذا قیمت بیس روپیہ فی من ہوئی۔ قیاس کہتا ہے کہ جب بیس روپیہ کا نرخ کاٹا گیا ہوگا تو بازار کا نرخ ۲۵ روپیہ فی من ضرور ہوگا۔ اسطرح سے اسکو پانچ روپیہ فی من کا گھاٹا ہوا۔ ۲۵ من پر ۱۲۵ روپیہ ہوئے اور سو روپیہ پیشگی لینے پر ۱۲۵ روپیہ کا نقصان ہوا۔ سو روپیہ کا سود ۱۲ فیصدی لگانے پر بھی پیشگی لینے والے کو ۱۱۳ روپیہ کا خالص فائدہ رہا۔ دوسری شرط ایک بندش ہے جس سے کارخانہ دار کو سخت نقصان پہونچ سکتا ہے۔ ایسی ہی بندشوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال کی پارچہ بافی کی صنعت کو ملیا میٹ کر دیا تھا جب نرخ ارزان ہوتا ہے تو کٹے ہوے نرخ سے بھی کم دام دیے جاتے ہین اور جب گران ہوتا ہے تو معہودہ نرخ پر بیچنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔ غرض روپیہ پیشگی دینے والا ہر طرح سے اپنا فائدہ نکالتا ہے۔

(لاکھ سے کیا کیا نکلتا ہے)

اول اول لاکھ محض رنگ کیلیے جو اس سے نکلتا ہے جمع کیجاتی تھی۔ لاکھ مین تین خاص چیزین ہوتی ہین۔

۱۔ لاکھی رال۔ یہ درختوں پر جمی ہوئی لاکھ کی سب سے اوپر کی پوشش ہے۔

۲۔ لاکھی موم۔ یہ لاکھ کے کیڑے کے اردگرد ہوتا ہے۔

۳۔ لاکھی رنگ۔ یہ کیڑے کے جسم کے اندر ہوتا ہے۔

یہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ لاکھ جو دیسی طریقہ پر بنائی جاتی ہے اسمین ایک یہی نقص ہوتا ہے کہ اسمین میل ہوتا ہے۔ یہ موم اور رال کی ملاوٹ ہے جسکے اوسط کا پتہ نہین ہوتا۔ چونکہ لاکھ مختلف کامون مین آتی ہے اور مختلف کامونمین لاکھی موم اور رال کے مختلف اوسط کے میل کی ضرورت ہوتی ہے اسلیے یہ ضرور ہے کہ ہر قسم کی رال کی نسبت یہ تحقیق ہو کہ اسمین

کتنا کتنا میں کس قسم کا ہے۔ موم تو بالکل نکالا ہی نہین جاتا اور اگر رنگ نکالا جاتا ہے تو اسمین موم۔ خالص رال اور کیڑے کے جسم کے ذرے اور گرد کی ملاوٹ ہوتی ہے۔

لاکھ سے جو رنگ نکلتا ہے وہ کل لال رنگون سے زیادہ شوخ اور گہرا لال رنگ ہے یہ کہا جاتا ہے کہ ابتک ہندوستان کے بعض حصو نمین یہ کامدار کملون اور ساریون کے رنگنے مین کام آتا ہے اور اسکو ولایتی سُرخ رنگ پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ فی الحال کل لاکھ کا رنگ جو نکلتا ہے پھینکدیا جاتا ہے۔ یہان پر اس بات پر توجہ دلانے کی ضرورت ہے کہ سائنس کے طریقون پر تحقیق ہوکر اسکی ترقی ہونا چاہیے کیونکہ اس سے لاکھ کی صنعت وتجارت کے فوائد بڑھ جائینگے اور ایک قدرتی رنگ اور سب سے بہتر سُرخ رنگ ہمارے کام آئیگا۔ یہ بات بتلانیکی چندان ضرورت نہین کہ قدرتی رنگون سے جسمانی اور دماغی فائدہ ہوتا ہے اور برخلاف اسکے مصنوعی رنگون سے نقصان ہوتا ہے۔ قدرتی رنگون کی خوشبو بھلی معلوم ہوتی ہے اور مصنوعی رنگون کی ناگوار۔ اسکے علاوہ جس عرق مین رنگ ہوتا ہے وہ کھاد کا عمدہ کام دیسکتا ہے اگر تازہ تازہ کھیتون مین چھوڑ دیا جائے کیونکہ اسمین نشروجن ہوتی ہے جو زمین کی زرخیزی کا ایک عنصر ہے۔ لیکن اگر یہ خشک کرکے کھاد کے کام مین لایا جائے تو اتنا عمدہ کام نہین کرتا جیسا کہ تازہ کیونکہ خشک ہونے پر اسمین سے فاسفورس کے اجزا جو زرخیزی کا ایک دوسرا عنصر ہے غائب ہوجاتے ہین۔ مگر رنگ کی ان ناتمام ترکیبون سے سہل طریقون سے مندرجۂ ذیل چیزین نکالنا ممکن ہے

۱۔ ایک قسم کی دوم درجہ کی وارنش۔

۲۔ موم جو مکھی کے موم کے مثل ہوتا ہے اور خوبی یہ کہ خواص اور قیمت مین بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔

۳۔ رنگ۔ یہ ریشم اور اون رنگنے کے بہت کام آسکتا ہے۔ اگر خالص بنایا جائے تو بہت کام کا ہے جیسا اوپر کہا گیا ہے ابھی تک یہ بالکل ضائع کردیا جاتا ہے۔ لاکھ کے تیار کرنے مین جو عرق بچتا ہے اسکو اگر تجربہ اور تحقیق سے باقاعدہ طریقون سے کام مین لایا جائے تو اوپر لکھی ہوئی تینون چیزین اس سے باآسانی نکل سکتی ہین۔ امید کیجاتی

ہے کہ یہ کام اگر ہاتھ مین لیا جاوے تو بہت ہی فائدہ مند ثابت ہوگا۔ اوپر کہین یہ ذکر کیا گیا ہے کہ خاص خاص چیزون کے بنانے مین لاکھ کے خاص مُرکبون کی ضرورت ہوتی ہو مثلاً

۱۔ ٹوپیون کے بنانے مین ایسی لاکھ کی ضرورت ہوتی ہے جسمین ایک خاص مناسبت سے رال اور گوند کا میل ہو تاکہ ضروری نرمی اور چپڑاپن لاکھ مین ہو۔

۲۔ گراموفون کے ریکارڈ تیار کرنے مین ایک قسم کی لاکھ کی ضرورت ہوتی ہے جو خواص مین مخصوص ہے

۳۔ لکڑی اور دھات پر پالش کیلیے لاکھ مین رال کا جز نہین ہونا چاہیے۔ اسکے واسطے خالص لاکھ کی وارنش کی ضرورت ہوتی ہے۔

۴۔ مہر کرنیکے لیے۔ کھلونے بنانے کیلیے اور آرٹ وغیرہ مین استعمال کیلیے ایک خاص قسم کے لاکھ کی ضرورت ہوتی ہے۔

۵۔ وارنش تیار کرنے کیلیے یہ بات بہت ضروری ہے کہ رنگ نہو۔ انگریزی طریقہ رنگ دور کرنے کا بلیچنگ پوڈر کے ذریعہ ہے (یہ پوڈر چونہ اور کلورین گیس کا مرکب ہے اور گرمی مین جلد خراب جاتا ہے) لیکن رنگ دور کرنے کا سب سے بہتر طریقہ جو ابھی تک معلوم ہے رہی ہے جو ہمارے دیسی کاریگر استعمال کرتے ہین یعنی لاکھ کو ہرتال اور گندھک کے ایک مرکب مین ملاکر گلاتے ہین۔

۶۔ وارنش کے علاوہ اور چیزونمین لاکھ کا رنگ کوئی ہرج نہین کرتا۔ مسئلہ کی اہمیت صرف اسمین ہے کہ رال اور موم کا اوسط مقرر ہو اور جس کام کیلیے ہو اس کام کیلیے لاکھ اسی مقررہ اوسط سے ترکیب دیجاوے۔

پس ظاہر ہوتا ہے کہ لاکھ کی صنعت وتجارت مین جس لائن پر ترقی ہونا چاہیے یہ ہو کہ لاکھ کے مختلف اسٹینڈرڈ یا درجے قایم کیے جائین جنکے مطابق لاکھ تیار ہوا کرے۔ اسکے لیے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔ پھر بھی اسکی مالی کامیابی اس بات پر منحصر ہوگی کہ شیلک کے نرخ کو قیام ہو۔ جیسا بتایا جا چکا ہے کہ فی الحال نرخ کو قیام اسوجہ سے نہین کہ اول تو اسکی پیداوار کے حالات نرخ کے قیام کے موافق نہین دویم تھوک فروش اسکا اسٹاک جمع کرکے اس سے

ناجائز منافع اُٹھانے کی فکر کرتے ہین۔ اگر سائنٹفک اصول پر کام کرنے سے پہلا سبب دور ہو تو دوسرے کے اسباب بھی مسدود ہو جائین گے اور ہندوستان کے ہاتھ مین ایک مفید چیز کا اجارہ رہے گا۔ اور چونکہ یہان الکوحل لامحدود تعداد مین تیار ہو سکتا ہے اسلیے اسکے متعلق صنعتون کو ہندوستان اپنے یہان جاری کرسکے گا۔ اور اگر باشندگان ملک ملکی اور غیر ملکی مال مین تفریق اور تشخیص کرسکین تو ہندوستان مین اس ضروری چیز کا اجارہ اور اس سے غیر معمولی منافع ہمیشہ قائم رہ سکتا ہے۔ اس غیر معمولی منافع کو حاصل کرنیکے لیے کچھ محنت و جانفشانی اور تحقیق اور تجسس کی ضرورت ہے اور اسکے لیے روپیہ درکار ہے۔ سرکاری کونسلو ن مین تجویز ہے کہ لاکھ کی برآمد پر محصول لگاکر اسکا محصول لاکھ کی انجمن کو جو ملک مین قائم ہے دیدیا جاے تاکہ یہ روپیہ اُسی طرح لاکھ کی ترقی مین لگایا جاے جسطرح چاے کی برآمد پر جو محصول ہے وہ چاے کی انجمن کے ذریعہ چاے کی ترقی مین لگایا جاتا ہے امید ہے کہ اس ترکیب سے یہ منصوبہ پورا ہوگا۔

اقبال بہادر سکسینہ

مہا مہو پادھیا ڈاکٹر ستیش چندر ودیا بھوشن پرنسپل سنسکرت کالج کلکتہ نے پچھلے سال کے اورینٹل کانفرنس کے سامنے ایک مضمون پڑھا جسمین اُنھون نے یہ دکھانے کی کوشش کی کہ ملک الشعرا کالیداس نے لنکا کے جنوب مین بمقام متالدا واقع دریاے کیرندی اور بحر ہند کے جاے اتصال پر ۶۴۲ء مین وفات پائی۔ لنکا کا راجہ کمار داس کالیداس کی تصنیف جانکی کرن کا ویہ پر ہزار جان سے فدا تھا۔ اپنے دوستانہ تعلقات اور احسانمندی کے اظہار مین ملک الشعرا کالیداس کے ساتھ اسی چتا مین جل مرا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ اور کالیداس ایک خاص زبان مین آپس مین مشاعرہ کیا کرتے تھے۔ اس زبان کو ہندوستان کے مختلف صوبون کے لوگ اور اہل لنکا دونون اپنے ساتھ منسوب کرتے ہین۔

میرابائی

(۱)

سرزمین راجپوتانہ کا چپہ چپہ تاریخ عالم کا ایک ورق ہے جسمین شجاعت اور دلیری کی بہترین یادگارین موجود ہین خصوصاً چتور کا نامور قلعہ اور اُسکی شاندار عمارتین آج تک زمانۂ ماضیہ کے حُسن و رعنائی، شجاعت و مردانگی حلم و بردباری کے غیر فانی مجمون سے معمور ہین۔ یہی وہ قلعہ تھا جسکو اکبر اعظم کی شمشیر خارا شگاف فتح نہ کر سکی۔ یہی وہ گڑھی تھی جسنے پہاڑونمین روپوش ہوکر ایک عرصۂ دراز تک اپنی خودمختاری اور آزادی قرار رکھی، اسی ریاست کے سورما بہادرون نے آزادی کی خاطر جو انسان کا پیدایشی حق ہے سیکڑون بار سر بکف ہوکر میدان جدال و قتال مین داد شجاعت دی اور علم خودمختاری کو سرنگون نہونے دیا۔ یہی وہ سرزمین حسن ہے جس کی پری تمثال ملکہ پدمنی نے شاہنشاہ علاء الدین خلجی کو ایک زمانہ تک مضطرب و بیچین رکھا، اور بالآخر قربانگہ وفا پر بھینٹ چڑھ گئی۔ یہی وہ مقدس اور مردم خیز خطہ ہے جسمین میرابائی جیسی نامور خاتون پیدا ہوئی، جو حسن و دلآویزی مین لاثانی تھی اور جسکے جمال و رعنائی نے اہل چتور کے قلوب کو مسخر کر لیا تھا۔

میرابائی کا نام نامی آجتک زبان زد خلائق ہے، چرواہے دوپہر کو درختون کے سایہ مین لیٹ کر آج بھی اسکے گیت گاتے ہین، پجاری کرشن جی کے روبرو دوزانو ہوکر آج بھی اسی کی بھجن الاپتے ہین۔ بڑے بڑے کلاونت جب دُھرپد مین نغمہ سرائی کرتے ہین، اور بزم نشاط مین اپنی صدائے نغمہ پرور سے سامعین کو محو و بناتے ہین تو میرابائی کے داستان رنگین سے فضائے آسمانی گونج اُٹھتی ہے۔ وہ میرابائی جسکی پاک روح صدق و صفا کا جوہر تھی، جو ہند کی ایک نامور شاعرہ اور ادیب تھی جو کرشن جی کے بھگتی مین سرتاپا غرق ہو چکی تھی۔

(۲)

چیت کا مہینہ ہے اور پورنماشی کا دن تڑکے ہی سے مہاراجہ چتور کا نامور اور قبول صورت راج کمار جسونت سنگھ اپنے محل کے بالائی منزل پر جلوہ افروز ہے، اور اسکی ناز آفرین اور خوبصورت رانی بھی اسکے پہلو مین رونق افروز ہے فطرت کی فیاضی نے دونون کو فنون لطیفہ مین یکتاے روزگار بنایا تھا، دونون شاعر تھے اور موسیقی کے ماہر، جسونت سنگھ اپنی شاعرانہ نازکخیالی اور شیوا بیانی مین مصروف رہا، لیکن میرا بائی نے اپنا طنبورہ ہاتھ مین لے لیا اور گھنٹون اپنی لحن داؤدی کا کرشمہ دکھاتی رہی، تمام کائنات پر چاندنی چٹک رہی تھی، ماہتاب ٹکٹکی باندھے اُسکے گلابی رخسارون پر نظر جمائے ہوے تھا اور ہوا اُسکی زلفون سے اٹکھیلیان کر رہی تھی۔ آخر جب اُس حسینہ کی نزاکت مزید نغمہ سرائی کی تاب نہ لاسکی تو اُسنے اپنا طنبورہ رکھدیا اور راجکمار کے آغوش الفت مین سر رکھکے بیہوش ہوگئی۔ آہ

نیند اُسکی ہے دماغ اُسکا ہے راتین اُسکی ہین
اسکی زلفین جسکے بازو پر پریشان ہوگئین

امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ دونون کے شاعرانہ انداز بیان مین نمایان فرق ہوگیا جسونت کے کلام مین رنگینی اور نفس پرستی جھلکنے لگی اور روز بروز اُسکا طمح نظر پست ہونے لگا یہان تک کہ تخت نصیب ہونے تک اُسکی شاعری بالکل ختم ہوگئی۔ اسکے برخلاف میرا بائی کے کلام مین تصوف اور روحانیت کا رنگ گہرا ہوگیا اور اُسکا طائر خیال اُن منازل تک پرواز کرنے لگا جہان انسانی فکر کی رسائی محال ہے۔ سری کرشن کی بھگتی نے اُسکے دل پر قبضہ کرلیا اُسنے بہت جلد محسوس کرلیا کہ کوئی فرد بھی اسوقت تک سچی خوشی حاصل نہین کرسکتا جب تک کہ سرچشمۂ محبت کا متلاشی نہو۔

مذہبی جوش حقیقی عشق اور صفائی قلب نے اُسکو دنیاوی مکروہات سے آزاد کردیا، وہ خانگی فرائض، دنیوی افکار اور ظاہری آرائش سے بھی بے نیاز ہوگئی۔ صبح کے وقت وہ گھنٹون اپنی سہیلیون کے ہمراہ محل کے حسین باغ کے کنجون مین بھجن گاتی اور گوبندجی کے مقدس دربار مین اپنی بلورین پیشانی فرط محبت سے رگڑتی، اُسکی شاعرانہ سحر طرازی کا ڈنکا

ایک عالم مین بج چکا تھا، موسیقی کے ساتھ ساتھ اسکی آواز مین بھی وہ سوز وگداز پیدا ہوگیا تھا کہ سننے والے ازخود رفتہ ہوجاتے تھے اور وہ خود بھی گاتے گاتے بیہوش ہوجاتی تھی۔

آخر یہ مقدس ہستی کب تک چتور کے قلعہ مین مقید رہ سکتی تھی جس سینے مین عشق کی آگ دہک چکی ہو اُسے کوئی چیز بھی ٹھنڈا نہین کرسکتی، چنانچہ وہ سری کرشن کے آستانۂ اقدس پر پہونچگئی جہان وہ اپنے بھگتی مین ڈوبے ہوئے راگ گاتی اور بیہوش ہوجاتی، پتھر اُسکے نغمے سنتے اور پگھل جاتے، ندی اُسکے بھجن سے متاثر ہوکر اپنی روانی بند کردیتی، طیور اس کی جادو بیانی سنکر مُرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے اور ایک دنیا اُسکی نغمہ سرائی سے نشۂ بیخودی مین سرشار و مدہوش ہوجاتی۔

(۳)

میرا بائی کی شہرت شدہ شدہ اکبر فرمانروا ے دہلی تک پہونچی، وہ خود بھی شاعر تھا چنانچہ اُسنے اُس مطربۂ حقیقت کے نغمے سُننے کا مصمم ارادہ کرلیا، تان سین کے ہمراہ ایک دیہاتی پجاری کے لباس مین تن تنہا اسکی طرف چل کھڑا ہوا، اور چند روز بعد اُس مندر مین پہونچا جو میرا بائی کی جادو نظری اور لحن داودی کی وجہ سے ایک محشرستان تمنا تھا، اُسنے اُس حُسن کی دیوی کی زیارت کی، اُسکے بھجن سُنے، اور فرط نیاز سے اُسکے قدمون پر گر پڑا، حصول نجات کی تدبیر دریافت کی اور ایک مالا پیش کرکے بولا۔

"مقدس دیوی اپنے معشوق حقیقی کے واسطے یہ حقیر نذر قبول کر"

میرا بائی نے مالا دیکھا۔ اکبر پر نظر ڈالی، اور کہنے لگی۔

آپ تو دیہاتی فقیر معلوم ہوتے ہین۔ ایسی نایاب چیز آپکو کہان سے ملی؟

اکبر نے جواب دیا کہ جمناجی مین اشنان کرتے ہوئے مجھے یہ مالا ملا ہے"

میرا بائی نے شکریہ ادا کیا، اور دونون جاتری دہلی واپس آگئے۔

مالا نہایت قیمتی اور نفیس تھا، سیکڑون آدمی کرشن جی کی مورت پر اُس جواہرات کے مالے کی دیدہ زیبی دیکھنے دور دور سے آنے لگے، حتی کہ جسونت کو بھی اسکی خبر ہوئی، جاسوسون سے

معلوم ہو گیا کہ یہ مالا اکبر کے خزانۂ عامرہ مین تھا، اور شاہان مغلیہ اسکو بہت عزیز رکھتے تھے دونون جاتریون کا سراغ لگانیکے بعد مہاراجہ جسونت سنگھ کو یقین ہو گیا کہ اکبر اعظم نے میرا بائی کو بے حجاب دیکھ لیا ہے وہ سمجھا کہ میرا نے میواڑ کے عالی خاندان پر کلنگ کا ٹیکہ لگایا، چنانچہ فوراً اُسکے قتل کا حکم جاری کر دیا لیکن کوئی جلاد تعمیل حکم پر آمادہ نہوا اور ریاست کے تمام افسر بھی عذر خواہ ہوے۔ آخر الامر رانی کے پاس حکم بھیجا گیا کہ تم اپنی جان سے دست بردار ہو جاؤ۔

میرا بائی پوجا پاٹ سے واپس ہو رہی تھی، اُسنے اس حکمنامہ کو پڑھکر قاصد سے دریافت کیا، کہ

"کیا مین آخری مرتبہ اپنے آقا کا درشن کر سکتی ہون؟" قاصد نے جواب دیا کہ مہاراجہ تمکو اسکی اجازت نہ دینگے، اور ہندو دھرم مین عورت کیلیے اپنے شوہر کا حکم ماننا ضروری ہے

(۴)
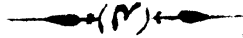
رات کے بارہ بج چکے ہین، تمام دنیا ہو کا عالم بنی ہوئی ہے۔ فضائے عالم محو خواب ہے آسمان و زمین بھی سو رہے ہین، دریا کی موجین بھی آغوش سکون مین ہین، ہر طرف ایک سناٹا چھایا ہوا ہے، ایک حسینہ لب دریا کھڑی ہے اور دبی آواز سے کچھ گا رہی ہے جس سے ہوا مین رہ رہ کے خفیف سا تموج پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اُسنے "سری کرشن" کا نام باواز بلند لیا اور "آقا تیرا حکم مانتی ہون" کہکر تاریک موجون مین کود پڑی، ایک ہولناک آواز نے ہوا مین حرکت پیدا کر دی اور بس،

یہ وہی دُنیا کی قابل رشک عورت میرا بائی تھی جسکی پاک مذہبی جوش نے اسکو بے چون و چرا اپنے شوہر کا حکم ماننے پر مجبور کر دیا۔ مغربی تہذیب و تمدن کی کوئی تاریخ اس وفاشعاری اور اطاعت پسندی کی مثال نہین پیش کر سکتی۔ یورپ و امریکہ بیشک دولت و صنعت کے سرچشمے ہین لیکن مادر ہند کی وفاشعار لڑکیان شوہر پرستی اور اطاعت گزاری مین ضرب المثل ہین، اسی سرزمین مین بڑی بڑی باوقار مستورات نے اپنے شوہر کی وفات پر عین عالم شباب مین اپنی شمع حیات کو بالقصد گل کر دیا ہے، اور انتہائی دلیری و شجاعت کی داد دیکر دنیا کو

بتادیا ہے کہ ہند کی دیویان وفاداری مین اپنا جواب نہین رکھتین۔

میرا بائی کو دریا مین کودتے ہی ایک حسین، درخشان سفید پوش فرشتہ نظر پڑا جس نے اسکو تعظیماً گود مین اُٹھا لیا اور محبت سے کہا۔

"میرا! تونے اپنے آقا کا کہنا مانا، اور اپنے آپ کو ہلاکت مین ڈالا، لیکن ابھی تجھکو ایک اہم فرض انجام دینا ہے اُٹھ کھڑی ہو، جا، اور دنیا کو عشق حقیقی کا سبق دے۔

میرا نے آنکھ کھولی تو دن تھا، وہ ساحل دریا پر پڑی تھی، آفتاب کی تیز کرنین اُس پر پڑ رہی تھین، وہ اٹھی اور آہستہ آہستہ چل کھڑی ہوئی۔ سر راہ اسکو چند چرواہے ملے اُسنے پوچھا۔

"بھائیو! بندرابن کا راستہ کونسا ہے؟"

راستے مین اُسنے اپنے دلی جوش کو پردۂ موسیقی مین ظاہر کرنا شروع کیا اور اپنے شیرین نغمون سے راہ مین آنیوالے دیہاتیون کو محبت وعشق سے لبریز کرتی چلی۔ مردون نے اپنے کام چھوڑ دیے، عورتون نے اپنی دلچسپیون کو خیرباد کہا، بچون نے مان باپ سے رخصت طلب کی اور اُس نغمہ آفرین جوگن کے ہمراہ سرگرم سفر ہوے، حتی کہ عشق الٰہی کا یہ متوالا قافلہ بڑے سوز وگداز کے ساتھ بندرابن مین پہونچ گیا۔

یہ مسرت آمیز خبر فوراً کل ملک مین پھیل گئی، چتور کی آبادی کا ایک حصہ بھی اس کی پرستش کے واسطے بندرابن پہونچا، اب وہ ایک طاقتور وبااختیار مہارانی کے بجاے ایک جوگن تھی جسکی پوشاک بوسیدہ، جسکی زلفین پریشان اور جسکے ہاتھ مین کشکول محبت تھا، لیکن اب وہ سلطنت عشق کی تنہا ملکہ تھی جو چتور کی ریاست سے وسیع تر ہے اور جسکے بغیر نجات واربن حاصل کرنا ناممکن ہے۔

زمانہ گزر گیا، میرا بائی کے عقیدت کیش وسچے پرستار جوق جوق ملک کے ہر گوشہ سے بندرابن پہونچتے، اور جام محبت پی کر سرشار واپس ہوتے، وہ ملکۂ حسن جو کسی زمانہ مین بہ ہزار ناز وعشوہ گری چتور کے حریم ناز مین ایک گل نوشگفتہ کی طرح کھلی تھی آج سقف آسمانی کے نیچے درختون کے سایہ مین بندرابن کی سخت چٹانون پر سادہ بباس

مین دست مشاطہ سے مستغنی، کنیزون اور سہیلیون سے جدا۔ سری کرشن جی کے سایۂ عاطفت مین سبیل عشق سے طالبان خدا کو شراب معرفت پلا رہی ہے - وہ میرا بائی جو جسونت سنگھ کی آغوش محبت مین اپنی راتین گذارتی تھی ،، اور جو کل ریاست چتور کی یہ ناز محبوبہ تھی آج سنسان جنگل مین ایک پجاری کے لباس مین مصروف نماز عشق ہے ، اہل دنیا کے قلوب پر اسکی حکومت کا نقش جما ہوا ہے ہمالیہ پربت سے لیکر بندھیاچل تک اِدھر گنگا جی سے لیکر سندھ تک لوگون کے دلون مین اُسکے پوتر بھجنون کا سکہ بیٹھا ہوا ہی۔

مندر کی سیڑھیون پر یہ خاتون خاموش بیٹھی ہوئی کچھ بچار کر رہی ہے ۔ میواڑ کا مغرور اور زبردست مہاراجہ تبدیل لباس کیے ہوے اُسکے روبرو آتا ہے اور فرط محبت سے اُسکے قدمون پر گر کر زار زار رونے لگتا ہے ، مہارانا نے بھرائی ہوئی آواز مین کہا ۔

"مین بھکاری ہون ، مجھے بھیک دے ،،

میرا نے جواب دیا کہ مین خود جوگن ہون ، تو کسی امیر کے پاس جا ،،

مہارانا بولا " مجھے تو تو ہی بھیک دے سکتی ہے ،،

"مین کیا دے سکتی ہون ،،

"عفو ، معافی ، رحم ،،

"ہاے رانا ،، یہ کہکر وہ اُسکے آغوش محبت مین گر پڑی اور بیہوش ہوگئی ۔

ماخوذ از انگریزی تماشائی بریلوی

مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی حضرت اکبر الہ آبادی کے سوانح عمری مرتب کرنے کا اعلان فرما چکے ہین - اور پانی پت مین بھی کوئی صاحب اسی قسم کی سعی فرما رہے ہین ۔

منشی سکھدیال سکسینہ ریش

ایم-اے-ایل-ایل-بی

بس دیکھ لی تری یہ فسردگی حیات
لائی تھی کس فریب سے دُنیا مین کھینچکر　(ریش)

انسان کو ضعیف البنیان کہتے ہین - زندگی کو حباب سے تشبیہ دی جاتی ہے - اس دار فانی کے قیام کو حیات عارضی زیست چند روزہ ہستی موہوم کے نام سے پکارتے ہین، عمر کی بے ثباتی اور بے اعتباری زبان زد عام ہے لیکن خدا وہ برا وقت دشمن کو بھی نہ دکھلائے جب موت ان مختصر جملون کی مہیب اور حسرتناک واقعیت کی مجسم تصویر پردہ جوانمرگی مین انسان کو جبراً دکھاتی ہے - قسام ازل نے ۱۶- اگست سنہ ۱۹۲۱ع کا دن ہملوگون کے لیے بھی ایسا ہی بنا دیا تھا - اس روز قضا و قدر کی درازدستی نے والدین سے جوان العمر - لائق و فائق لخت جگر کو، مجھ سے میرے چھوٹے عزیز بھائی کو، اور خاندان سے ایک ایسے ممبر کو جسکی ذات پر سب کو ناز و فخر تھا، ہمیشہ کے لیے چھین لیا - ۸- جون کو مرحوم ریاست ادھار سے جہان وہ سشن جج تھے بیس روز کی رخصت لیکر اس خیال سے بھوپال آئے تھے کہ بوجہ کثرت کار کچھ روز سے طبیعت مضمحل رہتی ہے اور مکان پر چندے سکون اور آرام کے ساتھ قیام کرنے سے اسکی اصلاح ہوجائیگی لیکن مشیت ایزدی یہ تھی کہ اس مرتبہ یہان آکر پھر ان کو واپس جانا نصیب ہوا - اور گھر والون کو بھی انکی مفارقت دائمی کا صدمۂ جانکاہ برداشت کرنا پڑا - ۱۰ جون سے مرحوم کو بخار آنے لگا جو آخر وقت تک روزمرہ آتا رہا - اسی اثنا مین مرض بواسیر نے بھی زور پکڑا جسکی شکایت مرحوم کو سال ڈیڑھ سال سے ہوگئی تھی - انھین عوارض مین مرحوم نے ۱۶- اگست کو صبح آٹھ بجے اس دنیائے فانی کو خیرباد کہا - مرحوم کا ایک شعر اس اندوہناک اور پُرحسرت واقعہ کا کیسا سچا مرقع ہے -

آئے تھے ترے کوچہ مین بچنے کو مرگ سے
یان آکے جو دیکھا تو اجل ڈھونڈھ رہی ہی

اُستاد ازل نے مرحوم کی زبان سے یہ شعر نہین کہلایا بلکہ ایک پیش آنیوالے وقوعہ کو بارہ پندرہ سال پیشتر ہی قلمبند کرادیا۔

عزیز مرحوم دسمبر ۱۸۸۸ء مین پیدا ہوے تھے ابتدائی تعلیم دو ڈھائی سال تک والد صاحب مدظلہ نے خود دی۔ اسکے بعد وہ مدرسہ مین داخل ہوے اور برابر کامیاب ہوتے رہے۔ ۲۲ سال کی عمر مین ایم۔اے اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کرکے فارغ التحصیل ہوگئے۔ خاندان مین یہ پہلے شخص تھے جنکو یہ فضیلت علمی حاصل ہوئی۔ تیزی طبع اور ذہانت عالم طفولیت ہی سے نمایان تھی۔ بڑے ہوکر خیالات کی بلندی اور نگاہ کی وسعت نے قوت فہم و ادراک کو اور بھی تیز کردیا تھا اسکے ساتھ تندرستی۔ روشن دماغی۔ تحمل۔ مستقل مزاجی یکسوئی بھی مرحوم کے پاک سرشت مین داخل تھی اور مبدا ر فیاض سے یہ صفات خاص طور پر انکو عطا ہوئی تھین جنسے نہ صرف حصول تعلیم مین وہ ہمیشہ فائز المرام رہے بلکہ جس مشغلہ اور کام مین اُنھون نے ہاتھ ڈالا بہت جلد اُسمین بلا کسی کی امداد کے کافی دسترس اور خاص قابلیت پیدا کرلی۔ شاعری کا مادہ فطرت ہی کا عطیہ تھا فوٹو گرافی بلا کسی کی امداد کے خود ہی سیکھ لی اور ڈرائنگ اور خوشخطی مین کافی مہارت حاصل کرلی تھی غرض مرحوم علوم متداولہ کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔

مرحوم کی حیات چندروزہ مین ۱۹۰۴ء سے ۱۹۰۹ء تک کا زمانہ خاص طور پر قابل ذکر ہے زیادہ تر یہی وقت انکے دل و دماغ کی نشو ونما اور ترقی کا تھا۔ ایک طرف طالبعلمی کے مراحل بکامیابی طے ہورہے تھے دوسری طرف دیگر مشاغل علمی بھی ترقی پارہے تھے اُردو فارسی شعرا کا کلام اُنھون نے اسی زمانہ مین دیکھا۔ انگریزی علم ادب کی صدہا کتابین پڑھ ڈالین شکسپیر اور ملٹن کی تصانیف کا مطالعہ انٹرینس اور ایف اے کی تعلیم کے ساتھ فرصت کیوقت روزانہ کرتے رہے۔ ان تصانیف کو اس توجہ سے اُنھون نے پڑھا ہے کہ اکثر جگہ توارد خیالات دکھلانے کی غرض سے اُردو فارسی سخنورون کے اشعار لکھدیے گئے ہین۔ اسی انہماک

دماغی مین شعرگوئی کا شوق بھی داخل تھا یون تو مرحوم کی فکر رسا بچپن ہی سے فن شعر کی دلدادہ
تھی لیکن اس پانچ چھ سال کے عرصہ مین شاعرانہ رنگ اُنکی طبیعت پر خوب غالب آگیا اور
انگریزی فارسی اُردو تینون زبانون مین اپنے خیالات نظم کرنے لگے ۱۹۰۹ء کے بعد ۱۹۱۸ء
تک شاعری کا وہ زور شور نہ رہا اس زمانہ کا کلام بھی ہے گر بہت کم "کملایا ہوا پھول"، نامی
نظم جو رسالہ ادیب کی جلد ۱ مین نکل چکی ہے ۱۹۱۱ء مین مرتب ہوئی تھی - مولانا شوق قدوائی
کی مشہور نظم "عالم خیال کے چار رُخ"، ان دونون مختلف رسالہ جات مین شایع ہوکر مرحوم کی اور
میری نظر سے گذری تھی - مجھے یہ انداز بیان اور وزن خاص طور پر پسند آیا تھا چنانچہ مین نے
مرحوم سے اس طرز پر لکھنے کو کہا اور آنھون نے نظم مذکورہ لکھکر بمسرت میری فرمایش پوری
کی - بی - اے - مین فلسفہ لینے کی وجہ سے فلسفیانہ مضامین کے مطالعہ اور آنپر بحث ومباحثہ
مین وہ خاص دلچسپی کا اظہار کرنے لگے تھے - جن دنون والد بزرگوار ریاست جاورہ
مین اکونٹنٹ جنرل تھے آخر اصحاب مذاق علمی رکھنے والے غریب خانہ پر مہمان ہوتے تھے
اسوقت پنڈت صاحبان سے روح اور آتما پر فلسفیانہ بحثین اور فن سخن کے دلدادگان سے
شاعرانہ چرچے رہتے تھے اور ان مباحثون مین مرحوم کا خاص حصہ ہوتا تھا - ۱۹۱۲ء سے اسطرف
مشاغل علمی کا جوش بہت ٹھنڈا پڑگیا تھا - تفکرات دنیوی - ملازمت کی ذمہ داری - ادائے
فرض کا احساس اور نقص صحت اِن باتون نے طبیعت سے وہ ذوق وشوق شگفتگی اور
خوش فکری چھین لی تھی جو شاعری اور مذاق علمی قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے - لیکن
انگریزی علم ادب اور فارسی کی کتب جنکا اُنکو ابتدا سے شوق تھا اب بھی کبھی کبھی بوقت
فرصت زیر مطالعہ رہا کرتی تھین -

اُردو فارسی مین مرحوم نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے - انگریزی مین بھی
آنھون نے نظمین لکھی ہین اگرچہ مرحوم نے کسی اُستاد سے باقاعدہ اصلاح نہ لی اور ممکن ہو
کہ کلام مین لغزشین بھی موجود ہون لیکن وہ اپنی جولانی طبع اور ذہن رسا کے باعث کسی
زمین مین کسی وزن پر شعر کہنے مین کبھی رُکتے نہ تھے - زمانہ تعلیم اور ملازمت مین جب کبھی
وہ گھبراتے رات کو کھانا کھانیکے بعد شعر وسخن کا چرچا رہتا - بعض اوقات اُنکی طبیعت اسقدر

موزون ہوتی تھی کہ شعر پر شعر کہتے جاتے تھے۔ کبھی کبھی ہندی کے بھجن۔ سورٹھا اور کنڈلیا کہتے تھے جنمین اکثر فلسفیانہ نکات کی چاشنی ہوا کرتی تھی۔ افسوس یہ کلام کبھی لکھا نہین گیا اُسوقت یہ تمام باتین صرف وقت کی خوش گذرانی کا ذریعہ تھین۔

مرحوم نے ابتداءً اپنا تخلص طالب رکھا پھر حزین لکھنے لگے۔ بالآخر ریش تخلص اختیار کیا اور اپنے آپ کو اکثر "ریش درویش" لکھا کرتے تھے۔

مرحوم کا جسقدر کلام اُردو فارسی کا موجود ہے وہ زیادہ تر غزلیات پر مشتمل ہے لیکن اُسمین متعدد نظمین از قسم قصیدہ۔ مثنوی۔ رباعیات۔ قطعات وغیرہ بھی ہین۔ اُردو مین میر اور غالب کا کلام خاص طور پر اُنھین پسند تھا۔ فارسی مین امیر خسروؒ کے زیادہ دلدادہ تھے چنانچہ مرحوم کی شاعری مین انھین اصحاب کا رنگ غالب ہے۔ زندگی کی بے اعتباری پر بھی متعدد اشعار موجود ہین۔ جس سے قیاس ہوتا ہے کہ اُنکی طبیعت اس ناوقت انجام کا اثر مدت سے قبول کیے ہوئے تھی۔ شکسپیر کی نظم "وینس اینڈ اڈونس" کو مرحوم نے مثنوی کا جامہ پہنانا چاہا تھا۔ مگر یہ کام ناتمام رہا دیگر انگریزی نظمون کے ترجمے کا بھی یہی حال ہے۔ ان باتون سے اس امر کا تو اندازہ ہوتا ہے کہ مرحوم کو شاعری کی نگاہ اور طبیعت فطرت ہی سے ملی تھی اور شاعرانہ تخیلات وجذبات کے لیے اُنکا دل ودماغ کسی بیرونی تحریک یا کشش کا محتاج نہ تھا لیکن بڑا قلق یہ ہے کہ موت نے اُنکی عمر کا قبل از وقت خاتمہ کر دیا اور اُنکو اسقدر مہلت نہ دی کہ اس عطیۂ قدرت سے کوئی قابل قدر ادبی خدمت ملک وزبان کی بجالاتے جسکی اُنسے پوری توقع تھی۔ مرحوم کا قصد اُردو مین "اُصول قانون" پر ایک کتاب لکھنے کا تھا وہ بھی پورا نہو سکا۔ جین آسٹن کے مشہور ناول "پرائڈ اینڈ پری جوڈس" کا اُردو ترجمہ شروع کیا گیا تھا مگر وہ بھی نامکمل رہا۔ افسوس! مرگ بے ہنگام نے اُنکی بہت سی نیک کوششین اور خواہشین پوری نہ ہونے دین۔

فارغ التحصیل ہوکر مرحوم نے کچھ دنون وکالت کی لیکن طبیعت اس پیشہ کی ابتدائی زحمتین اور چھوٹے پیسے جدوجہد کی تاب نہ لا سکی لہذا ترک وکالت کرکے وہ ملازمت مین داخل ہوئے۔ قریباً پانچ سال تک ریاست عالیہ راجپور مین جج رہے اور اسکے بعد نومبر ۱۹۱۲ء

سے ریاست دھار مین سشن جج ہوگئے اور آخر وقت تک اسی عہدہ پر مامور تھے یہ عہدہ اور کام اُنھین طبعاً بہت پسند تھا۔ بڑی دلچسپی اور توجہ کے ساتھ اسکو انجام دیتے تھے اور عدل و انصاف کے ساتھ مقدمات کا فیصلہ کرنیکے بعد آپکی طبیعت بڑی بشاش ہوتی تھی۔ فریقین کی جانب سے مقدمہ مین بحث و تردید کو نہایت صبر کے ساتھ سُنتے اور لکھتے رہتے جو جتنا کہنا چاہتا اُسکو اتنا موقعہ دیتے اور ضروری امور کا انکشاف اگر فریقین بھول جاتے توخود کراتے تاکہ انصاف کرنے مین کوئی دقیقہ باقی نہ رہ جائے۔ دفتر کا تمام وقت اسی کام کے نذر ہوجاتا تھا اسوجہ سے فیصلے وہ بالعموم مکان پر پورے اطمینان کے ساتھ لکھتے تھے۔ ادائے فرض اور انصاف کا خیال اُنپر اتنا حاوی تھا کہ وہ اپنی تندرستی کی بھی پروا نہ کرتے تھے اور جسمانی تکلیف بھی اس کام مین مصروف ہوجانے سے باز نہ رکھ سکتی تھی اکثر دیکھا گیا کہ ۱۰۰ یا ۱۰۱ درجہ کا بخار ہے اور وہ فرش پر دوزانو بیٹھے ہوے فیصلہ لکھ رہے ہین۔ سرکار والی راجپور ازراہ کرم اکثر کلب مین آنے اور کھیلنے کی تاکید فرماتے لیکن مرحوم کی جانب سے ہمیشہ کثرت کار کا عذر پیش ہوتا۔ اُنکا خیال اور عمل یہ تھا کہ کام اس قابلیت اور ایمانداری کے ساتھ انجام دینا چاہیے کہ حق کی دادرسی بطرز احسن ہوجاے۔ دھار مین بھی یہی ! طریق کار رہا، گو اس طرز عمل کے اعتدال سے تجاوز کرجانے کا اثر خود اُنپر یہ پڑا کہ انکی تندرستی خراب ہوگئی لیکن جس خیال سے یہ نوبت پہونچی تھی اُسمین اُنکو کامیابی ہوئی دونون جگہ حکام بالاتر اُنسے خوش اور مطمئن رہے اور رعایا مین توقع سے زیادہ ہردلعزیز ہوے۔ اور ایسی ہی خدمت بجالانا آپکی تمنا بھی تھی۔ علی راجپور سے اُنکے قطع تعلق کرلینے کا وہان کے لوگون کو بڑا افسوس رہا۔ آپکی اُنس و محبت کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہوتا ہے کہ علی راجپور کا جب کوئی شخص دھار جاتا تو اُنسے ضرور ملتا۔ ریاستون مین رشوت کا بازار اکثر گرم رہتا ہے، لیکن بعض افسر اس قاعدۂ کلیہ سے مستثنےٰ ہین۔ مرحوم کی احتیاط اس معاملہ مین انتہائی درجہ پر پہونچی ہوئی تھی۔ رشوت کا کیا ذکر کسی کی ڈالی یا تحفہ بھی کبھی قبول نہ کرتے تھے۔ مرحوم کا یہ بے لوث چلن اور منصفانہ روش اور اسکے ساتھ ادائے فرائض کی پوری اہمیت ہی اُنکی کامیابی کا راز تھی

اور انھین باتون نے انکو اپنے آقا اور خلق خدا کے سامنے ہمیشہ سرخرو رکھا اور کبھی کسی کو انکے طرز عمل پر حرف گیری یا انگشت نمائی کا موقع نہ ملا۔

اگرچہ مرحوم زمانۂ حال کے تعلیمیافتہ نوجوانون مین سے نھے لیکن انکا طرز معاش بالکل ہندوستانی طریق کا اور سادہ تھا۔ شارٹ اور کوٹ اور پتلون انھون نے کبھی نہین پہنا۔ پان اور سگرٹ کا اگرچہ بکثرت استعمال کرتے تھے لیکن اوقات دفتر مین اُسنے قطعی پرہیز رہتا۔ راستبازی اور ظاہر و باطن کا ایک ہونا انکی طبیعت کا خاصہ تھا اور اسوجہ سے وہ صاف گو بھی تھے جس بات کو وہ خود حق سمجھتے خواہ کسی کو کتنا ہی بُرا معلوم ہوتا اُسے بے باک ہوکر کہدیتے۔ توکّل اور استغنا بھی مزاج مین بیحد تھا۔ ملازمت کے ملنے اور ملنے پر اسکے قائم رکھنے اور آیندہ ترقی کے لیے ریاستون مین بالخصوص جو جد وجہد کرنا پڑتی ہے اُسمین انھون نے کبھی حصہ نہین لیا اور نہ کسی کی خوشامد اور چاپلوسی کی۔ بزرگون اور احباب کی ملاقات مین ادب و اخلاق کا ہمیشہ پاس رکھتے تھے۔ ذاتی شہرت اور ناموری سے وہ بہت دور بھاگتے تھے یہی سبب ہے کہ انھون نے کبھی اپنا کلام یا کوئی مضمون کسی رسالہ کو چھپنے کی غرض سے نہین بھیجا۔ ادیب کو جو انڈین پریس الہ آباد سے نکلتا تھا ایک نظم "کمال حسن" اور دوسری "کملایا ہوا پھول" میرے سخت اصرار پر ارسال کی تھین۔

مرحوم سناتن دھرم اور ویدانتی خیالات کے تھے اور اپنی آزاد خیالی بلند نظری اور خوش اعتقادی کے باعث ہر قوم اور ملت کے رہنمایان دین کی توقیر و عزت کرتے تھے زمانہ عدالت مین اگرچہ بخار کے تسلسل اور بواسیر نے جسم کو لاغر و نحیف کر دیا تھا لیکن اپنے آچار و وچار کا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ صبر و برداشت کی یہ حالت تھی کہ نشست و برخاست مین مُنھ سے اُف نہ نکالتے تھے نہ کسی کی امداد کے طالب ہوتے تھے۔ ایام بیماری مین یہ شعر اکثر اُنکے ورد زبان رہتا تھا۔ ؎

گر ہمہ عالم بہم آید بجنگ   بہ نہ شود پاے یکے مور لنگ

اس سے عیان ہے کہ قدرت کبریائی کا مرحوم کے دل پر آخری ایام مین کتنا اثر تھا اور وہ کس درجہ راضی بہ رضا تھے۔ مرنے سے چند گھنٹے پیشتر مرحوم نے دنیا کی بے ثباتی پر جو

اظہار خیال کیا وہ کبھی فراموش نہین ہوسکتا۔ مرحوم کو دم واپسین تک ہوش رہا انکے اخری الفاظ "اوم تت ست" تھے اوراسکے بعد وہ پرم پتر تما جو قید جسمانی سے بیزار وطالب نجات تھی۔ راہی ملک بقا ہوئی۔

کل تک مرحوم گھر کی روح رواں بنے ہوے تھے صدہا امیدین انکی ذات سے وابستہ تھین۔ خود اُنکے دل مین آیندہ ترقی کے بے شمار ولولے جوش زن تھے آج وہ اجل کا شکار ہوگئے اور پس ماندگان کو ہمیشہ کے لیے مبتلاے حزن وملال چھوڑ گئے۔ موت نے آن کی آن مین تمام آرزوون کا خون کر دیا۔ بقول مرحوم

ابھی اے مرگ تو نے کر دیا زیر زمین مجھکو
ابھی تھا دوستو نمین مین بزیر آسمان بیٹھا

ذیل مین مرحوم کے کلام کا کچھ انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ قصد ہے کہ ذخیرہ موجود کو کتاب کی صورت مین شایع کرایا جائے کیونکہ بجز اس کلام کے مرحوم نے اپنی کوئی یادگار نہین چھوڑی۔

نام تو چھوڑ گئے اپنا ہما و عنقا
ہم وہ معدوم ہوے نام ونشان کچھ بھی نہین (ریش)

رُباعی

سہل اُسکا زبس وصال اے دل نکلا | آسان۔ سمجھے تھے جسکو مشکل۔ نکلا
عالم مین تلاش کرتے پھرتے تھے عبث | پہلو اپنا ہی اس کی منزل نکلا

ہم ہین سراپا شکل غم صورت رنج سر بسر | بزم عیش و نشاط مین کوئی ہمین بلاے کیون
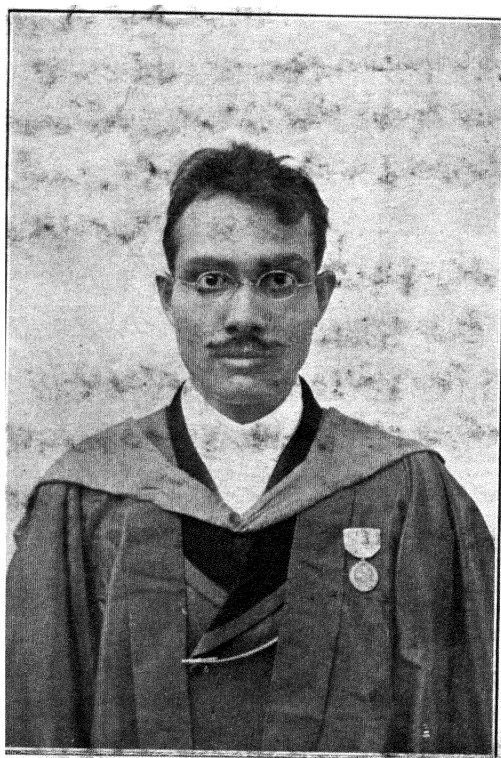
منشی سُکھدیال سکسینہ ''ریشر'' ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی

تھی عمر کہ تھا قدم صبا کا یا شعبدہ پیرِ پارسا کا

جب کچھ نہ تھا تو طالبِ رختِ وجود تھا انسان کو ازل سے خیالِ نمود تھا
مذہب کو جانتا تھا جہان مین پر اسقدر اِک حلقۂ کمندِ رسوم و قیود تھا

یارون کو پاس خاطرِ آشفتہ ہے مگر کہتے ہین جنون کو خرد افزا مرے آگے

ہوتی ہے ترے چہرہ سے عید کی صبح آشکار ابرو کی ہے ترے کشش جلوۂ ماہ نو نہین

نے چارہ نے علاج کا منت کشیدہ ہون صد گونہ اپنے درد سے مین آرمیدہ ہون
کسطرح رکھون جادۂ مقصود پر قدم صد خارِ غم بپائے تمنا خلیدہ ہون

جوانی وائے غم سنتے تھے عہدِ انبساط دل یہ گزرا بھی اور ہم کہتے تھے اب آیا اور اب آیا

صبا یہ پھرتی ہے آوارہ اک زمانہ سے مگر نہ نقش قدم کا ترے نشان ملا

واعظا جام مئے عشق سمجھنا نہ حرام یہ وہ آئینہ ہے دیکھو تو حقیقت کھلجائے

بہار عمر کا کیا جانین کیا فسانہ ہے بشاخ بیخبری اپنا آشیانہ ہے

رخصت اے خضر کہ گم گشتگی ہو منزلِ عشق رہنمائی کے لیے مل گیا عنقا ہمکو

میانِ راہ ہستی مین بسانِ کاروان بیٹھا لگی تھی فکر منزل کی اُٹھا وان سے جہان بیٹھا
پسندِ خاطرِ آزادہ رو۔ کیا رسم پابندی ٹھکانا خاص کیا میرا یہان بیٹھا وہان بیٹھا
سبک سر ہو کے مت چلنا کہین اے صرصرِ دوران کہ اس وادی مین بھی دیوانہ ہو اک سرگران بیٹھا
خبر اتنی نہین - آہو نہین - صحرا نہین یان پر یہ باتین کر رہا ہو ریش تو کس سے کہان بیٹھا

اے چمن کس کا قلم مائل گلکاری ہے بوٹہ بوٹہ کو جو حاصل یہ طرحداری ہی
نغمہ آرائی رامش گر و بربر سمت گویا خود عیش و طرب بر سرِ تیاری ہی
آنکھ کھولون تو نظر خیرہ کہ صد خواب خیال آنکھ موندون تو عجب عالم بیداری ہی
اُف نمک ریزیِ ناصح، بدلِ ریش کہ ہاے مین تو سمجھا تھا کہ مرے درد کی غمخواری ہی

جانتا ہون کہ تو ہی جلوہ نما ہوتا ہے شور تجھا نون مین جو صبح و مسا ہوتا ہے

وہ نقش وہ نگار ترے بتکدے مین ہین صورتگران چین بھی حیرت کدے مین ہین
کوچۂ جانان مین جا کر کیا کہون کیا ہو گیا مین تماشا کرنے آیا تھا تماشا ہو گیا

کوئی نہ باغ دہر مین یارب ہوا نہال ہر برگ آکے یان کفِ افسوس مل گیا

ہر نقش وقت وقت مبدل بہ شکل کار قسمت نوشتہ ہے کسی جادو طراز کا
عیش و نشاط دنیوی ہیہات لب تلک کہتا ہے بزم مین یہ ہر اک نغمہ ساز کا

بر لبِ رخسار صحفِ گیسوے شکین یار جسطرح ہو چھپے بیچھے مہر کے ابرِ سیاہ

کہے ہو یاس کہ اِک دم کی تجھ مین تاب نہین — امید کہتی ہے حالت تری خراب نہین

خاک ہم ہو گئے مرکر بُتِ ہندو پر ریشؔ — اُسکے ہان ریت تھی مردہ کے جلا دینے کی

کہتے تھے کل عروسِ چمن سے چمن کے پھول — اِک دو گھڑی کے ہم ہین نہ ہمکو پہن کے پھول
صیاد آہ و زاریِ بلبل پہ رحم کھا — یاد آتے ہین غریب کو اپنے وطن کے پھول

اے برقِ غمِ دہر ذرا پاس کیا کر — میرا مکان منزلِ آفات بھی نہین

لگائی ناطقہ مین آگ اس آتش زبانی نے — بجز قُلقُل زبانِ شیشہ کو ہے بولنا مشکل
دلِ لاغر کو گیسو مین بُتِ پرکار نے باندھا — گرہ ہی موے پیچان کی نہ کیون ہو کھولنا مشکل

مین وہ دلسوختۂ شمعِ رُخِ یار ہون ریشؔ — مجھکو پروانہ جو دیکھے گا تو جل جائیگا

کیون ریشؔ ہے محوِ نالہ دن رات — ہان دیکھون زبان تو نے نہین ہے

یہ مانا جنبشِ مژگانِ جانانِ جانستان کیون ہو — اجل بے خانمان پھر ہمرہِ تیغ و سنان کیون ہو

جگر بھی ساتھ گریبان کے چاک کر دینا — تمھین قسم ہے مرا قصہ پاک کر دینا

جی گیا اے ریشؔ مین لیکر جراحت کے مزے — تیغ سمجھی ہو گی اب کیا اُس تنِ بسمل مین ہے

جہان پڑے تھے ہم اے ریشؔ رات مست و خراب — اُسی کو حضرتِ ساقی کا آستان کہیے

توبہ مین اے شیخ - مجھکو - یون تو پیش و پس نہین
جام مے گر وہ پلائے گا تو میرا بس نہین

صورت کوئی ملنے کی نکل آئے تو اچھا
تم پردہ مین ہو پردہ جو اٹھ جائے تو اچھا

اُسکی شوخی ہوئی عاشق کے لیے کام روا
چُلبلے ہاتھ تھے پردہ کو اٹھا کر مانے

کہتے تھے اپنی اپنی سبھی داستانِ عشق
مین بول اُٹھا کہ قتل سہی داستانِ عشق

پردہ سے نکل اب تو کہ اہلِ نظر تمام
آنکھون کے سامنے سے پسِ پردہ ہو گئے

کلام فارسی

سپیدہ دم مرا - بانگِ خروشِ نالہ چون برشد
بہ حیرت پیر گردون ماند آیا صبح محشر شد

تو حسنِ می فروشی من دل ہمی فروشم
آ جنس خویشتن را با ہم بدل نمائیم

بردہ از یادِ خود آن مہ - منِ دلسوختہ را
ہمچو طفلی کہ فراموش کند آموختہ را

بپیرد از بر من ہمدم و ہم دم برد
ببین کہ دزد فنا چون متاعِ عمرم برد

بہ شیشۂ زنخش خالِ دلفریب نمود
عجب کہ تخم برون از درون سیب نمود

بہارِ اشتیاقِ دل مرا گلشن جگر سازد
نسیم زلف گلرویان بمغزم چون گذر سازد
خوشا صحرا کہ در وے بوالہی نو رستہ ہم ظلمت
فروغ وحشتِ ما شام فرقت را سحر سازد
پریروئے بمن گفتا - ندیدی ایمیش دیوانہ
کہ آہ و نالۂ بے دست و پا را نامہ بر سازد

صیاد دلم رونقِ صحرائے جہان شد ۔ نخچیر بہ یک تار نظر بست و روان شد

صبح بے بادہ مرا جام نمو دست کسے ۔ گوئی کز چشمِ فلک نور ربو دست کسے

مہ من ز چہرہ نقاب کش کہ فروغ بخشِ جہان توئی
نظرے برین صفِ بیدلان بخدا کہ قبلہ جان توئی

نویسم ار کہ بہ سینہ جراحتے دارم ۔ غلط بخواند و داند کہ راحتے دارم

توئی کہ از ذاتِ تست اے مہ - درین جہان نورِ حق ہویدا
بہ ہر زمینے کہ جلوہ سازی شود از وشانِ طور پیدا

ہلال عید ز ابروئے تو خجل دارد ۔ ز رشک چہرۂ تو لالہ خون بدل دارد

کرشمہ می کنی و سر ز تن جدا گردد ۔ عجب کہ لطف بفرمائی و جفا گردد

شہرۂ حسنِ تو فتاد اندرین عالم فنا ۔ ہر قدمے کہ مے نہی حشر ہمی شود بپا

پیشِ رخسار تو لالہ عرق می ریزد ۔ پا بہ گل سرو شود چون قدمت می خیزد
بس لطیف است دماغت ز رہِ خوشنودی ۔ بارہا باد صبا روئے گلان را بیزد
این چہ می بود کہ ہم خضر و مسیحا ہر شب ۔ دربغل کردہ سبو - دست بہ ساغر می زد

نگر مرگ از حیاتِ من بخاطر کینہ میدارد ۔ مسیحا ہم بمن پیشِ نفس آئینہ میدارد

شد بسرم ہواے تو عمر بسر نمی رسد — تیر بہ سینہ می خلد تا بہ جگر نمی رسد

ہرکس از درد عشق رنجور است — بین کہ پُر آب چشم انگور است

گر میسر نہ شود وصل تو امشب بخدا — بر سرِ ہر دو جہان صبح دمیدن نہ دہم

زند بر سوزن تدبیرِ ناصح چاک من خندہ — بصحرائے دگر میگردم خارِ دگر دارم

حرمان نصیب بھائی
جیدیال

جذبات بسمل

جان کا دشمن، یہ اندازِ تغافل کوش ہی — اب ترا بیمار ہی اور موت کا آغوش ہی
ہی نگاہِ مستِ ساقی آج پیمانہ بدست — رخصت اے تقوی کہ اب وقتِ وداعِ ہوش ہی
رفتہ رفتہ اسقدر مین خوگرِ غم ہو گیا — اب مجھے ذکرِ مسرت بھی وبالِ گوش ہی
اب کہان وہ نشۂ شب کی نشاط آرائیان — یہ جو اک حسرت سی باقی ہی خمارِ دوش ہی

یہ ہجوم نامرادی یہ وفورِ بیکسی
تربتِ بسمل ہی یا اک محشرِ خاموش ہی

مولوی فضل اللہ بسمل

*

خزانہ غیب

چاندنی رات تھی۔ بادل کے ٹکڑے فضائے آسمانی مین مثل آزاد طیور کے اِدھر اُدھر اُڑتے پھرتے تھے اور ماہتاب فتحیاب سپہ سالار کی طرح آسمان پر جلوہ افروز تھا۔ رام داس کالی دیوی کے سامنے دوزانو بیٹھا اُنکے قدمون پر عقیدت کے پھول چڑھا رہا تھا۔ ادھر اُسنے عبادت ختم کی اُدھر پو پھٹی اور دنیا کے ظلمتکدہ پر آفتاب عالمتاب ضیا پاشی کرنے لگا۔

یہ دیکھکر کہ مندر کا دروازہ ابھی بند ہے۔ وہ ایک مرتبہ دیوی کے سامنے جھکا اور اُس کے قدمون کے پاس سے ایک پتھر ہٹا کر لکڑی کا ایک صندوقچہ نکالا۔ اس بکس کو اُسنے اپنی کنجی سے جو جنیو مین لٹک رہی تھی، کھولا لیکن اندر نظر کرتے ہی اُسکا مُنہ فق ہو گیا۔ اُسنے صندوقچہ کا ایک ایک گوشہ دیکھ ڈالا لیکن بے سود۔ اُسنے دیوی کے قدمون کے نیچے تجسس آمیز نگاہین ڈالین لیکن بیفائدہ

رام داس کا یہ چھوٹا مندر اُسکے خانہ باغ کے اندر بنا ہوا تھا۔ باغ کے چارون طرف قد آدم دیوارین تھین۔ مندر مین صرف ایک دروازہ تھا۔ رام داس نے مندر کا دروازہ کھول دیا۔ اور پاگلون کی طرح اِدھر اُدھر پھرنے لگا کہ شاید کوئی سُراغ ملجائے لیکن تمام کوششین بیکار ہوئین۔ آخر وہ حالت یاس مین سیڑھیون پر بیٹھ گیا اور سر کو ہاتھون پر رکھکر کسی گہری فکر مین ڈوب گیا، ساری رات آنکھون مین کٹی تھی اسلیے اب اُسے غنودگی سی معلوم ہونے لگی عین اسی حالت مین کسی نے اُسکا نام لیکر پکارا۔ رام داس نے سر اُٹھایا تو دیکھا کہ سامنے صحن مین ایک سنیاسی کھڑا ہے۔ اُسکے لمبے لمبے بال کمر تک لٹک رہے تھے اور چہرہ سے جلال ٹپکتا تھا۔ رام داس نے ادب سے پرنام کیا سنیاسی آگے بڑھا اور رام داس کے سر پر ہاتھ رکھکر بولا کہ بیٹا تو فضول رنج و غم نہ کر،،

رام داس چونک اُٹھا اور کہنے لگا کہ مہاراج کیا آپ دوسرون کے دل کی باتین بھی جان لیتے ہین۔ آخر آپ کو میرے رنج و غم کا حال کیسے معلوم ہوا؟

سنیاسی بولا کہ بیٹا! جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل گئی وہ ایک فضول چیز تھی۔

رام داس نے بیقرار ہوکر سنیاسی کے پاؤن پکڑ لیے اور کہا آپ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہین مجھے بتائیے کہ وہ پرچہ کس طرح ضائع ہوگیا اور اب مجھے وہ پھر کیسے مل سکتا ہے۔

سنیاسی "مین تمکو مصائب و آلام مین مبتلا کرنا نہین چاہتا اسلیے اُسکے متعلق کچھ نہ بتاؤنگا"

ان باتون سے رام داس کی تسلی نہ ہوئی۔ وہ سنیاسی کو خوش کرنے کی نیت سے تمام دن اُسکی خدمت کرتا رہا۔ لیکن دوسرے دن سنیاسی کا کہین پتہ نہ تھا

رام داس کے بچپن مین ایک دن اُسکا دادا ہری ہر مندر کی سیڑھیون پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا کہ ایک سادھو اُسکے پاس آیا۔ ہری ہر سادھوون کا بہت معتقد تھا۔ اُسنے کئی دن اُسکی مہمانداری کی اور جب وہ رخصت ہونے لگا تو ہری ہر کو ایک کاغذ کا ٹکڑا دے گیا کہ اسکو احتیاط سے رکھے رہو تمہارے خاندان کے کسی نہ کسی شخص کو اس سے بہت بڑی دولت حاصل ہوگی۔

ہری ہر نے اُس کاغذ کو احتیاط سے رکھ چھوڑا اور مرتے وقت اُسے اپنے بیٹے کو دے گیا رام داس کے باپ نے اُس پرچہ کی عبارت پڑھنے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہوا مجبوراً اُسنے اس پرچہ کو ایک صندوقچہ مین رکھکر دیوی جی کے قدمون کے نیچے (بنظر حفاظت) دفن کردیا۔

جب رام داس اور اُسکا بھائی دونون جوان ہوئے تو باپ نے ایک دن دونون کو بلاکر اس دفینہ کا سارا حال کہہ سنایا۔

رام داس اپنے بھائی سے عمر مین بڑا تھا اور اسوجہ سے اُسنے خود ہی فائدہ اُٹھانے کے خیال سے اس پرچہ کو لیکر اپنے پاس رکھ لیا۔ چھوٹے بھائی شوشی کو بھائی کی یہ خود غرضی بہت ہی ناگوار ہوئی آخر ایک دن موقع پاکر اُسنے اس پرچے کو رام داس کی جیب سے نکال ہی لیا۔

کاغذ لیکر شوشی فوراً ایک طرف کو چلدیا۔ اور دن رات کوشش کرنے لگا کہ جسطرح ممکن ہو اسکی عبارت پڑھکر گمشدہ خزانہ کا پتہ لگائے مگر جو لکیرین کاغذ پر بنی ہوئی تھین اُنکا مطلب شوشی کی سمجھ سے باہر تھا۔

مہینون کی دوڑ دھوپ اور سرگردانی کے بعد سوشی ایک دن دریا کے کنارے بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ میری امیدون کا بیڑا کیونکر پار ہوگا۔ وہ اسی خیال مین مستغرق تھا کہ سامنے ایک فقیر نظر پڑا جو دریا کے قریب ایک گھنے جنگل مین جا رہا تھا۔ غرض مند باؤلا ہوتا ہے۔ سوشی یہ سوچکر کہ شاید اس فقیر ہی کی مدد سے اُس خزانۂ غیب کا کچھ پتہ ملے۔ اُسکے پیچھے ہولیا۔

جنگل گھنا تھا اور راستہ تنگ۔ فقیر آگے آگے جا رہا تھا۔ اور سوشی اُسکے پیچھے تھا۔ فقیر نے ایک مرتبہ پیچھے مڑکر بھی دیکھا مگر مُنھ سے کچھ نہ بولا۔ اور نہ سوشی نے سوال کرنیکی جراُت کی سوشی فقیر کی سیوا کے خیال سے جنگل ہی مین رہنے لگا۔ اور خزانہ کی امید مین صحرائی زندگی بسر کرنے لگا۔ فقیر کے ساتھ رہتے ہوے اسے چندہی دن گزرے ہونگے کہ یکایک اُسکے جذبات مین تغیر پیدا ہوگیا۔ پہلے تو صرف وہ دنیاے فانی کی دولت کا طلبگار تھا لیکن چندہی روز مین یہ خیال دل سے دور ہوگیا۔ طلسم زندگی کی حقیقت اسے معلوم ہوگئی اور اب وہ اس گورکھدھندے سے نجات حاصل کرنے کا آرزومند ہوگیا۔

انقلابات زمانہ سے شاہ و گدا، امیر و غریب، ظالم و مظلوم کسی کو چھٹکارا نہین۔ اولیاء، پیغمبر، بادشاہ سب تقدیر کے محکوم ہین۔ وہ فقیر جسکی صحبت نے سوشی کو زرپرست سے خداپرست دُنیادار سے دین دار، اور شیطان سے انسان بنا دیا تھا، اس دار فانی کو چھوڑ چکا تھا۔ اور سوشی نے اس خیال سے کہ بقیہ عمر اُسی کُنج عافیت مین بسر کرے، وہین سکونت اختیار کرلی تھی ایک دن سوشی کوئی چیز تلاش کر رہا تھا۔ وہ چیز تو اُسے ملی لیکن جھونپڑے کے ایک کنارے کی دیوار مین اُسکو ایک پرانی کھڑکی دکھائی دی جسکا دروازہ بہت ہی بوسیدہ تھا۔

شوق نے گدگدایا، سوشی کھڑکی کھول کر اندر داخل ہوا تو کھڑکی کے اندر ایک زینہ نظر آیا۔ زینہ کو طے کرکے سوشی ایک صحن مین پہونچا۔ صحن ختم ہونے پر اُسے ایک دروازہ ملا۔ دروازہ مین قدم رکھتے ہی سوشی کو قدرت خدا کا تماشا نظر آنے لگا۔ سونے کا ایک وسیع محل تھا جسکی در و دیوار سب سونے ہی کی بنی ہوئی تھی۔ فرش اور چھت مین اس صفائی سے ہیرے اور جواہرات جڑے ہوے تھے کہ سارا مکان جگمگا رہا تھا، اور اُسکا ذرہ ذرہ زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ اس سے بہتر انسانی صنعت کا نمونہ ملنا ممکن نہین

سوشی نے اس بے انتہا زر وجواہر پر ایک حقارت آمیز نظر ڈالی اور واپس آکر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

جنگل کے جس حصہ مین سوشی رہتا تھا، وہ بہت گنجان تھا اور شاید اسی سبب سے وہان کبھی کسی شخص کا گزر بھی نہ ہوتا تھا۔ لیکن خلاف معمول ایک دن سوشی نے ایک شخص کو اپنی جھونپڑی کی طرف آتے ہوے دیکھا۔ اس شخص نے آکر پانی مانگا۔ سوشی نے اُسے پانی پلایا اور غور سے دیکھکر کہا "کیا تمھارا نام رام داس ہے"

اجنبی "ہان میرا نام رام داس ہے"

سوشی دوڑ کر بھائی سے لپٹ گیا۔ دل صاف ہو گئے اور محبت برادرانہ ظاہر ہونے لگی سوشی نے خاندان کے حالات دریافت کیے۔ لیکن رام داس نے کہا کہ جب سے تم وہ کاغذ لیکر مکان سے چل دیے تھے، اُسی دن سے مین تمھاری اور گم شدہ خزانے کی تلاش مین پھر رہا ہون۔

سوشی نے اپنے بھائی کو حیرت سے دیکھا اور کہا "کیا اب بھی خزانہ کی تلاش باقی ہے؟"

رام داس "مین نے تو اپنی زندگی اُسی کیلیے وقف کردی ہے"

سوشی نے بھائی کا ہاتھ پکڑا اور جھونپڑی مین لیجا کر خزانہ کے دروازہ پر کھڑا کر دیا۔

جذبات انسانی، قوت ارادی کے تابع نہین ہوتے۔ رام داس بے انتہا مال و زر کو دیکھکر پاگل سا ہو گیا۔ وہ کبھی اِس کمرے مین جاتا اور کبھی اُس کمرے مین۔

تھوڑی دیر مین جب اُسنے بخیال خویش، مکان کا ایک ایک گوشہ دیکھ لیا تو واپسی کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن باوجود تلاش باہر آنے کا دروازہ نہ ملا۔

آخر تھک کر وہ سونے کے ایک ستون پر جو فرش پر پڑا ہوا تھا لیٹ گیا۔ اُسنے دیکھا کہ پاؤن کے تلوے ہیرے کے ٹکڑون پر چلنے سے لہولہان ہو رہے ہین، اور اُنسے فوارہ جاری ہے

رام داس نے لیٹے لیٹے بھائی کو آواز دی اور مدد کا خواستگار ہوا۔

سوشی نے کہا کہ مین خود تمکو بڑی دیر سے ڈھونڈھ رہا ہون۔ لیکن تم تک نہین پہونچ سکا۔ میرے خیال مین تم صرف اس شرط پر اس جگہ سے باہر آسکتے ہو کہ خزانہ سے فائدہ اُٹھانے کا

خیال چھوڑ دو۔

رام داس جسکی دلی آرزو اب خدا خدا کر کے پوری ہوتی نظر آتی تھی اس شرط کو کیسے منظور کر سکتا تھا۔ اُسنے اپنے جسم کے کپڑے اُتار کر زخمی تلوؤن پر لپیٹے اور باہر کا راستہ ڈھونڈھنے مین مشغول ہو گیا۔ لیکن کامیابی نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔

شام ہوئی اور پھر دوسرا دن۔ لیکن رام داس کو راستہ نہ ملا۔ آخر رام داس کو ناامید ہو کر خزانے کے خیال سے دست بردار ہونا پڑا اور دل سے اس خیال ہی کو نکال دیا۔ اب اُسے فوراً ہی راستہ مل گیا اور تھوڑی دیر مین وہ اپنے بھائی کے پاس پہونچ گیا۔

سوشی نے رام داس کا اُترا ہوا چہرہ اور حسرت بھری آنکھین دیکھکر کہا "بھائی! تم کیون اسقدر زر دوجواہر کے آرزومند ہو؟ انسان جب تک دھن دولت کے پیچھے پڑا رہتا ہے اُسوقت تک وہ بندۂ زر رہتا ہے۔ دنیا کی مثال اسی گنج زر کی سی ہے جس سے ابھی تم باہر نکلے ہو۔ جب تک تمھارے دل مین لالچ رہی تم خود مقید رہے۔ مگر جب تم نے اسے دل سے نکال دیا آزاد ہو گئے یہی حالت دُنیا اور تفکرات دُنیا کی ہے۔ جب تک انسان دُنیاوی خواہشون مین مبتلا رہتا ہے اُسوقت تک اُسکی روح آلایشات سے پاک نہین ہو سکتی۔ لیکن جب انسان طلسم حیات کے راز کو سمجھ لیتا ہے تو آزاد، خود مختار، اور اپنے افعال کا آپ مالک ہو جاتا ہے۔

(ماخوذ از ماڈرن ریویو) **عالی لکھنوی**

انڈین ایجوکیشن نامی رسالہ مین مسٹر کے ایل او گلے نے ایک مضمون مین ثابت کیا ہو کہ کالیداس کے زمانہ تک ہندوستان مین تعلیم نسوان کا عام رواج تھا چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ:-

کالیداس کے ناٹکون کی لڑکیان تعلیم یافتہ اور ڈرائنگ مین ماہر ہین شکنتلا کی دونون سکھیان رتھی اور پاکا پڑھی لکھی ہین۔ کیونکہ وہ اعلی خاندان کی لڑکیان ہین۔ لیکن تعجب اس امر کا ہو کہ شکنتلا جو جنگل کے ایک غریب سادھو کے ہان پلی ہو۔ وہ بھی زیور علم سے آراستہ ہو۔ رگھوبنس مین سورج بنس کی آخری رانی نے اپنے شوہر کی دعا کے بعد وزرا کے مشورہ سے انتظام حکومت کیا تھا۔ گویا کالیداس کے زمانہ تک بھی ہندوستان مین عورتون کیلیے تعلیم کے

نفسۃ اللغۃ

اُردو کے اس نایاب لغت کے مؤلف رشک لکھنوی مرحوم ہین جو ناسخ مرحوم کے شاگرد رشید تھے، اور اپنے اُستاد کی طرح زبان کی درستی اور اصلاح کا خیال رکھتے تھے انکا دیوان درستی محاورات، اور تحقیق الفاظ کا بیمثل آئینہ ہے لیکن بعض بعض جگہ جمہور کے خلاف آپ نے اجتہاد سے بھی کام لیا ہے، مثلاً آپ نے املا کو مونث لکھا ہے۔

نامۂ جانان ہے یا لکھا مری تقدیر کا — خط کی انشا اور ہے لکھنے کی املا اور ہے

ایجاد کو مذکر لکھا ہے۔

جب سے صبح وگل و دیوانہ کا ایجاد ہوا
کوئی مجھسا نہ ہوا چاک گریبان ابتک

ممکن ہے کہ رشک مرحوم نے خود اس قسم کا اجتہاد نہ کیا ہو اور کاتب کی عنایت سے یہ نان پیدا ہوگئی ہو، لیکن دیباچہ مین نشتر صاحب نے اس قسم کی متعدد مثالین لکھی ہین جن سے علوم ہوتا ہے کہ رشک صاحب کے نزدیک انکا استعمال یون ہی درست ہے، بہرحال رشک ی شاعری اس اعتبار سے قابل رشک ہے کہ وہ زبان اُردو کے لیے مفید ہے، اور اسمین حاورات اُردو محفوظ ہین ورنہ دست برد زمانہ سے مٹ جانے کا احتمال تھا، مگر اسکے سوا رشک کی ناعری مین کچھ نہین، رنگینی تخیل، بلندی مضامین، شان تغزل کا مشکل سے نشان ملتا ہے کثر غزلین اور اشعار تو ایسے لکھے ہین کہ اُنکے سننے سے طبیعت کو تنفر پیدا ہوتا ہے اور یہ معلوم وتا ہے کہ کسی ایسے شخص نے تک بندی کی ہے، جسکو شاعری کی ہوا تک نہین لگی مثلاً

چاول الماس گوشۂ جنت جگر — فرقت یار مین پلاؤ نہین

میرے کھانے سے کیون فلک ہو کباب — پاؤ روٹی ہے نان پاؤ نہین
یہ زمین غزل وہ ہے اے رشک — جسمین ذرہ کہین بھسراؤ نہین

اسمین شبہ نہین کہ رشک نے اہل زبان کے لیے تحقیق الفاظ و تصحیح محاورات کا ایک کافی ذخیرہ جمع کردیا ہے، اشعار کے علاوہ آپ نے نفس اللغہ، کے نام سے ایک اُردو لغت بھی تیار کیا ہے، جسمین اُردو کے تمام الفاظ و محاورات کو جمع کردیا ہے اور فارسی مین انکے معانی و مطالب لکھے ہین حقیقت یہ ہے کہ یہ لغت اُردو کیلیے بہت مفید ہے، لیکن سمجھ مین نہین آتا کہ آپ نے اُردو اور ہندی محاورات کے معنی فارسی مین کیون لکھے، یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ اسوقت فارسی زبان مین لکھنے کا رواج زیادہ تھا، لیکن اسکا کیا جواب ہے کہ بعض جگہ فارسیت کی وجہ سے معانی اُلجھکر رہگئے ہین، ضرورت تھی کہ رشک صاحب اُردو کے الفاظ اور محاورات کے مفہوم کو اُردو عبارت ہی مین تحریر کرتے، اور نفس اللغہ کو اہل ایران یا اہل کابل کیلیے مخصوص نہ کرتے۔

اسکے علاوہ بعض بعض محاورات پر یا تو رشک صاحب نے غائر نگاہ نہین ڈالی یا آن کے مطالب کو فارسی مین ادا نہ کرسکے۔ مثلاً آستین چڑھانا۔ آستین گردانیدن،

رشک صاحب نے صرف لفظی ترجمہ کردینا کافی سمجھ لیا ہے لیکن اہل بصیرت جانتے ہین کہ آستین چڑھانے کا مطلب کچھ اور ہے۔ یہ محاورہ اظہار غیظ و غضب اور کسی کام پر آمادگی ظاہر کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً اُسنے مقابلہ کیلیے آستین چڑھائی، اور، وہ اس کام کے لیے آستین چڑھاکر مستعد ہوگیا۔

اسی صفحے مین رشک صاحب نے، آسمانی تارا، کے یہ معنی خوب لکھے ہین، چیز نادر و نایاب را گویند ممکن تھا کہ اسکے معنی بھی وہ، اختر فلک، لکھتے، لیکن یہان اصلی مفہوم بتادیا ہے۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ وہ یا تو بعض محاورات کے سمجھنے سے قاصر تھے، یا فارسی مین ادا نہ کرسکتے تھے۔

ہم چند ایسی ہی مثالین اور پیش کرتے ہین تاکہ ہمارا اعتراض اور واضح ہوجائے۔

اندرائن کا پھل، بار درختے بود تلخ (ف) خربزۂ تلخ، (ع) حنظل۔

اس موقع پر بھی آپ نے صرف لفظی ترجمہ سے کام لیا ہے حالانکہ یہ محاورہ اُس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے، جب ظاہری حسن و صورت کے ساتھ باطنی بُرائیون کا اظہار مقصود ہو

اسلیے کہ اندرائن کا پھل بظاہر خوبصورت اور بہ باطن تلخ ہوتا ہے مثلاً وہ حنظل صفت ہی، یا انھین اندرائن کے پھل کی خاصیت ہے،

اُنڈے سینا، نشستن مرغان بود بر بیضہ، ف ۔ بیضہ پروردن ۔

جامع لغت کا فرض ہے، کہ وہ بازاری محاورون کا بھی اظہار کردے، لیکن رشک صاحب نے بعض جگہ یا تو قصداً چشم پوشی کی ہے یا انھین علم نہ تھا لوگ اکثر طنزاً کہا کرتے ہین کہ وہ گھر مین بیٹھے انڈے سیتے رہتے ہین، اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ گھر مین گھسے رہتے ہین،

تکیہ دینا و تکیہ کرنا و تکیہ لگانا۔ تکیہ دادن و تکیہ کردن و تکیہ زدن،

لغت نگاری کے یہ معنی نہین کہ معانی ایسے الفاظ مین لکھے جائین، جنکے لیے ایک دوسرے لغت کی ضرورت ہو، رشک صاحب نے اسکی پروا نہین کی تکیہ کرنا کے معنی آپ نے تکیہ کردن لکھدیا، ایک ایرانی یا کابلی تو سمجھ جائیگا لیکن ایک ہندی جو اس سے ناواقف ہو کچھ نہین سمجھ سکتا اس موقع پر فارسیت نے آپ کو مجبور کردیا ورنہ اُردو مین آپ یون کہتے تکیہ کرنا کسی پر بھروسہ کرنا تماشا بین،، فارسی ست در محاورہ ہندیان زنان بازار را گویند،

لیجئے محاورہ بھی آپ غلط بیان فرماتے ہین۔ ہندی کا محاورہ تماشا بین نہین تماشبین ہے، اور پھر تماشبین زنان بازار کے لیے مخصوص نہین بلکہ ہر اُس شخص کو جو عیاش اور آوارہ مزاج ہو تماشبین کہتے ہین ۔

اس قسم کی سیکڑون مثالین نفس اللغہ مین موجود ہین مگر ہم بنظر اختصار، اسی قدر کافی سمجھتے ہین ان مثالون سے ہمارا یہ مدعا نہین ہے کہ ہم جناب رشک کی اس مفید کوشش کی داد نہ دین، نہین، ہم دل سے اس محنت کی قدر کرتے ہین، اور ناظرین زمانہ کو بھی اسکے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتے ہین، اور ساتھ ہی ساتھ منیجر صاحب ادیب اردو کی خدمت مین مبارکباد بھی پیش کرتے ہین کہ آپ کی کوشش سے اس نایاب لغت کا پہلا حصہ زیور طبع سے آراستہ ہوا، لیکن ہم یہ بھی ضرور کہین گے کہ کاغذ کی نازکی اور بوسیدگی عجب نہین کہ پھر اس نایاب لغت کو نایاب بنادے لکھائی اور چھپائی کا بھی کوئی خاص اہتمام نہین کیا گیا۔ بہرحال جو کچھ ہے غنیمت ہی قیمت عہ مع محصول ڈاک ملنے کا پتہ۔ منیجر ادیب اُردو نیر پریس پاٹا نالہ لکھنؤ۔

داغ جگر

بزم ادب اعظم گڑھ نے جناب جگر مرادآبادی کی منتخبہ غزلیات کا مجموعہ، "داغ جگر" کے نام سے شایع کیا ہے جسمین علاوہ غزلیات و متفرق اشعار کے مثنوی کے بھی دو صفحے شامل ہین شروع مین مولوی عبدالسلام صاحب ندوی کی طرف سے ایک مختصر سا دیباچہ ہے، اسکے بعد چوالیس صفحون پر مرزا احسان احمد صاحب وکیل اعظم گڈھ کا معرکۃ الآرا مقدمہ مندرج ہے جسمین کہین جگر صاحب کی خصوصیات شاعری سے بحث کیگئی ہے کہین موجودہ شعرا سے جناب جگر کا تقابل کیا گیا ہے کہین اُنکے محسوسات حکیمانہ پر روشنی ڈالی گئی ہے غرض مقدمہ کیا ہے مرقع ہے جوش عقیدت اور حسن ستائش کا - اور خلاصہ ہے داغ جگر کا -

اسمین شک نہین کہ جناب جگر ایک قادر الکلام شاعر ہین، اُنکی غزلین رنگینی تخیل، ندرت بیان اور بلند پروازی کا نمونہ ہوتی ہین - وہ جب کسی خیال کو اپنی شاعرانہ تخیل مین ادا کرنا چاہتے ہین تو اس انداز سے کہتے ہین کہ سننے والا بیچین ہوجاتا ہے - فرماتے ہین -

مجھے اب خوف ہی کیا ہجر مین تنہائی دل سے   ہزارون محفلین لیکر اُٹھا ہون تیری محفل سے

غور فرمائیے جگر صاحب نے ایک معمولی خیال کو کتنی بلندی پر پہونچا دیا ہے، مگر کہین کہین تخیل اسقدر کمزور ہوتی ہے کہ طرز بیان کی ندرت بھی اُسکی تلافی نہین کرسکتی، مثلاً اسی غزل کا ایک شعر ہے

فلک پر ڈوبتے جاتے ہین تارے بھی شب فرقت
مگر نسبت کہان انکو مرے ڈوبے ہوئے دل سے

بندش کے لحاظ سے تو شعر خوب ہے لیکن حاصل کچھ نہین - اسکے مقابلہ مین جوش صاحب کا شعر (جو مرزا صاحب نے مقابلتاً پیش کیا ہے) بہت بلند ہے، اسمین ڈوبے ہوے دل کے بجاے ٹوٹے ہوے دل کا قافیہ نظم ہے

کبھی سن لے اسے او ساز عشرت چھیڑنے والے
عجب آواز آتی ہے مرے ٹوٹے ہوے دل سے

داغ جگر مین اکثر اشعار ایسے بھی ملتے ہین جنکے مطالعہ سے قلب پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے اور روح مست ہو جاتی ہے۔ مثلاً

تیرے جلوؤن کے تصدق لیکن تیرے جلوے کو کدھر دیکھون مین

آئی ہے موت منزل مقصود دیکھکر
اتنے ہوے قریب کہ ہم دور ہو گئے

کوئی تو خیر خواہ دل ناصبور تھا مانا کہ تم نہ تھے کوئی تم سا ضرور تھا

ایسا کہان بہار مین رنگینیون کا جوش شامل کسی کا خون تمنا ضرور تھا

جگر صاحب کی نظمون مین بعض بعض جگہ توارد کی مثالین بھی ملتی ہین، توارد کوئی عیب نہین بشرطیکہ شعر مین کوئی خاص خوبی پیدا ہوگئی ہو لیکن جب اسمین کوئی عیب ہو یا اس شعر کم درجہ کا ہو جس سے توارد ہوا ہو تو شعر کا غزل مین نہ رہنا ہی بہتر ہے۔ مثلاً عزیز لکھنوی کا شعر ہے،

دل یہ سمجھا تھا کہ خلوت مین وہ تنہا ہونگے مین نے پردہ جو اُٹھایا تو قیامت دیکھی

جگر صاحب لکھتے ہین۔

سمجھے تھے کہ خلوت مین ملین گے ہمین تنہا اک حشر کا عالم پس پردہ نظر آیا

مضمون دونون شعر کا ایک ہے اور گمان غالب ہے کہ توارد نے یہ یکجہتی پیدا کردی ہوگی لیکن جگر صاحب کے شعر مین پس پردہ کا قافیہ کیتا اور رسوا کے ساتھ بالکل غلط ہے جس سے شعر مین سقم پیدا ہوگیا اسلیے کہ پروا (باظہار الف) اُردو لفظ ہے۔ اسکے ساتھ فارسی اضافت درست نہین۔ اگر کسی اور شاعر کے یہان بھی کوئی ایسی مثال موجود ہو تو وہ بھی صحیح نہین۔

جگر صاحب فرماتے ہین۔

رات بھر جسطرح گزری کچھ نہ پوچھو دلکے ساتھ صبح تک رکھا ہے ہاتھون ہاتھ اس بیمار کو

جناب داغ۔

کرنی پڑین فراق مین تیمارداریان ہاتھون مین ساری رات دل ناصبور کے

مضمون کے لحاظ سے دونون شعر ایک ہین، صرف طرز بیان کا فرق ہے مگر داغ کا شعر بہت بہتر ہے۔ اسکے علاوہ جگر صاحب کے شعر مین اس موقع پر ہاتھون ہاتھ کا استعمال

کچھ زیادہ پسندیدہ نہین ۔

اسی طرح بعض جگہ داغ جگر مین، محاورون کی غلطیان بھی پائی ہین لیکن سچ یہ ہے کہ اس قسم کی لغزشین بہت کم ہین تاہم یہ نہوتین تو بہتر تھا، مثلاً

مقید ہوکے اے صیاد جسدن سے ہزار آئی وہی دن ہو کہ پھر اب تک نہ گلشن مین بہار آئی

'وہ دن ہے اور آج کا دن ہے'۔ اسکے بجائے 'وہی دن ہے' صحیح نہین

دل ہوا خاک تپ غم سے مگر دل کی جگہ اک خلش سی مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے

معلوم ہو رہی ہے یا معلوم ہوتی ہے، کے بجائے معلوم ہوئی جاتی ہے کہنا غلط ہے ۔

پھرا نہ کوچۂ جانان سے منھ کسی صورت عزیز تھک گئے سب مجھکو قبلہ رو کرتے

قبلہ رو کرتے کرتے، کی جگہ قبلہ رو کرتے، کا استعمال غیر فصیح ہی نہین غلط ہے ۔

مختصر یہ کہ اگرچہ جگر صاحب کا کلام غلطیون سے پاک نہین، تاہم وہ قابل داد ضرور ہے اور جگر صاحب دنیاے ادب سے مبارکباد کے مستحق ہین، داغ جگر کی لکھائی چھپائی کے لیے صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ وہ مطبع معارف مین چھپا ہے ۔ کاغذ بھی عمدہ لگایا گیا ہے ۔ قیمت عہ ہے شائقین مرزا احسان احمد صاحب وکیل اعظم گڑھ سے طلب فرمائین ۔

ادیب ناگپور

یہ رسالہ ۱۳۸ عنوان ہندوستان کے اُس خطے سے شایع ہو رہا ہے جہان اُردو کا بہت کم رواج ہے، مولوی محمود علی خان صاحب فاضل ندوی اسکے مرتب ہین اور مولوی محمد قاسم منتظم، ایسی صورت مین اگر ادیب یہ فخر کرے تو بجا ہے کہ

صد شکر کہ ہستیم میانِ تو و ادیب

بہرحال ہم ادیب کا دل سے خیر مقدم کرتے ہین اور دعا کرتے ہین کہ خدا اس ہونہار پودے کو پروان چڑھائے اور صرصر حوادث سے محفوظ رکھے ۔

شائقین ادب دفتر ادیب ناگپور کے پتہ پر درخواست خریداری ارسال فرمائین ۔

"اعظم"

اللہ بس باقی ہوس

نثر مرجز

اے سونے والو مرقد کے | یہ راحتِ خواب آخر کب تک | اس نیند سے چونکو بہرِ خدا

کچھ اپنی کہو کچھ ہم سے سنو | تم ہمکو بتاؤ حالِ عدم | ہم تم سے کہیں اپنی بیتی

کیا اگلے روابط بھول گئے | کیا پچھلی باتیں یاد نہیں | یاد آتے ہو اکثر تم تو ہمیں

پھرتے ہو نظر میں آٹھ پہر | وہ لطف مشاغل وہ باتیں | جب یاد ہمیں آجاتی ہیں

اک چوٹ سی دل میں لگتی ہے | اشک آنکھوں میں بھر آتے ہیں | اب کوئی نہیں ایسا مونس

جو حال ہمارا ہم سے سنے | جو ذکر تمہارا ہم سے کرے | آئے ہیں یہاں ہم خود آخر

آج اپنا فسانہ سنانے کو | تم جب سے گئے اس دنیا سے | کچھ دنیا کی سدھ بدھ نہ رہی

اتنا تو بتاؤ بہرِ خدا | ہم یاد کبھی تمکو آتے ہیں | دیرینہ مراسم دیکھنے کو

آتی ہے تمھاری روح کبھی | ہاں آج یہ جنکی حالت ہے | ہے جنکا منظر وحشت زا

وہ جنگل باغ تمھارے ہیں | وہ جن میں ہے ویرانی یکسر | ہاں انکا پتہ بتلانے کو

کچھ ڈھیر خس و خاشاک کے ہیں | یا ٹوٹے پھوٹے چند کھنڈر | رونق وہ نہیں مجمع وہ نہیں

ہاں فہمی بیکس دلِ خستہ | غمدیدہ و محزون و مضطر | جب آتا ہے اس ویرانے میں

تو گھنٹوں رویا کرتا ہے | اور گورِ غریباں میں اسدم | کچھ شکوے کرنے آیا ہے

بیزار ہے یہ بھی دنیا سے | تم سے ملنے کا خواہاں ہے | جینے کا اسے کیا لطف ملے

ہمدرد نہیں احباب نہیں | ہے کوئی عالمِ غربت میں | اور کوئی کنجِ تربت میں

یہ دہرِ سرائے فانی ہے | رہتا ہے ہمیشہ کون یہاں | باقی ہے خدا کا نام اور بس

سید محمود اعظم فہمی ترمذی

بیخبری

ہزار جامہ دری صد ہزار بخیہ گری — تمام شورش و تمکین نشانِ بیخبری

سکون شورش پنہان ہے شغل جامہ دری — قرار سینۂ سوزان ہے نالۂ سحری
غرض نشاط و الم سے فقط تماشا ہے — کہ یہ مناظرہ رہ اور مین ہون رہگذری
نہ مدعا مرا کوئی نہ کچھ ہراس مجھے — کہ عاشقی ہے فقط بیدلی و بیجگری
مزاج عشق بہت معتدل ہوا ان روزون — جگر مین آگ دہکتی ہے آنکھ مین ہے تری
یہ ڈر ہے ہر بنِ مو سے اب لہو نہ دے نکلے — کچھ ایسے زور پہ ہے آج کاوشِ جگری
جو مجھپہ گذری ہے شب بھر وہ دیکھ لے ہمدم — چمک رہا ہے مژہ پر ستارۂ سحری
اٹھا ہے درد رگِ جان ہے تشنۂ نشتر — مجھے ہے آج تلاشِ کمال چارہ گری

تری نگاہ کی کیفیتین ہین دل مین وہی — کہ روح تن مین ہے شیشہ مین جس طرح ہو پری
اسی نگاہ کے صدقے یہ حال کیا ہی مرا — کمال ہوش کہون یا کمال بےخبری
غضب ہوا کہ گریبان ہی چاک ہونے کو — تمھارے حسن کی ہوتی ہے آج پردہ دری
کہین ہے عشق کہین ہے کشش کہین حرکت — بھرا ہے خانۂ فطرت مین رنگ فتنہ گری
محال تھا کوئی ہوتا یہان سوا تیرے — یہ کُل جہان ہے منت پذیر کم نظری
جگر مین بیٹھ گئے درد بے دوا ہو کر — دلون کو کھینچ لیا بنکے شان عشوہ گری
وہ ہر عیان مین نہان ہو وہ ہر نہان مین عیان — عجیب طرز حجاب و عجیب جلوہ گری!!
کچھ اسطرح ہوئین عاجز نوازیان اسکی — کہ میری آہ کو ہے اب تلاش بے اثری
نزول پیکر خاکی پہ روح اعظم کا — زہے کمال سر افگندگی و بے ہنری

کرم کچھ آج ہے ساقی کا وہ طرب انگیز　　کہ جرعہ جرعہ ہے موجِ ترنمِ سحری
چھپی ہے نیم نگاہی میں روح بیتابی　　ملی ہے حسن تبسم کو ریزشِ شرری
اُس آستان سے اُٹھائی نہ پھر جبین میں نے　　حرم میں سجدۂ پیہم تھی ایک دردسری
نہ جائیے مری بگڑی ہوئی اداؤں پر　　کہ عاشقی میں مرے حسن کی ہے جلوہ گری
جو شوخیوں سے لیا ہے جمال بیتابی　　تو جوشِ حسن سے پائی اداے جامہ دری
یہ ہیں زلف سے آشفتگی کے کُل انداز　　نگاہ مست سے پہونچا ہے حسن بے خبری
خموش اصغر بیہودہ کوش و ہرزہ سرا　　کہ حسن و عشق کی ابھی نہیں ہے پردہ دری
بگوش ہوش شنو پند حافظ شیراز　　چہ نکتہ ایست بہ طرزِ ترنمِ شکری

زہر خبر کہ شنیدی رہے بہ حیرت داشت
ازین سپس من و ساقی و وضع بے خبری

رضیع

لوحِ حیات آپ کی تقریر ہو گئی　　جو بات کی نوشتۂ تقدیر ہو گئی
شاید کہ میری آہ میں تاثیر ہو گئی　　دنیا تمام درد کی تصویر ہو گئی
جتنی مصیبتیں تھیں وہ لکھ دیں مرے یہاں　　بس ختم سعی کاتبِ تقدیر ہو گئی
تھا نزع میں بھی سلسلۂ قید غم وہی　　اینٹھی جو رگ وہ حلقۂ زنجیر ہو گئی
دلکو جلا کے دولتِ جاوید پا گیا　　اتنی سی خاک مایۂ اکسیر ہو گئی
ناسور آج ہر بن مو ہے نئے نصیب　　اے کاوشِ مژہ تری تفسیر ہو گئی
کہیے کہ اب میں اپنی حقیقت کو کیا کہوں　　جو سانس لی وہ آپ کی تصویر ہو گئی
وارفتگانِ ذبح ذرا ہوش میں ہو　　خنجر گلے پہ آ گیا تکبیر ہو گئی
ہاتھوں سے میرے دامنِ رحمت چھڑا تو لے　　ہاں ہاں یہ جانتا ہوں کہ تقصیر ہو گئی
آزاد ہوں قیودِ جہنم سے دوستو　　میری حیات ہی مجھے تعذیر ہو گئی
آتا ہی کوئی گورِ غریباں پر اس طرح　　زندہ اگر یہ محفلِ تصویر ہو گئی
ہستی کی شرح نزع میں کرتا مگر عزیز　　دو ہچکیوں میں ختم یہ تفسیر ہو گئی

سرما

ہے بلند آہنگ سرما — پھر عیان ہے رنگ سرما

دیکھ لو چھائی ہے یکسر — کچھ سپیدی سی فلک پر

یہ اثر کس نے دکھایا — پڑ گیا سورج پہ سایا

دھوپ مین تیزی نہین ہے — کلفت انگیزی نہین ہے

تاکہ کم تکلیف ہو کچھ — ٹھنڈ مین تخفیف ہو کچھ

پڑ گئی گویا جہان پر ؤ — ہلکی ہلکی گرم چادر

کائنات ایک لخت ساری — سرد سی جو پڑ گئی تھی ؤ

پھر سراپا اُس نے بھر دی — کچھ حرارت تازگی کی ؤ

خلق کا دلکش سمان ہے — ایک رونق سی عیان ہے

ق

یعنی موسم کا اثر ہے — دھوپ مین رنگِ دگر ہے

ہو کے معمورِ مسرت — بن گئی نورِ مسرت

جبکہ عالم مین ہویدا — ایک نقشہ ٹھنڈ کا تھا

وہ بھی تھی کچھ کچھ بجھی سی ؤ — بن گئی تھی چاندنی سی

روشنی کی کچھ جھلک تھی — اور سردی کی چمک سی تھی

ٹھنڈی کرنین جھڑ رہی تھین — ننھی بوندین پڑ رہی تھین

دھند تھا ارض و سما مین — تیرگی سی تھی خلا مین

یعنی دونون کی حرارت — ٹھنڈ سے ہو ہو کے غارت

باہر آ کر تھم گئی تھی، — سرد ہو کر جم گئی تھی

کیسی ٹھنڈک تھی فضا مین — برف اُڑتی تھی ہوا مین ؤ

قدرتی تھی جس مین حدت
اُس سے تھی سردی کی شدت

جس سے جاندار اور بے جان
سب کے سب سکڑے تھے یکسان

ٹھنڈ کا گہرا اثر تھا
ہڈیون تک مین گذر تھا

ہر بشر کے دانت جس سے
ہو کے نالان بج رہے تھے

تھے چرندے اور پرندے
مضمحل اور سست سارے

روئین تھے وہ گر پھلائے
تھے یہ بال و پر پھلائے

خود فراموشی تھی ہر سو
ایک خاموشی تھی ہر سو

ٹھنڈ سے ہو کے مقر سب
دھوپ کے تھے منتظر سب

الغرض خورشید تابان
پھر ہوا کچھ کچھ درخشان

ابر سے تھے بسکہ چھائے
سارے ذرّے جگمگائے

پھر حرارت آئی تن مین
بن گئی چستی بدن مین

پھر چرندے کھڑ بڑائے
اور پرندے پھڑ پھڑائے

پھر سے لوگون نے یکسر
دست و پا کپڑون سے باہر

پھر اُجالے مین نکھر کر
اوس چمکی پتّیون پر

سر بسر منظر مین پھیلی
کیسی سبزی اور سپیدی

ٹھنڈ اُسے گویا چھپائے
ہے تری کو خود بچائے

تارہے گرمی بھی پاکر کوئی
آب سبزہ مین برابر

دیدنی ہے جس کی رنگت
قلب کو ملتی ہے قوت

پھر ہوئی جس کے سہارے
کام کی تحریک بارے

خواہ برفیلی ہوائین
کتنی ہی سورش مچائین

آہ جس سے یہ سمان بھی
جلد ہی ہو گا نہان بھی

آفتاب اسکے اثر سے
ہان اسی سردی کے ڈر سے

دیکھو اب کترا رہا ہے
کس روش سے جا رہا ہے!

کیسی کھیتون کی زمین ہے ۔۔۔ سبز رنگت ہر کہین ہے
جس کے جلوے ہین غضب کے ۔۔۔ دل ہرے ہوتے ہین سب کے
اور کسانون کے لیے تو ۔۔۔ خاص ہین اسباب نیکو
یہ علاجِ خستگی ہے ۔۔۔ مایۂ وابستگی ہے یہ
رنگ کیسے مل رہے ہین ۔۔۔ پھول کتنے کھل رہے ہین
مختلف اقسام والے ۔۔۔ لال، پیلے، اجلے، کالے
جنپہ ہے رنگِ تماشا ۔۔۔ قطرہ ہائے شبنمی کا
تازگی گستر ہوا ہے، ۔۔۔ سرد اور نکہت فزا ہے
کیف سے مجبور ہین سب ۔۔۔ کس قدر مسرور ہین سب
کیسی ریزش ہے صدا کی ۔۔۔ طائران نغمہ زا کی
فیض انھین آثار کا ہے ۔۔۔ اک سمان گلزار کا ہے
ارہرا اور سرسون مین پھولے ۔۔۔ پیلے پیلے پھول کیسے ہ
اور جو بور آمون مین آیا ۔۔۔ کیا بسنتی رنگ لایا
کیسی زردی ہے نظر مین ۔۔۔ ہے اثر دل مین، جگر مین
اک خوشی سی چھا رہی ہے ۔۔۔ لو بسنت اب آرہی ہے
سچ ہے یہ یہ جانِ طرب ہے ۔۔۔ شوکت و شانِ طرب ہے
رنگ نو لائے گی آخر ۔۔۔ اور بہار آئے گی آخر
اور ہے کیا شفاف پانی ۔۔۔ گندگی سے صاف پانی
جابجا لہرا رہا ہے ۔۔۔ گیت گویا گا رہا ہے
جس مین نیلے آسمان سے ۔۔۔ عکس خورشید تپان سے
آکے کرنین گر رہی ہین، ۔۔۔ موج بنکر پھر رہی ہین
مستیون مین پھنس رہی ہے ۔۔۔ فصل گویا ہنس رہی ہے

اقبال ورما سحر ہتگامی

لطف سخن

مولانا محوی لکھنوی

ہمین کچھ قدر تیری سبزۂ مدفن سمجھتے ہین — کہ تجھکو یادگار عشرت گلشن سمجھتے ہین
اُسی پر اے نگاہ ناز تو بجلی گراتی ہے — جسے اپنی تمناؤن کا ہم خرمن سمجھتے ہین
تری قید قفس کا ہمکو اے صیاد کیا غم ہو — ہم اسکو حاصل سیر گل و گلشن سمجھتے ہین
یہ آنسو کیون ہین آنکھوںمین یہ رونا کیون ہے بالین پر — مری اُلجھن کو کیا سب آخری اُلجھن سمجھتے ہین
کسی بیکس کے آنسو تم نہ پوچھو اپنے دامن سے — کہ اہل ذوق اسکو حاصل شیون سمجھتے ہین
ہمین تک ہی فغان دلگداز و نغمۂ رنگین — ہمین کو خوشنوایان چمن دشمن سمجھتے ہین

وہی قطرہ لہو کا حاصل قلب و جگر سمجھو
کہ وہ بھی جسکو محوی رونق دامن سمجھتے ہین

احسن سہسوانی ناظم حلقۂ ادبیہ

آہ کوئی بھی نہین جان پُر ارمان کی طرف — درد ہے دل کی طرف دل غم جانان کی طرف
زندہ درگور رہا مین ترے ہاتھون ای زیست — کون لایا تھا بمجھے عالم امکان کی طرف
چاہتا تھا کہ کرون اُنسے تغافل کا گلہ — عشق مجبور ہوا احسن پشیمان کی طرف
ہوچکا نذر قفس ذوق تماشائے بہار — اب مین چھوٹون بھی تو جاؤن نہ گلستان کیطرف
اک زمانہ ہے ترے عہد مین دیوانۂ حُسن — لوگ کھنچ کھنچ کے چلے آتے ہین زندان کی طرف
جب نشیمن تھا تو صیاد بھی تھا برق بھی تھی — کون اب آتا ہے مجھ سوختہ سامان کی طرف

اک تماشا ہے مرا ذوق تماشا احسن
دیکھتے ہین وہ مرے دیدۂ حیران کی طرف

زمانہ

جلد ۳۸ اپریل سنہ ۱۹۲۲ء نمبر ۴

بدھ دھرم کا مستقبل

(از رائے بہادر پنڈت شیو نرائن شمیم)

سر ولیم ہنٹر کی رائے تھی کہ ہندوستان مین ایک مرتبہ بودھ مت کی لہر آئیگی لیکن نتیجہ کا پتہ نہین کیا ہو، کیا درحقیقت کوئی آثار اس لہر کے معلوم ہوتے ہین؟

ہم چند واقعات ذیل مین درج کرتے ہین۔ ناظرین نتیجہ خود نکال لین۔

(۱) کلکتہ مین ایک عظیم الشان مندر بودھ مت کا بنگیا ہے (سری دھرم راجیکا چیتین ہال)

(۲) بودھ گیا کے مشہور مندر کی نسبت یہ تحریک نہایت سرگرمی سے ہو رہی ہے کہ ویشنو فقیر کی تحویل سے مندر نکال کر بودھ مت کے فقرا کے سپرد کر دیا جاے۔ وہان ایک لکچر ہال بھی بنگیا ہے۔

(۳) صوبۂ مدراس مین ایک بودھ سوسائٹی بھی عرصہ سے قائم ہے۔

(۴) بودھ کی سلطنت کے وقت کی اتنی چیزین کھدائی سے برآمد ہوئی ہین کہ ہر ایک طالبعلم اور شائق تاریخ اُنکی جانب متوجہ ہے۔

(۵) اخبارون رسالون اور کتابون مین بودھ کے زمانۂ حکومت کے متعلق کثرت سے

واقعات شایع ہو رہے ہین۔

مندرجۂ بالا واقعات تو کھلے کھلے ہین۔ انکے علاوہ بعض ایسی باتین بھی ظہور مین آرہی ہین جنکی نسبت یہ تو نہین کہا جا سکتا کہ وہ بدھ مت کے زرین اصول کا نتیجہ ہین لیکن اتنا ضرور مترشح ہوتا ہے کہ بودھ مت سے انکا بہت تعلق ہے اور وہ خود بخود نمایان ہوتی جاتی ہین

(۱) حیوانون کی قربانیان ہندو مندرون مین روز بروز روبہ زوال ہین۔

(۲) باطل رسمون کا ازالہ ہوتا جاتا ہے۔

(۳) مروجہ مذاہب مین بجاے اختلاف بیانی کے ہم آہنگی اور مساوات کی کوشش ہو رہی ہے۔

(۴) مسئلہ کرم یعنی مکافات عمل پر بہت زیادہ غور ہو رہا ہے۔

(۵) ذات باری کے متعلق بھی عام خیالات تبدیل ہو رہے ہین اب خدا تعالی کو لوگ ایک ہیبتناک خشمناک شخصیت نہین سمجھتے جو انسان کے مانند ہو۔ یا جو رات دن دعائین سنتا رہتا ہو اور گاہے گاہے اپنے نظام مین دست اندازی کرکے باقاعدہ قدرت مین مستثنیات رکھتا ہو۔

(۶) ذات پات اور چھوت چھات کے قیود بھی رفع ہوتے جاتے ہین بلکہ بعض لوگون کا رجحان ہر مذہب اور ہر ذات مین ازدواج باہمی کرنے کا بھی ہے۔

(۷) حیوانی غذا کے استعمال کا بھی اتنا شوق نہین رہا۔ بلکہ بوجوہ چند در چند نباتاتی غذا زیادہ پسند خاطر ہونے لگی ہے۔ جانورون پر حتی الوسع بیرحمی کم ہو رہی ہے۔

(۸) منشیات کا استعمال (مہاتما گاندھی کی بدولت) اب کم ہو رہا ہے۔

(۹) پولیٹکل خواہشین یہان تک زور آور ہو گئی ہین کہ بعض جوشیلی طبیعتون مین مذہب کی صداقت کی جنبہ داری چھوڑ کر ہندوستان کے سب باشندون کو ایک مذہب مین منسلک کرنے کا خیال پیدا ہو گیا ہے۔

مندرجۂ بالا واقعات شاید ہمارے حسن ظن پر مبنی ہون۔ شاید بعض مقام پر ہمنے غلط اندازہ

کیسا ہو مگر اسمین کوئی شک نہین کہ بہت سے مندرجہ بالا واقعات صحیح ہین -

ہندی خاصۃ ہو گیا ہے کہ جب کسی اُصول یا کسی رسم یا کسی مسئلہ پر یورپ مین مُہر لگ جاتی ہے تو اُسکو فوراً قبولیت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے - یہی وجہ ہے کہ یورپین کتابون کے مطالعہ سے ہمین بودھ مت کا ذکر ہے ہندوستان کے باشندگان کی توجہ اسطرف منعطف ہو گئی ہے -

ہم اس امر کے جتلانے کی سیاورت نہین کرتے کہ آیا بودھ مت کی لہر ہندوستان مین آئیگی - اور آئیگی تو کب تک اور کسطرح سے آئیگی اور اُسکا کیا حشر ہوگا - ہم صرف اس پرچہ مین یورپ مین اس مت کی شہرت کا ذکر کرینگے - پیشتر اسکے کہ ہم اس موضوع پر کچھ لکھین اتنا کہنا مناسب سمجھتے ہین کہ وہان اسکی کافی شہرت ہو چکی ہوتی اگر پانچ سال کی جنگ عظیم اُسکے سدراہ اور مانع نہ ہو جاتی، خواہ یہ جنگ اور طرح سے بہت مُضر ثابت ہوئی ہے لیکن دل سب کے نرم ہو گئے ہین - مصیبت اور صعوبت اسقدر ظہور مین آئی ہے کہ ہمدردی انسانی کے اظہار کے لیے جابجا مواقع پیدا ہو گئے ہین - مورخ بتلاتے ہین کہ شہنشاہ اشوک ایک جنگ کی آفتین دیکھکر ایسا نرم ہو گیا تھا کہ بدھ مت کا پیرو ہو کر آخر کار خود بھی بھکشو ہو گیا - یورپ کو بھی اب یا تو حضرت عیسیٰ کی تعلیم جو بدھ مت کے قریب قریب ہے عملاً ماننی پڑے گی یا وہ بدھ مت اختیار کرے گا - اب سُنیئے کہ :-

انگلستان مین ایک سوسائٹی انٹرنیشنل بدھسٹ یونین کے نام سے چند سال سے جاری ہے اسکی شاخین یورپ کے تقریباً ہر ایک ملک مین قائم ہین - انگلستان مین شہر ڈنسٹیبل (DUNSTABLE) مین ۲۲ - نومبر گزشتہ کو اس سوسائٹی کے سکرٹری نے ایک نہایت عالمانہ لکچر اس دھرم پر دیا جسمین سات سو سامعین تھے - اس سوسائٹی کی کارگذاری پر پروفیسر سوزوکی (SOZ OKI) اڈیٹر اخبار ایسٹرن ہیرلڈ (جاپان) نے نہایت اطمینان ظاہر کیا ہے -

جرمنی کی شاخ سکرٹری مسٹر اسکر اسکلوس (MR OSKA RSCHLOSS) لکھتے ہین کہ جرمنی مین بودھ مت کی زندگی روز بروز ترقی پر ہے - بہت سی کتابین اس مضمون پر شایع ہوئی ہین دو رسالے جو اس دھرم کی تائید اور تبلیغ مین نکلا کرتے تھے باہم ایک ہو کر اب ایک متفقہ

رسالہ شائع ہوتا ہے۔

پروفیسر (CARLO FORMICHI) شہر روم سے لکھتے ہین کہ بدھ مت کے جاننے کا شوق روز افزون ساری اٹلی مین ترقی کر رہا ہے۔ سینٹ (SENATE) کے کئی ممبر اور کئی یونیورسٹی کے پروفیسر بدھ مت کے پیرو ہین اور اُسکا پرچار کرتے ہین علی ہذا مسٹر انرسیٹ ہافمین ( ) بھی شہر نیپلس سے یہی لکھتے ہین۔

فرانس سے مسٹر مالیرانک (MR MAL BRANCHE.) لکھتی ہین کہ بدھ مت کا مطالعہ جنگ کی وجہ سے چند سال کے لیے بند ہوگیا تھا اب پھر تازہ ہوگیا ہے۔ اسی طرح سے ڈاکٹر لینارڈ (DR LENARD) شہر وائنا سے لکھتے ہین کہ جنگ کی وجہ سے بدھ مت کا شوق پھیکا پڑگیا تھا اب پھر تازہ ہوگیا ہے۔

ڈنمارک اور فنلینڈ مین سے اس دھرم کا چرچا زور شور سے ہو رہا ہے رشیا (RUSSIA) روس کی ابتری اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ وہان مدت کے بعد چرچا ہوگا۔

ناظرین جرمن قوم کے شوق کا اس امر سے اندازہ کرسکتے ہین کہ اُس ملک مین دو ہزار پانچسو چوالیس کتابین اس دھرم کے متعلق شائع ہوچکی ہین اور اگر جنگ اتنے سال جاری نہ رہتی تو اس دھرم کے پھیلنے کی بہت زیادہ توقع تھی

امریکہ مین بھی اس دھرم کا پرچار بہت تھا جنگ سے رُک گیا تھا اب پروفیسر اڈمنڈ EDMUND CEVLONE SVDHISTIC ANNAL تازہ کررہے ہین

شمیم

تمام پولیٹکل زندگی مین ایک بات ہمیشہ میرے مدنظر رہی ہے۔ میری راے صحیح تھی یا میرا خیال غلط تھا۔ لیکن میری یہ کوشش ہمیشہ رہی ہے کہ اپنے عقائد کے مطابق عمل کرون خواہ اسمین مجھے کتنی ہی دقت ہو۔

گارفیلڈ

اکبر مرحوم کے چند خطوط

(۱۵)

الہ آباد ۲۲- فروری ۱۹۰۸ء

عنایت فرمائے من - آپ سے بہت نادم ہون - لیکن کیا کرون - کچھ لکھ لیتا ہون پڑھ نہین سکتا - قابل آدمی انتخاب کے لیے ملتا نہین - اب یہ ترکیب ذہن مین آئی ہے کہ زمانہ کے نام سے ایک کاپی الگ ہو اُسمین آپ ہی کے لیے مضامین ہون - انشا اللہ کچھ مضمون جلد بھیجون گا - آپ کا پرچہ کب نکلے گا ؟

بہ سبب میری معذوری کے اشاعت کُلیات مین بہت دیر ہوئی اور بہت خرچ ہوگیا - عشرت حسین نے اہتمام کیا تھا لیکن اب وہ عدیم الفرصت ہین - ایک کارڈ[۵] آپ کے نام جاتا ہے براہ مہربانی اپنے پرچہ مین نمایان طور پر مندرج فرما دیجئے - آیندہ اشاعت کی نسبت سوچ رہا ہون لیکن خود اس جھگڑے مین نہین پڑا چاہتا - حال کا کلام بھی کچھ جمع ہو گیا ہے -

اکبر حسین

(۱۶) (کارڈ)

(بلا تاریخ)

ڈیر فرینڈ - کاتب کو پڑھا دینے کی وقت ہے اس سبب سے ہنوز مضمون نہین جا سکا - آپکا پرچہ کب شایع ہوگا - مین چاہتا ہون کہ کوئی موقع ہو مین کانپور آؤن اور آپ سے باتین ہون - کلیات اکبر کا اشتہار عشرت میان کی طرف سے دیجئے "سید عشرت حسین ڈپٹی کلکٹر سیتاپور"

مین اسکے متعلق کام کرنے سے معذور ہون - عشرت حسین نے چھپوایا اور چارج لے لیا - مجھکو

---

[۵] اسمین کلیات اکبر کا اشتہار تھا -

نظر ثانی کا اور انتخاب کا موقع نہین ملا۔ مجھکو یقین ہے کہ آپ دوستانہ نگاہ سے دیکھین گے اگرچہ میرا مقصود عمدہ ہے اور اکثر طعن کے پیرایہ مین نصیحت کی گئی ہے لیکن ممکن ہے کہ کلام ظرافت سابق مین کہین حد تہذیب سے تجاوز ہوا ہو۔

عظمت علی عشرت کے ایجنٹ بلکہ محرر ہین لیکن انکا نام رکھیے۔ اکبر

(۱۷)

الہ آباد - ۱۹ - اکتوبر ۱۹۰۹ء

عنایت فرمائے من۔ آپ کا خط پڑھکر پہلے ہی جو بات ذہن مین آئی وہ یہ تھی۔

عزیز از جان۔ یہ آرزو آپ کو کسطرح آگئی۔ آپ کہین گے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ جی ہان یہ ایک بات ہے اور بڑی بات ہے۔

خیر صاحب اب کام کی باتون پر متوجہ ہون۔ کلیات کی جلد مین نے مخزن سے واپس منگائی چونکہ غلطیان بہت ہین اور کچھ اور ترمیم ضروری ہے اسلیے یہ کام باوجود میری معذوری کے میری ہی حاضری مین ممکن ہے۔ عشرت اگرچہ قابل منتظم ہین لیکن وہ بھی نہین کر سکتے۔ نہ وہ یہان ہین۔ ہان ایک کام ترتیب اشعار کا بھی ہے جو حتی الامکان مضامین کے مطابق ہونی چاہیے لیکن اول تو مین نے مصلحتاً مضامین کو خلط ملط رکھا ہے دوسرے یہ کام بغیر اسکے نہین ہو سکتا کہ مین خود آنکھون سے کام لون۔ خیر اسوقت جو کچھ ہو سکے ہو جانا چاہیے۔

جلد کلیات پر تصحیح اغلاط کے لیے نظر ثانی ہوتی جاتی تھی کہ آپ کا خط پہونچا۔ رجسٹری کرا کے اسی کو بھیجتا ہون جہان تک جلد ممکن ہو نشان کر کے اور مضمون کا حوالہ دیکر واپس فرمائیے وہی تین دن مین۔ اکبر

(۱۸)

بلا تاریخ - غالباً کسی خط کا جواب نہ پہونچنے پر تحریر ہوا ہے۔

مین نگاہون سے تم کی گر گیا[1]	بیٹھے مجھ سے زمانہ پھر گیا
تھی بتون سے مجھکو امید وفا	میرے دل سے یہ خیال آخر گیا

[1] اکثر خطوں مین پہلے اشعار تحریر فرماتے تھے اور پھر چند سطرین نثر مین۔ اشعار درج رسالہ کر دیے جاتے تھے خطوط اب ہدیۂ ناظرین ہین یہ اشعار پہلی مرتبہ شائع ہو رہے ہین۔

مجھ پر ستم بروزِ سلوٹ[ٹہ] نہ کیجئے　　للہ بات مانیئے نو نو نہ کیجئے

کل کی سدا نہ جلوۂ فطرت نہ لطف دید　　بہتر یہی ہے خواہش نو نو[ھ] نہ کیجئے

تو حشر کا منکر ہے جو اے فتنۂ دوراں　　کہتا ہے کہ نیچر میں پتا اسکا کہاں ہے

نیچر ہی سے اُبھرا ہے ترا قامتِ رعنا　　نیچر ہی میں واللہ قیامت بھی نہاں ہے

عنایت فرماے من - آپ نے میرے نیاز نامے کو داخل دفتر کر دیا - مجھکو بیحد افسوس ہے کہ کلّیات میں میرے علم و ارادے کے بغیر بعض پُرانے خارج شدہ شعر درج ہو گئے آپ نے مدد نہ دی میں ہنوز معذور و مجبور ہوں -

اکبر

(۱۹)

الہ آباد ۱۵ - اکتوبر ۱۹ء

ڈیر فرینڈ - میں نہایت ممنون ہونگا آپ بحوالہ صفحہ اشارات لکھدیجئے کہ کون سے اشعار قابل اخراج ہیں - زیادہ نہونگے - اس باب میں آزادی سے کام لیجئے - میں مانوں یا نہ مانوں، لیکن غالباً سب بخشیں مان لونگا - اصل تو یہ ہے کہ کل کتاب ترتیب جدید کی محتاج ہے - بغیر اسکے بہت سے جواہر عوام کی نظروں سے نہاں ہیں لیکن یہ کام تو بغیر میرے نہیں ہو سکتا اور میں محتاج آنکھوں کا ہوں - خدا آپریشن کو کامیاب کرے تو سب کچھ ہو ورنہ بعد میرے کچھ ہوتا رہے گا -

اسوقت وہ شعر جو پولیٹکل طور پر خطرناک[ٹہ] (غالباً ایسا کوئی شعر نہوگا) ہو یا شاعرانہ حد سے زیادہ خلاف تہذیب ہو، یا کسی مسلمان یا ہندو کو مذہباً رنج دہ ہو (ایسا بھی کوئی شعر نہیں ہے) بدگمانی سے قیاسات کی اور بات ہے - میں نے تو آزادانہ کہا ہے - بہرکیف نہایت ممنون ہونگا حسب تحریر سابق اُن اشعار کا حوالہ دیجئے جو آپ کو قابل اخراج نظر آئیں - اگر آپ نہ کہتے اور دوسرے اطلاع ملتی تب بھی میں ترمیم کرتا -

A H

[ھ] ہندوستان کا تہوار جو برسات میں ہوتا ہے [لہ] (نہیں نہیں) [ٹہ] مشین - [ٹہ] فوٹو گراف [ھ] زمانہ میں کلیات اکبر پر تنقید کے سلسلے میں یہ شکایت کی گئی تھی کہ مجموعہ میں بعض اشعار خلاف تہذیب بھی درج ہو گئے ہیں - خط میں بھی غالباً راقم نے یہی شکایت کی ہوگی، [ٹہ] اکبر مرحوم نے اپنے عہد کے تمام اہم ملکی مسائل پر اظہار رائے کیا ہے اور انگریزی طرز معاشرت، اور انگریزی حکومت دونوں کی خوب پھبتیاں اُڑائی ہیں - تاہم وہ ہر وقت بہت محتاط رہنا چاہتے تھے - اسلئے [illegible]

نوٹ - یہان تک جتنے خطوط شایع کیے گئے وہ سب ۱۹۰۳ء و ۱۹۰۸ء کے درمیان موصول ہوئے تھے - اب ذیل مین ۱۹۱۴ء و ۱۹۱۸ء کی خط و کتابت مین سے چند خطوط جو محفوظ رہ گئے ہین ہدیۂ ناظرین ہین - افسوس ۱۹۱۰ء و ۱۹۱۴ء کے درمیان کی چٹھیان کوئی باقی نہین ہین -

(۲۰)

الہ آباد - ۱۲ جون ۱۹۱۴ء

مکرمی - آپ کا خط پہونچا - آپ سے قدیم اور دلی تعلق و محبت ہے - دلگیر کا یجین[۱] تھا کہ آنھون نے ایسے خیالات کا اظہار کیا - مین نے تو مناسب جواب بھی دیدیا تھا - آپ کچھ خیال نہ کیجیے اسوقت دُنیا کا رنگ ہی دوسرا ہے - پریشانی، بدگمانی، بہت کچھ قابل معافی ہے . . . . .

. . . .

مین اپنا حال کیا لکھون - یہ عمر یہ علالت و ناتوانی - پھر یہ الم جانگزا - زندگانی بار ہے - کوئی تعلق نہین - کوئی اُمنگ نہین - عادتاً کبھی کچھ اشعار نظم کر لیتا ہون - بدقسمتی اور بعض صاحبون کی نادانی سے ایسی ہوا چلنے لگی ہے کہ سب کو بالخصوص متوسلان گورنمنٹ کو سخنگوئی مین بہت کچھ احتیاط فرض ہوگئی ہے - کیا ان حالات پر ہم یہ کہ سکتے ہین کہ ہم ایک اچھے زمانے مین ہین - حال مین مین نے چند اشعار موزون کیے تھے جسطرح اور اشعار مسودون مین بہ انتظار طبع حصہ سوم رکھے ہوے ہین اسی طرح انکو بھی رکھ چھوڑا تھا - لیکن یہ دیکھکر کہ بعض حضرات نے اخبارون مین شکایت طرز تعلیم کی ہے - اخبار انگریزی مین بھی دیکھا اُردو مین بھی . . . . . (ناتمام) بقیہ حصہ کسیطرح گم ہوگیا ہے

(۲۱)

عنایت فرماے من - مین نے ایک قطعہ درباب تعلیم کے بھیجا تھا آپ کے کسی پرچے مین چھپا - اگر خلاف مصلحت ہو تو جانے دیجیے - اور کوئی مضمون بھیجونگا - منشی نوبت راے صاحب کہان ہین کیا کرتے ہین - اپنی خیریت لکھیے -

۲ - اگست ۱۹۱۴ء

اکبر حسین

(۲۲)

---

[۱] دلگیر صاحب نے غالباً زمانہ پر کچھ چوٹ کی تھی -

الہ آباد - ۲۲ - جولائی ۱۹۱۵ء

عنایت فرمائے من - آنریری مجسٹریٹی کی مبارکباد دیتا ہون - آپ کی کارگذاری لائق داد ہے

لٹریری قابلیت ہر محفل مین شمع بنا سکتی ہے - دل کا سانچا ملائم ہونا چاہیے -

ہماری دُنیا تو ختم ہو چکی ہے - تو اس سے مجبوری ہے -

افسوس ہے کہ آپ سے ملاقات نہ ہوئی - آپ ملتے تو بہت سی باتین ہوتین - خیر پھر کبھی

زندگی شرط ہے -

اکبر حسین

(۲۳)

الہ آباد - ۲۸ - جنوری ۱۹۱۶ء

ڈیر نگم سلمہ اللہ تعالی - آپ کی محبت و سعادتمندی سے دل خوش ہوا - آپ کی جو کچھ ترقی ہو

حق بجانب ہے - لیکن آپ نے قیمت[۵۱] نہین تحریر فرمائی - یہی زحمت کیا کم تھی کہ آپ نے توجہ کی

پارسل بھیجا خط لکھا

قیمت سے مطلع فرمائیے -

نسبت مبارک ہو

اکبر حسین

(۲۴)

الہ آباد ۱۸ جنوری

ڈیر نگم صاحب[۵۲] - خدا خوش رکھے

آپ داد بھی دیتے ہین خلعت بھی دیتے ہین - لوئی اوڑھکر آپ کا ریویو پڑھتا ہون اور تھینکس

ادا کرتا ہون - اسکولی تقریظ آپنے خوب کی ماشاءاللہ

ایک امر کی تصحیح[۵۳] ضروری ہے "چھوٹے ہین ہم تو آپ ہین چھوٹون کے بادشاہ" اسکا مصنف

---

۵۱ اولن مل کے لوئی کی فرمائش تھی جسکی تعمیل پر یہ نوازش نامہ موصول ہوا تھا

۵۲ اردو شعرائے حال کے عنوان سے زمانہ اکتوبر ۱۹۱۵ء مین کلام اکبر پر ایک تنقیدی مضمون شایع ہوا تھا - اسپر

۵۳ اسی تنقیدی مضمون مین یہ شعر عام خیال کے بموجب جناب اکبر مرحوم سے منسوب کیا گیا تھا -

مین نہین ہون - خود اودھ پنچ یا اسکا کوئی نامہ نگار ہے - امید کہ آپ نوٹ کر دیجئے - اسی طرح
ایک شعر "ہوم رول لینگے - گو لر کا پھول لینگے" میرے نام سے مشہور ہو گیا ہے - حالانکہ اسکے
مصنف اور مستحق داد برادرم نواب شیخ احمد حسین صاحب تعلقہ دار پریانوان ملک اودھ ہین
مین ۵ - سے ۰ - اکتوبر تک سخت بیمار رہا مسہل سے افاقہ ہوا، ہنوز ناتوان ہون - آپ میری
مدح کرتے ہین مین جھک کر سلام کرتا ہون - لیکن اب مین قومی شاعر نہین رہا - نہ ایسی قابلیت ہے

چو بادِ صبا بر گلستان وزد　　بچمیدن درختِ جوان را سزد

مغموم و افسردہ آمید وار، آخرت گوشۂ عزلت مین پڑا ہون - ہر کسے بجز و نوبت اوست،

اکبر

(۲۵)

ڈیر سر - اُدھر مین نے خط لکھا ادھر آپ کا خط پہونچا - دل کو دل سے راہ ہے - آپ میری بہت
مدح کر چکے ہین - آپ کی بصیرت قابل داد ہے - ایسے لائق سخن شناس کم ہوتے ہین - مین نہ رہونگا
لیکن آپ میری یاد کو بہت دن زندہ رکھین گے -

اکبر حسین

۱۰ ۲۰

(۲۶)

(کارڈ)

الہ آباد - ۴ - مئی ۱۹۱۸ء

ڈیر فرینڈ - سابق مین سُنا تھا کہ آپ کی طبیعت صحیح نہین - پھر مدت سے کچھ حال نہین معلوم ہوا
امید ہے کہ خیریت سے اطلاع دیجئے - مین خود بشکل زندون مین شمار ہو سکتا ہون - لیکن آپ
احباب قدیم مین یاد آ ہی جاتی ہے -

خاکسار اکبر

(۲۷)

(کارڈ)

۲۷ - مئی ۱۹۱۸ء

عزیزم سلمہ - اول تو آپ کے بزرگون سے مجھسے مراسم تھے - دوسرے آپ میرے بہت
ابتدائی پبلشرون مین سے ہین - تیسرے قیمتی تحائف - چوتھے آپ کی سلامت روی -
ان وجوہ سے آپ کو یاد رکھتا ہون - اور نیاز نامہ لکھنا تھا - ورنہ مین اب بہت کچھ معذور

---

[1] تحائف درحقیقت تحفہ مجھے بزرگانہ نوازش کا اظہار ہے -

ہوں اور معذور ہوتا جاتا ہوں۔ نہ نشاط طبع ہے نہ حرص فردا۔

بہرکیف آپ کا ارشاد پیش نظر رہے گا۔

A.H

(کارڈ)

(۲۸)

الہ آباد ۲

ڈیر سر۔ کلام محروم حصہ دوم حال میں شایع ہوا ہے۔ اسکی ایک کاپی مصنف صاحب نے مجھکو بھی عنایت فرمائی تھی۔ مجھکو یاد نہ رہا تھا کہ میں نے اُسکے ٹیٹل پیج پر چار مصرعے لکھ دیے تھے اسوقت میرے ایک نوجوان دوست حسن عزیز صاحب بھوپالی نے خیال دلایا۔ لہذا وہ نظم ارسال خدمت کرتا ہوں۔

رنجور و ناتوان اکبر

ہے داد کا مستحق کلام محروم — لفظوں کا جمال اور معانی کا ہجوم

ہے اُنکا سخن مفید و دانش آموز — اُنکی نظموں کی ہے بجا ملک میں دھوم[1]

(۲۹)

۲۴۔ نومبر ۱۹۲۰ء

میرے محترم عنایت فرما۔ بیماری، ناتوانی، ترددات، نے نکما کر دیا ہے۔ حکم کو ٹال نہ سکا۔ بمشکل کچھ اشعار نقل کرکے ارسال خدمت کرتا ہوں۔ قدر افزائے اکبر کو خدا خوش رکھے

۲۴/۱۱ ۔۲۰

اکبر

---

[1] یہ اشعار زمانہ میں شایع کر دیے گئے تھے جسپر ہمارے عزیز دوست محروم صاحب نے ایک خط مورخہ ۱۲۔ مئی ۱۹۲۰ء میں جناب اکبر کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کیا ہے

مارچ نمبر میں حضرت اکبر کی رُباعی کلام محروم کے متعلق پڑھی۔ مناسب ہے کہ زمانہ ہی میں انکا شکریہ ادا کیا جائے۔ لہذا بیجا نہو گا اگر زیر ترتیب نمبر میں یہ رُباعی شایع فرما دیجئے۔

رُباعی

طبع موزون خدائے برتر سے ملی — تاثیر کلام قلب مضطر سے ملی

آیا مجھکو یقین کہ شاعر ہوں میں — جب داد سخن جناب اکبر سے ملی

اکبر کا مذہبی نقطہ نظر

فلسفی، پولیٹیشن اور لکچرار خواہ کچھ ہی کیون نہ کہین، لیکن مسلمانون کے تنزل اور تذلیل کی زیادہ تر وجہ مذہب اور مذہبی فرائض کی غلط فہمی اور کلام اللہ سے عام بے توجہی ہے، اور جب تک یہ حالات درست نہونگے اُسوقت تک ترقی اور نشو ونما کی کوئی اسکیم کامیاب نہین ہوسکتی - یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسکا اعتراف ہر سمجھدار شخص کو ہے، مگر بدقسمتی سے ہملوگون مین ایک فرقہ ایسا پیدا ہوگیا ہے جو کلام مجید اور اُصول مذہب کو اپنی مخصوص ملکیت سمجھتا ہے اور مسلمانون یا عام عالم انسانیت کو اسکا اہل نہین سمجھتا اور حدیث و فقہ کی چند کتابون کا پڑھ لینا تکمیل ایمان و اسلام کا مرادف سمجھتا ہے - کلام اللہ مین غور و خوض کی ہدایتین جسقدر بتکرار آئی ہین اُسقدر شاید ہی کسی دوسرے رکن مذہب کے متعلق ہون لیکن اگر کوئی شخص جو مذکورۂ بالا فرقہ کا نہین ہے مسائل اسلام پر غور و خوض کرتا ہے اور اسلام کا سچا درد لیکر اپنی سمجھ کے مطابق رسول خدا کے اصلی پیغام کو عوام الناس تک پہونچانا چاہتا ہے تو اُسے کافر ملحد کا لقب ملتا ہے - اس قسم کے نظام کی فطرتاً جو خرابیان ہوتی ہین وہی ہوبہو اس وقت کے مسلمانون مین موجود ہین اور صدیون کی روایات نے اسکی زنجیرون کو اسقدر جکڑ دیا ہے کہ اس قوم کا عہدہ برآ ہونا دشوار ہے - ہر شخص جانتا ہے کہ آجکل مسلمانون مین نام نہاد نماز کے پڑھنے والے اور تراویح اور شبینہ کے گرداننے والے نسبتہً دیگر مذاہب کے پابند مذہب لوگون سے زیادہ ہین، لیکن باوجود اسکے دقیق النظر علمائن، فلسفہ و سائنس دانون، سائنٹفک اختراعات کرنے والون اور ریل اور ہوائی جہاز بنانیوالون مین اگر دیکھا جائے تو شاید ہی کوئی مسلمان نظر آئیگا - برعکس اسکے شرابیون، قماربازون، اوباشون اور جرائم پیشہ لوگون اور جاہلون کی فہرست مین ان ناموں کی کوئی کمی نظر نہ آئیگی - اب یا تو انّ الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر

کو نعوذ باللہ غلط سمجھے اور یا یہ کہے کہ ہماری عبادتوں پر عبادت کا اطلاق ہی غلط ہے کیونکہ آمنوا باللہ وبالیوم الآخر وعملوا الصالحات کے تین اہم اصول جو اسلام کے روح روان ہین، انکا تو کہین پتہ نہین، اور رفع یدین، آمین بالجہر، اور ہاتھ باندھکر یا کھولکر نماز پڑھنے پر سارے اسلام کا دارمدار ہے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ سُنّی، قادیانی، وہابی، غیر مقلد وغیرہ وغیرہ تو ہزارون ہین لیکن مسلمان بہت کم نظر آتے ہین۔

اکبر مرحوم نے اس نکتہ کو بخوبی سمجھ لیا تھا اور گو وہ بظاہر انھین ملّانون کے بتائے ہوے طریقے پر چلتے تھے لیکن انکی نظرین انکی ظاہری بود و باش سے بہت ارفع تھین اور انھون نے اپنی شاعری کے ذریعہ سے مسلمانون کے کان کھولنے کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا۔ وہ ایک زبردست مصلح قوم تھے لیکن انکی طبیعت صلح کل تھی، اور کہنے کو تو وہ سب کچھ کہتے تھے اور سُننے والون پر اثر بھی ڈالتے تھے، لیکن انکی سخت سی سخت بات بھی سُنکر کوئی اُنسے ناراض نہوتا تھا۔ اُنھون نے جہان کہین اور جس شخص مین کوئی خرابی دیکھی، وہین پر صاف صاف کہدیا، لیکن وعظ و نصیحت کی خشکی پر مذاق اور ٹھٹھول کا روغن تمازملکر ع

کلوخ انداز را پاداش سنگ است

کی زد سے بچ گئے اور باوجودیکہ وہ عمر بھر ملّانون سے احتراز کا وعظ کرتے رہے لیکن آپ پر کفر یا الحاد کا فتوی نہین لگا، اور یون ہی ہنستے کھیلتے وہ جو کچھ کر گئے وہ ہدایہ اور قدوری والون سے حشر تک بھی نہین ہو سکتا تھا۔

اکبر کا مذہبی معیار جانچنے کے لیے کلیات اکبر مین بہت کافی مصالحہ موجود ہے اور نقاد اور دقیق نظرین انہین اس عظیم الشان شاعر کے دماغی نشو و نما کے تمام مدارج دیکھ سکتی ہین۔

سب سے پہلی بات جو کلام اکبر مین ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اکبر مرحوم بہت پکے موحد تھے اور ایمان اور خلوص اُنکے مذہب کا اصل اصول تھا۔ فرماتے ہین۔

جو اصل کار دین ہے وہ فقط وحدت فقط اک ہُو مذاہب کو بہت جانچا بس اپنے منھ میان مٹھو

(ملاحظہ ہو کلام باری تعالی جل شانہ لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمنوا باللہ الخ)

فلسفیوں میں یہ مسئلہ مدتوں سے مابہ النزاع ہے کہ بہترین نیکی (SUMMUM BONUM) کیا ہے لیکن آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے یہ مسئلہ نہایت ہی صاف الفاظ میں حل کر دیا گیا ہے۔ کاش مسلمان پڑھتے اور سمجھتے! اسی توحید اور ایمان کی طرف اکبر مرحوم نے بار بار اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں

ہر شیخ یہ کہتا ہے عقاید ہیں تو یہ ہیں توحید یہ کہتی ہے زوائد ہیں تو یہ ہیں

اور اس معاملہ میں اکبر مرحوم کا ایمان اسقدر پختہ تھا کہ وہ اسکے سامنے کسی چیز کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

شرک چاہے بہائے میرا لہو میں نہ چھوڑوں گا لا شریک لہٗ

خالی خولی ٹکریں لگانا، جسے آجکل کی اصطلاح میں نماز کہا جاتا ہے، اُسے اکبر مرحوم نجات کیلیے کافی نہیں سمجھتے تھے اور انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ یہ نماز وہ نہیں ہے جسکی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور جو واقعی خواہش و مناہی سے بچانیوالی ہے۔ فرماتے ہیں۔

دوش از صحن حرم آمد بہ کالج قوم ما دیدنی گر دیدہ است اکنون صلوۃ و صوم ما

لیکن خضوع و خشوع محض حدیث و فقہ پڑھنے سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ یہ ایک قلبی کیفیت پر مبنی ہے جسکا نام ایمان ہے، اور ایمان مظاہر قدرت کے مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں

حدیث و فقہ پڑھکر شیخ بننا خوب ہے لیکن زمین و آسمان کو دیکھکر پہلے مسلمان ہو

پھر فرماتے ہیں۔

کرتے پھرتے ہو بہی تحقیق کسنے کیا کہا اپنے دل کی بھی خبر تو لو کہ اسنے کیا کہا

. . . .

کہہ گئے واعظ فسانے یہ بھی اکبر غور کر تجھسے فطرت کی زبان میں تیرے حسن نے کیا کہا

تاہم اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ علوم مروجہ اور فلسفہ سائنس دیکھکر آدمی مذہب پر رائے زنی کرنے کا اہل ہو جاتا ہے تو یہ بھی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں۔

اسطرف تو نے ہسٹری رٹ لی اُسطرف جا کے فلسفہ بھانکا
لیکن اکبر خیال عقبےٰ میں نار و جنت کو بھی کبھی جھانکا

(کلام پاک:- الھٰکم التکاثر حتی زرتم المقابر... لترون الجحیم ثم لترون الجحیم......
ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم)

غرضکہ وحدت کا احساس علوم فنون اور فلسفہ و سائنس سے بالاتر ہے اور منطقی مباحث سے ایمان کی تکمیل ناممکن ہے۔ فرماتے ہین۔

خدا کے باب مین یہ غور کیا ہے؟ خدا کیا ہے، خدا ہے اور کیا ہے!

(کلام پاک: یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی

اس روحانی راستہ کے لیے رہنما کی ضرورت نہین ہے بلکہ جسقدر خلوص اور لگاؤ ہو گا اُسی قدر راستہ سہل ہو گا۔ فرماتے ہین:۔

ضرورت کم ہے راہِ عشق مین خضرِ ہدایت کی بقدرِ شوق سالک خود کشش ہوتی ہر محل سے

غالب کہتا ہے:۔

لازم نہین کہ خضر کی ہم پیروی کرین مانا کہ اِک بزرگ ہمین ہم سفر ملے

لیکن اسکے بعد ہی جب ہم اکبر ہی کے کلام مین یہ شعر دیکھتے ہین کہ:۔

عاقبت کیلیے کافی ہے فقط ذکر خدا سوشل اغراض کو کچھ پیر بنا رکھے ہین

اور نیز:۔

شیخ جی بھی وہی کرتے ہین جو سب کرتے ہین ابتو ہم مصلحتاً انکا ادب کرتے ہین

تو ہمین نظام معاشرت کی اُن زبردست زنجیرون کی قوت کا احساس ہوتا ہے، جنکا توڑنا ہر شخص کا کام نہین اور جنکی طرف خود ہی اکبر مرحوم نے اشارہ کیا ہے:۔

پچھاڑین کھاتے ہین کھنچتے ہین پکڑتے ہین شیخ جی کا دامن
مگر مشینین جو چل رہی ہین انھین مین پیسے گھسٹ رہے ہین

اس نقطۂ خیال کو ہم کہان تک اکبر مرحوم کی اخلاقی کمزوری کہہ سکتے ہین، اس بحث کی ہم اس جگہ گنجائش نہین دیکھتے، لیکن ایسی حالت مین جبکہ ہماری سوسائٹی کا سارا نظام گبڑا ہوا ہو اور بقول اکبر:۔

کیا ناز ہو ایسی ساعت پر، افسوس ہے ایسی حالت پر
یا جھوٹ کہے یا کچھ نہ کہے، یا کفر کرے یا کچھ نہ کرے

ایک شخص کا بلا لحاظ کفر و الحاد کے فتوون کے کھڑا ہو کر حقیقت حال سے باخبر کرنا بذات خود

ایک نہایت ہی اہم کام ہے اور اکبر مرحوم ایسی صورت مین ہر طرح سے قابل تحسین اور محسن قوم ہین اور جو راستہ انھون نے دکھا دیا ہے اگر اُسکی طرف آیندہ نسلون نے کچھ بھی توجہ کی تو یہ ایک مہتم بالشان کام ہوگا۔

اس وقت نظری اور عالی خیالی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اکبر مرحوم ہر قسم کے مذہبی تعصبات اور تنگ خیالیون سے بالاتر تھے اور اُنھون نے کلام پاک کے اس رمز کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ اشخاص قابل نفرت نہین ہوتے بلکہ افعال ہوتے ہین۔ فرماتے ہین:۔

میرے نزدیک تو بے اصل یہ اشکال ظاہر ہین
جو اچھے ہین وہ مومن ہین بُرے جو ہین وہ کافر ہین

اور نیز:۔

اچھا بُرا نہ کہدو تم مذہبی بنا پر
اخلاق اُسکے دیکھو اصلی تو ہین یہ جوہر

اور اسی لیے اُنھین مذہبی مباحث سے نفرت تھی۔ فرماتے ہین:۔

مذہبی بحث مین نے کی ہی نہین
فالتو عقل مجھ مین تھی ہی نہین

اور ایسے مباحث کو وہ قومی ترقی کے منافی سمجھتے تھے:۔

لات و عزیٰ سے چھٹے تو زید و خالد مین پھنسے
فائدہ کیا خلق کو پہونچا درِ اسلام سے

کاش ہمارے مسلمان بھائی اس باریک نکتہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے تو اُنھین معلوم ہوتا کہ رسول کریم کے بتائے ہوئے راستہ سے ہم کتنی دور ہٹ گئے ہین

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ وعظ فرما رہے تھے کہ سامعین مین سے ایک صاحب کو حال آگیا اور وہ جھومنے لگے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اُنھین مسجد کے مینار پر لیجاؤ اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ابھی سے اسلام مین اس قسم کے فسادات پیدا کرنے لگے۔ آج ہمارے یہان ایک فرقہ حال و قال کو اصل مذہب بنائے ہوئے ہے اور دوسرا فرقہ محض ظاہری اور سطحی باتون پر کٹا مرتا ہے۔ اکبر مرحوم نے اپنی دقیق نظرون سے دیکھ لیا کہ یہ دونون فرقے راہ راست سے علحدہ ہین ؎

جو جرا کے جاننے والے تھے صوفی ہوگئے
داستانِ بدر والے شیعہ سنی ہوگئے

انسان کا جسم روح اور مادہ سے مرکب ہے اور سچے مذہب کا یہ کام ہے کہ وہ ان دونون کی

نگہداشت کرے اور دونون کی بحیثیت مجموعی ترقی کے وسائل بتائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اسکا ایک بہترین نمونہ تھی لیکن افسوس ہے کہ اس زندگی کے ہمنے ٹکڑے ٹکڑے کردیے اور ایک ایک حصہ کو لیکر سیکڑون فرقے بنا ڈالے۔ اکبر مرحوم نے اس شعر مین اشارۃً کہدیا ہے کہ اصلی اسلام اس پاک زندگی کے بحیثیت مجموعی مطالعہ کا نام ہے نہ کہ اُسکی محض جزوی اور فروعی تقلید کا۔ آجکل بعض مسلمان کوا پریٹر شد و مدسے اسکے مدعی ہین کہ اہنسا یا عدم تشدد اُنکے مذہب کے خلاف ہے لیکن اُنھون نے شاید اُسپر غور نہین کیا کہ یہ خیال بھی رسول اللہ کی زندگی کے ٹکڑے ٹکڑے کردینے سے پیدا ہوا ہے تاہم یہ بحث بھی خالی از طوالت نہین۔

لیکن باوجود اس احساس کے اکبر مرحوم کی شاعری کا رجحان زیادہ تر خالص روحانیت کی طرف ہے جسکی وجہ غالباً بعض پرائیویٹ حالات اور زندگی کے تلخ تجربات ہین۔

بہرحال اکبر مرحوم کے نزدیک مذہب ایک زندہ حقیقت تھی اور محض چند عقاید یا سطحی فروعات کے مجموعہ کا نام مذہب رکھنا اُنکے نزدیک ناجائز تھا۔ فرماتے ہین:۔

جب قدم راہ طلب مین نہ بڑھے اے اکبر بیٹھکر پانون ہلانے کا نتیجہ کیا ہے

ایک جگہ اور فرمایا ہے:۔

آمنو مین تو سب کے آگئے ہین اعملو الصالحات مشکل ہے

اس سلسلہ مین اکبر مرحوم نے عقل و مذہب کے تعلق کو اس خوبی سے دکھایا ہے جسکا جواب ممکن نہین:۔

عقل مذہب سے دوستی رکھے نہ تو دشمن ہو اُسکی اور نہ غلام

لیکن دوستی بغیر ایک دوسرے کے خصائل جانے ہوے اور طبیعت کا اندازہ کیے ہوئے پائیدار نہین ہوتی اسلیے اکبر مرحوم نے ان دونون کے افعال و خواص بھی الگ کردیے ہین۔ فرماتے ہین۔

خوب اکبر نے یہ اُڑائی تان عقل ہے آنکھ اور مذہب کان

گناہ اور ثواب کے متعلق فلسفیون اور علماؤن مین بہت کچھ چھیڑ چھاڑ چلی جاتی ہے لیکن اکبر مرحوم نے اپنی فطری ذکاوت سے اس مسئلہ کو بھی اسطرح حل کردیا ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش نہین رہی۔ فرماتے ہین۔

شگفتہ پایا طبیعت کو بعد کار ثواب　　دلیر دل کو نہ پایا کبھی گناہ کے بعد

ایک اور نہایت ہی مہتم بالشان مسئلہ جو قضا و قدر کے نام سے مشہور ہے - اکبر مرحوم کے نزدیک نہایت ہی سہل تھا اور مندرجۂ ذیل شعر پڑھکر ہر شخص یہی سمجھنے لگیگا -

دست قدرت مین ہی یہ خاک چمن اے اکبر　　اس سے کیونکر یہ کہون پھول ہی بن خار نہین

مغربی حکومت اور مغربی تہذیب کے رواج کا جو تباہ کن اثر عام ہو رہا ہے اس سے اکبر مرحوم بیخبر نہ تھے اور اس معاملہ مین آپ نے ابنائے قوم کے کان کھولنے کا کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا فرماتے ہین :-

وہ اسکو محو کلیسا بنا کے چھوڑینگے　　اس اونٹ کو خر عیسیٰ بنا کے چھوڑینگے

علماء کا طبقہ اس اثر سے سب سے زیادہ متاثر ہے اور اکبر مرحوم کی دوربین نگاہین اس نکتہ کی تہ کو پہونچ جاتی ہین - فرماتے ہین -

کیا ہے باقی جناب قبلہ مین　　کچھ حدیثین ہین ایک ڈنڈا ہے

یہی وجہ ہے کہ اکبر مرحوم زمانہ حال کی تہذیب کی ظاہری نمائشون کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اسے مذہب و قوم کے لیے سم قاتل سمجھتے تھے فرماتے ہین -

فلسفہ اُنکا اُنھین کی چال کا ہمدوش ہے

انہین دولت خیسو ہے اور ہمین مذہب نوش ہے

اس نظام معاشرت کی مذمت مین اکبر مرحوم کے ہزارون اشعار ہین لیکن طوالت اور خلاف موقعہ ہونیکے لحاظ سے اسی پر اکتفا کیجاتی ہے

اوپر کی مختصر بحث اکبر مرحوم کے مذہبی نقطۂ نظر کا ایک سرسری خاکہ ہے اور ہم اپنے یہان کے مشاہیر اہل قلم کو توجہ دلاتے ہین کہ وہ اس حیثیت سے کلام اکبر کا مطالعہ کرین اور اسکی باضابطہ تنقید و توضیح سے ایک اہم قومی خدمت انجام دین -

رحم علی الہاشمی

سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر انڈپینڈنٹ الہ آباد

عشاق عرب

ذرعہ اور ظریفہ

(۱)

فطرت نے حسن و جمال کو وہ دلکش تاثیر عطا فرمائی ہے کہ پتھر کا دل رکھنے والا انسان بھی اُسکے اثر سے متاثر ہو جاتا ہے، اُن سرکش اور مغرور ہستیون کی گردنین بھی اُسکی بارگاہ مین جُھک جاتی ہین جو کسی کے آگے سر جھکانا اپنی توہین سمجھتی ہین، کسی حسین و مہ جمیل کی نشیلی آنکھون کا خفیف سا اشارہ نظام تخیل کو درہم برہم کر دینے کے لیے کافی ہے،

سرزمین عرب کی جنون خیزی اور عشق پرستی ہمیشہ سے مشہور ہے، صفحات تاریخ شاہد ہین کہ اس عشق آفرین خطہ نے قربان گاہ حُسن پر کتنی قربانیان چڑھائی ہین، ہر دور مین کوئی نہ کوئی مثال ایسی ملتی ہے جسکے دامن مین عشق کی ناکامیون اور نامرادیون کی خونین داستانین پنہان ہوتی ہین وہان کی خاک مین خدا جانے کتنے دلون کے ذرے اور ذرون کی چمک مین نہ معلوم کتنے مہ جبینون کے جلوے شامل ہین۔

اسی جنون نواز سرزمین پر ذرعہ بھی گزرا ہے جو اپنے وقت کا قیس تھا، اُسکا تعلق عرب کے مشہور حسن پرست و عاشق مزاج قبیلہ "بنی عذرہ" سے تھا۔

ذرعہ ایک دفعہ شکار کی جستجو مین چند سایہ دار درختون کے پاس سے گزرا جنکے سایہ کو عرب کے تھکے ہوئے خستہ حال مسافر شدت گرما سے عاجز و تنگ ہو کر نعمت عظمیٰ سمجھتے ہین۔ سامنے ایک تالاب تھا جسکے کنارے بہت سی عورتین نہا دھو رہی تھین ان سب سے الگ ایک نوجوان دوشیزہ کنارے پر پانی کی طرف مُنھ کیے کنگھی کر رہی تھی اُسکے لمبے لمبے سیاہ بالون نے سارے جسم کو ڈھانپ رکھا تھا گھنے بالون مین اُسکا حسین چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شب تار مین ماہ تمام نکل آیا ہے،

نوجوان نے جون ہی اُسکی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا عذری خون رنگ لایا۔ حُسن کی تاثیر رگون مین بجلی کی طرح دوڑ گئی اور وہ دفعتہً بیہوش ہو کر گر پڑا۔

نازنین بال سنوارنے مین مشغول تھی اُسنے ایک راہ چلتے کو اسطرح یکایک گرتے ہوئے دیکھا تو از راہ انسانیت وہمدردی اُسکے پاس اُٹھکر آئی اور بیہوش دیکھکر مُنھ پر پانی کے چھینٹے دینے لگی نوجوان کو ہوش آیا تو اُسنے نہایت حیرت کے ساتھ دیکھا کہ جس غارتگر عقل وہوش نے اُسکے دل وجگر کو زخمی کیا تھا وہ اب مرہم رکھنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ اُسنے نہایت تعجب سے کہا

"کیا کوئی قاتل قتل کے بعد مقتول کو اسطرح زندہ کرنے کی (بھی) کوشش کرتا ہے،، نازنین نے اسکا لطف آمیز جواب دیا جو جذبات محبت سے لبریز تھا۔

"مینے اسوقت جو کچھ بھی آپ کی خدمت کی اُس سے آپ کی فوری شکایت رفع ہوگئی اور اسکے بعد آپ کو مجھسے کسی قسم کی شکایت کرنے کا موقع نہین رہا،، دیر تک وہ ذرعہ سے اسی قسم کی محبت آمیز باتین کرتی رہی جس سے اُسکے دل کو بہت کچھ تسکین ہوئی اور اُسکی بیقرار روح جو حالت اضطرار مین مائل پرواز تھی پھر جسم مین واپس آگئی مگر اب نازنین بھی تیر عشق سے اپنے دل کو محفوظ نہ رکھ سکی اُسکے دل مین بھی چپی اور پاک محبت کی لہرین اُٹھنے لگین اور اسطرح حضرت عشق کے مقتولون مین دو کشتگان محبت کا مزید اضافہ ہوا۔

ذرعہ کی طبیعت مین اطمینان وسکون پیدا ہوا تو اُسنے شکار کا ارادہ فسخ کر کے مکان جانا ہی مناسب سمجھا اُسنے افسوس کے ساتھ کہا "شکار کھیلنے آئے تھے مگر آہ کیا خبر تھی کہ (خود ہی) کسی کے خنجر ناز سے شکار ہو جائین گے،، اور ذیل کے اشعار پڑھتا ہوا مکان کی طرف روانہ ہوا۔

خرجتُ اُصید الوحش صادفت قانصًا

من الدیم صادتنی سریعا حبائله

مین وحشی اور جنگلی جانورون کا شکار کرنے گھر سے نکلا تھا کہ مین نے سفید جال والی ہرنی کو دیکھا اور قبل اسکے کہ مین شکار کھیلون) اُسکے پھندون نے خود مجھے بہت جلد پھانس لیا۔

فلما عانی بالنبال مسادعا رفانی داھل میت یدلاویہ قاتله

اور جبکہ اس تیزی کے ساتھ وہ میرے دل وجگر پر تیر مار چکی تو اس اُمید مین کہ مین اچھا ہو جاؤن

مجھ پر افسون پڑھنے لگی (لیکن) کیا کوئی قاتل قتل کے بعد مقتول کی چارہ سازی بھی کرتا ہے،

الا فی سبیل اللہ صب قد انقضے ولم یبلغ مرادا یحبا ولہ

آگاہ رہ کہ ایک سرگشتہ ومجنون محبت کے راستہ مین بہت جلد گزر گیا مگر حالت یہ ہے کہ وہ اپنے مقصود کو ابھی تک نہین پہونچا۔

(۲)

گھر پہونچا تو حالت ہی دوسری تھی، دل کے ساتھ اسکے چہرے کا رنگ بھی بدل چکا تھا "عشق" نے اُسکی تمام باتون مین انقلاب پیدا کر دیا تھا مکان کے گوشہ مین پڑے رہنے اور جوشش عشق مین اشعار پڑھنے کے سوا دوسرا شغل نہ تھا اُسکی مان نے اُسکی حالت مین یہ تغیر اور اُسکے چہرہ پر حزن واضمحلال کے آثار نمایان دیکھے اور تنہائی مین عشقیہ اشعار پڑھتے سُنا تو سمجھ گئی کہ ضرور کسی نے اُسے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اُسے قسمین دلائین کہ صحیح واقعے اور گزری ہوئی مصیبت سے اطلاع دے، مان کے اصرار پر اُسنے اپنے درد دل کا اظہار کر دیا۔

بیٹے کی فریفتگی کا حال سُنکر اُسے سخت فکر پیدا ہوئی اور اُس "سفید ہرنی" کی جستجو مین جسکی آنکھون نے اُسکے بیٹے کو بیمار بنا دیا تھا، گھر سے نکل پڑی۔

حسن اتفاق سے وہ حسین نازنین بھی خود اُسی کے قبیلہ "بنی عذرہ" کی لڑکی تھی اُسکا نام ظریفہ بنت صفوان تھا۔ ذرعہ کی مان کو اسکا علم ہوا تو وہ ظریفہ کے پاس گئی اور خلوت مین بیٹے کی حالت زار سے مطلع کیا اور نہایت لجاجت سے کہا "ظریفہ۔ ایک مقتول ناز کی زندگی تمھارے اور صرف تمھارے ہاتھ ہے اگر تم اُسے زندہ دیکھنا چاہتی ہو اگر تمھاری خواہش ہے کہ اُسکے مرض عشق مین تخفیف ہو جائے۔ تو اُسکی صرف ایک صورت یہ ہے کہ تم اُسکی بیقراریون پر رحم کرو"

ظریفہ نے اُسکے جواب مین کہا آپ جو کچھ فرما رہی ہین میری خود بھی یہی آرزو ہے لیکن یاد رہے کہ مخالفت کرنیوالے بہت ہین، اگر ہمین محبت کا راز افشا ہو گیا تو دشمن تو دشمن خود دوست بھی بدخواہ ہو جائینگے۔ مناسب یہ ہے کہ میرے سر کا بال لیجا کر آپ اُنھین دیدین اگر انھین میرے ساتھ سچا عشق ہے اور پاک وبے لوث محبت، تو اسکے پاس رکھنے سے انھین یقیناً شفا ہوگی، یہ کہکر اُسنے سر سے ایک بال توڑ کر ذرعہ کی مان کو دیدیا وہ اس سوغات کو بیٹے کے پاس

لیکن آئی ذرعہ نے اس نایاب تحفہ کو دیکھا تو وفور شوق سے بیخود ہو کر اُسے چومنے لگا۔ نہ معلوم اس بال مین کیا تاثیر بھری تھی کہ ذرعہ کی مضطرب و بیچین طبیعت سنبھلنے لگی، رفتہ رفتہ اُسکی بیقراریان سکون پذیر ہوئین اور بھوک پیاس جو بالکل بند ہو چکی تھی پہلے کی طرح عود کر آئی اور دفعتہً وہ بعض جو کمزوری وضعف کے باعث اُٹھنے بیٹھنے سے معذور تھا تندرست ہو گیا۔

اب اُسمین اتنی سکت آگئی تھی کہ ظریفہ کے گھر سے کچھ دور کھڑا ہو کر دزدیدہ نگاہون سے معشوقہ کی طرف دیکھتا ظریفہ بھی نیچی نگاہون سے اُسکی طرف دیکھتی اور اسطرح دو ہجران نصیب آنکھون ہی آنکھون مین ایک دوسرے کے وصال سے متمتع ہوتے رہتے تھے۔

وہ وہان روز جاتا اور نازنین کے گلوسوز حسن سے اپنی تشنہ نگاہون کو سیراب کرتا مگر آہ یہ حالت بھی زیادہ دنون تک قائم نہ رہ سکی محبت والفت کا سربستہ راز کسی نہ کسی طرح اہل قبیلہ پر منکشف ہو گیا، نازنین کے عزیز واقارب ذرعہ کے درپے آزار ہو گئے۔ اُنھون نے اُسکے قتل کا تہیہ کر لیا ذرعہ کو اسکی اطلاع ہوئی تو یمن کی جانب چلا گیا معشوق کے تحفہ (بال) نے اُسکے ساتھ آبحیات کا کام کیا، اور جب کبھی اُسکا جوش عشق انتہا سے گزر جاتا تو وہ اُس بال کا بوسہ لیتا مُنھ پر پھیرتا اور اُسکے قلب مضطرب کو ذرا دیر کے لیے تسکین ہو جاتی۔

ایک دن وہ اپنی قیام گاہ سے کسی ضروری کام کو جا رہا تھا بدقسمتی سے راہ مین بال نہ معلوم کہان غائب ہو گیا اُسنے بہت تلاش کیا مگر کامیابی نہوئی، بال کا گم ہونا اُسکے لیے سم قاتل ہو گیا چہرے پر مایوسی چھا گئی حالت پہلے کی طرح متغیر ہونا شروع ہو گئی، جوش جنون نے جذبۂ عشق کا ساتھ دیا اور کوے محبوب مین پہونچنے کی دُھن بندھی۔ لوگون نے اُسکے مجنونانہ ارادہ کی اطلاع پائی تو اُسنے بدوستی روکنا چاہا خوف دلایا اور خطرہ سے آگاہ کیا،

مگر اُسنے یاس آمیز لہجہ مین کہا، خدارا مجھ پر رحم کرو، مجھے میری حالت پر چھوڑ دو اسوقت مجھے صرف دو باتون کی خواہش ہے، یا تو مین آرزوے وصال مین کامیاب ہو جاؤن یا میری آرزوون کی طرح میرا بھی خون کر دیا جائے۔

(۳)

ذرعہ کا ایک واقفکار ابو اشراعہ کہتا ہے کہ ذرعہ راستہ مین بیٹھا ہوا تھا کندھے پر دو چادرین

تھین اور ایک لڑکے سے جو اُسکے قریب بیٹھا تھا یہ کہ رہا تھا، جب تو اُسکے گھر کے قریب پہونچنا تو
ان اشعار کو بلند آواز سے پڑھنا اگر کامیابی کے ساتھ تو نے اس کام کو انجام دیا تو انھین سے
ایک چادر کا تو مالک ہے،، لڑکا یہ سُنکر ظریفہ کے مکان کی جانب روانہ ہو گیا مین چپکے سے اُسکے
پیچھے پیچھے ہو لیا، جب وہ ظریفہ کے مکان کے قریب پہونچا تو بلند آواز سے یہ پُر درد اشعار پڑھنے لگا

مریض با فناء البیوت مطرح بہ ما بہ من لاعج الشوق یبرح

ایک مریض عشق گھر کی چہار دیواری مین پڑا ہوا ہے، اُسکے ساتھ وہ چیز ہے کہ جسکی وجہ سے
آتش شوق سے المناک ہے۔

وقالوا الاجل الیاس عودی لعلہا تشکاہ من الام وجد لش یمسح

اور لوگون نے کہا۔ یاس و ناامیدی کی وجہ سے لوٹ آ (اسلیے کہ) جس چیز کی تجھے شکایت ہے
شاید زیادتی شوق کی وجہ بالکل ہی رفع ہو جائے۔

ولیس دواء الداء الا بحیلۃ اضر بنا فیہا نحن امر مبرح

اور کسی مرض کی دوا بجز حیلہ کے کچھ نہین ہے اور اسی حیلہ مین جذب عشق کی زیادتی نے ہمین نقصان پہونچایا

اذا ما سالنا ہ نوالا تنیلہ فصبر الصفا منہا یذالک اسمح

مین نے اُس سے بخشش کا سوال کیا جو اُسکے اختیار مین ہے مگر آہ! اُس سے تو پتھر بھی زیادہ سخی ہے
لڑکے نے ان اشعار کو ختم کیا ہی تھا کہ قریب کے مکان سے شعر پڑھنے کی دردناک آواز
آنے لگی جسنے اسکو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

رعی اللہ من ھاد الفواد بحبہ ومن کدت من شوقی الیہ اطیر

خدا اُس شخص کی حفاظت کرے جسکی محبت سے میرا دل مضطرب ہو گیا اور قریب ہو گیا کہ زیادتی
شوق کی وجہ سے اُسکی طرف دوڑ جاؤن،،

لئن کثرت انزاح لوعۃ فان الوشاۃ الحاضرین کثیر

اگر کہین محبت کی سختیان زیادہ ہو گئین تو بلاشبہ یہان چغلخور موجود ہین،،

فیمشو ریستشرون غیظا و شرۃ وما منہم الا اب و غیور

بیشک یہی چغلخور عزیز و اقارب کے پاس جاتے ہین اور سختی کرنے کا مشورہ دیتے ہین اور جنھین

ہ اس قسم کا مشورہ دیتے ہین وہ بجز باپ اور چند غیور اہل قبیلہ کے اور کوئی نہین،

فان لم ازر بالجسم خیفة معشر　　فللقلب ان لم یلم فلیزور

پس گو مین نے لوگون کے خوف سے جسمانی ملاقات نہین کی مگر تمھاری خیالی تصویر میرے
دل مین آتی ہے اور مین اس سے (آزادی کے ساتھ) شوق وصال کو پورا کر لیتی ہون۔
لڑکے کا مقصد حاصل ہو گیا، وہ واپس ہوا اور ذرعہ کو وہ دردناک اشعار سنائے سنتے ہی
ذرعہ بیہوش ہو گیا، کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو فراقیہ اشعار پڑھتا ہوا مایوس و ناکام گھر چلا گیا اور
پہلے کی طرح عزلت نشین ہو گیا۔

(۴)

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اوسی قبیلہ کے ایک شخص ثعلب سے ظریفہ کا بیاہ ہو گیا۔ ذرعہ
کو اس افسوسناک واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اسکا اضطراب انتہائی درجہ تک پہونچ گیا دفعتہً وہ
بیہوش ہوا کہ پھر کبھی ہوش نہ آیا۔

ہجران نصیب ظریفہ کو اس دردناک اور مایوس کن سانحہ کی خبر ہوئی تو اسکی حالت غیر ہو گئی
عاشق کے غم مین اسکے بے اختیار آنسو نکل پڑے شب و روز بجز رونے اور غم کھانیکے دوسرا
کام نہ تھا حتی کہ اسنے اپنے شوہر کی طرف بھی التفات نہ کیا۔
ایک دن آدھی رات کے وقت جبکہ قریب سارا عالم محو خواب تھا ظریفہ بیقراری
کی حالت مین خوابگاہ سے اٹھی، اتفاق سے مجھے معلوم ہو گیا مین چپکے سے پیچھے پیچھے ہو لیا
یہان تک کہ وہ نہر کے کنارے پہونچکر اسکی تاریک موجون کو دیکھی۔ قبیلہ والون کو خبر
ہوئی تو اسکو نکال کر قریب کے خیمہ مین لے گئے، اسکے جسم سے زندگی کے آثار رخصت
ہو چکے تھے۔ نبض کی حرکت بمشکل محسوس ہوتی تھی۔
صبح ہوئی تو اسکی مان خیمہ مین آئی اسوقت اسکی نزع کی حالت تھی، آنکھین پتھرا چکی
تھین، اسنے اشارہ سے پانی مانگا پانی پلانے کے ساتھ روح پرواز کر گئی۔

(ترجمہ)　　حسین (از بریلی)

میر افضل ثابت الہ آبادی

ثابت کا اصلی وطن بدخشان ہی کیونکہ انکے والد کا نام اسلام خان بدخشانی ہی مگر چونکہ
لی ولادت الہ آباد مین ہوئی اسلیے الہ آبادی مشہور ہین۔ لیکن انکے کلام کی بلند پائگی
ستادان فارسی کی ہم پہ ہی نازکخیالی اور معانی آفرینی ایسی ہی کہ ہر مبصر دل سے معترف
مداح ہو سکتا ہی۔ علوم متداولہ فارسی و عربی مین ممتاز قابلیت رکھتے تھے عرصہ تک
ار الخلافہ شاہجہان آباد مین قیام رہا اور وہان انکی شاعری اور علمی قابلیت بہت کچھ
شہور و مسلم رہی۔ اصناف سخن پر قدرت تامہ حاصل تھی اور تمام ماہرین فن سخن انکی استادی
ے قائل تھے۔

واقعات کربلا کو بھی خوب نظم کیا ہی۔ نمونۃً ایک مطلع ملاحظہ ہو۔

محرم است دلا سیل خون ز دیدہ ببار
ز شاہ تشنہ لبان آب چشم باز مدار

ثابت آخر عمر مین قریباً تارک الدنیا ہو گئے تھے درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے ان کا
ل وفات ۱۱۵۱ھ ہی۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے انکی تاریخ وفات موزون کی ہی یعنی

[illegible] در زبان کہ کرد تعلیم	اعجاز سخن بکلک صامت
تاریخ برائے رحلت او	فرمود خرد رحیل ثابت

ذیل مین ناظرین کی تفریح طبع کیلیے انکی غزلیات کا انتخاب درج کیا جاتا ہے

شنہ حاجت نیست خونریز دل بیتاب را | کار با خنجر نباشد کشتن سیماب را

عجیب لطیف مطلع کہا ہی۔ سیماب کو خنجر وغیرہ سے اگر قتل بھی کیا جائے تو وہ فوراً پھر
حالت پہ آجائیگا اسی طرح دل بیتاب دشنہ سے ذبح نہین ہو سکتا خلاصہ یہ ہے کہ
شق صادق کو حیات ابدی حاصل ہو جاتی ہی۔ اسی زمین مین یہ عاشقانہ شعر بھی

داب ہے

ہم زلف تو از داغ دل بر آوردہ   چو بوے نافہ چین موکشان فغان مرا

ولہ

اشد بے پردہ تصویر ترا نقاش حیف   آشناے صورتِ خود میکند بیگانہ را

ولہ

پد زبان در دز حالِ تباہ ما   دارد چو عرض داشت گرہ تہ آہ ما

شکر ناوکِ تو کند مغز جان ما   دارد زبان برنگ قلم استخوان ما

ناوک یار کی شکر گزاری کے لیے استخوان کا قلم بنا قلم ہے

(گلۂ بیکسی)

ود چون سپند چہ اگر گرم شیونیم   چشمے نریخت اشک ز دود فغان ما

کہتے ہین جسطرح سپند بیقرار انہ جلکر شیون کرتا ہے اور اُسکے دودِ آہ کا اثر کسی پر نہین

ا اسی طرح ہمارے دود فغان پر کسی کی آنکھ سے آنسو نہین گرتا یعنی کسی کو ہماری حالت

ے ہمدردی نہین اسلیے گرم شیون ہونا بیکار ہے ۔

ہم عاشق را نہ باشد احتیاجِ توتیا   بوے پیراہن جدا ہر سرمہ شد یعقوب را

ولہ

ی دانم چہ باشد از گلستان نفع گلچین را   کہ می سازد روان از چشم بلبل اشک خونین را

تزکیۂ نفس و اخلاق

رتن را نہ باشد دل منور زیر خاکش کن   نباشد در شبستان عزتِ فانوس خالی را

ولہ

ے کہ در آمدن خویش حجابے داری   گر شب ماہ نیائی بہ شبِ تار بیا

ذیل کا شعر نہایت صاف و سادہ ہی اور مصرعہ اولی مین "دلسوزی" نے نہایت دلاویز

نی پیدا کر دیے ہین ۔

چہ قدر ہا نمود دلسوزی   داغ عشق تو قدردان من است

ولہ

این چنین صیاد بالادست درعالم کجاست بستن خورشید بہ فتراک کار زلفہ کیست

مذکورہ بالا شعر اپنی معنوی بلاغت کے لحاظ سے بہت ہی خوب ہے۔ میرے خیال میں مضمون نیا ہے خورشید کا بحیثیت نخچیر فتراک زلف میں باندھنا صیاد بالادست کی چالاکی کو ظاہر کرتا ہے۔ آفتاب کی شعاعیں زلف سے مشابہ ہیں اور انھیں شعاعوں میں آفتاب کا بستہ ہونا بدیہی ہے اور یہی شعاعیں گویا صیاد بالادست کی زلف ہے۔

بسکہ درغ سینہ ام بر روے کار افتادہ ست آتشے درخانمانِ لالہ زار افتادہ است

ولہ

سحر کہ پرتو نور تو از نقاب گزشت عرق زجامہ زرین آفتاب گزشت

بہ سیل ہیچ میسر نہ شد بجز خجلت ہزار بار ازین خانہ خراب گزشت

مطلع کے مصرعہ اولی میں پرتو جمال کی تعریف ہے اور اسکے نور کو آفتاب سے بڑھکر ثابت کیا ہے جامۂ زرین آفتاب کا سحر کو عرق ریز ہونا اس اعتبار سے ثابت ہوتا ہے کہ صبح کو شبنم گرتی ہے اور یہی گویا اسکا عرق انفعال ہے اور دوسرا شعر سیل والا بھی بہت پسندیدہ ہے خانہ خراب کو سیل سے کیا نقصان پہونچ سکتا ہے اسلیے سیل کی خجالت ظاہر ہے۔

دور باید کرد از خاطر غبار شکوہ را صفحۂ آیینۂ دل در خور زنگار نیست

ولہ

می کشد سحر در علامت لم نرگس یار گرچہ بیمار است

ولہ

موسم پیری است می باید عصا دست ما و گردن مینا خوش ست

دستار شگوفہ

ابر بہار امسال پرستانہ رفتار آمدہ ست از شگوفہ شاخہا آشفتہ دستار آمدہ است

ولہ

لب رمان بوسہ گرچہ زخطش گرفتہ ام حکم جدید از لب خندہ انم آرزو است

ولہ

دامن شب نتوان داد زغفلت از دست شانۂ زلف اہل دست دعاے سحر است

ولہ

بوستان پیرا چرا آزردہ خاطر می شود عندلیب ما زفکر آشیان برخاستہ است

(رندانہ)

خانقاہ و مسجد و بتخانہ را کردیم سیر ہیچ جا کیفیتے چون شانۂ خمار نیست

ولہ

خامشان را نیست ناصر احتیاج عرض حال گریۂ طفل بے زبان را اثر جہانے دیگر است

ولہ

وسئہ گر از لب شکر فشان خو ونداد صبر باید کرد اندک خاطرش رنجیدہ است

ولہ

نعفار ابحقارت نتوان کرد نظر دفتر حسن بہ شیرازۂ سوئے کمر است

ولہ

لی جا نہ کند تنگ دل روشن را سنگ خلوتکدۂ خاص براے شرر است

ولہ

ز شوق نظر بازی است با محبوب مجوبے کہ گر از دور چشمے وا کنم ابرو بگرداند

(اعجاز)

اپنے ذاتی خیالات پر یقین کامل رکھنا۔ اور نیز اس بات پر کہ جو شے تمھارے لیے راست ہے وہی ہر شخص کے لیے ہے۔ یہی بڑی بلند خیالی ہے۔ حضرت موسیٰ۔ فیثا غورث۔ سقراط اور ملٹن کی ہم اسیلیے تعریف کرتے ہین کہ اُنھون نے کتابون اور روایات کو بالائے طاق رکھکر جو کچھ کہ اورون نے خیال کیا وہ نہین۔ بلکہ جو کچھ کہ خود خیال کیا اسکی تعلیم دی۔ امرسن

بزم پریشان

(۱)

لکھنؤ کے محلہ نوبستہ مین ایک منشی میکو لال مختار رہتے تھے۔ بہت ہی مہمان نواز، خوش طبع اور نیک آدمی تھے۔ قانون مین اتنے ماہر کہ ایسا شاذ ہی کوئی مقدمہ ہوتا تھا جسمین وہ ایک فریق کی طرف سے نہ رہتے ہون۔ سادھوسنتون سے بھی انھین عقیدت تھی۔ انکے فیض صحبت سے مختار صاحب نے کچھ علم حقیقی اور کچھ چرس گانجہ کی مشق حاصل کرلی تھی۔ رہی شراب، وہ انکی خاندانی صفت تھی۔ شراب کے نشہ مین وہ قانونی مسوّدے خوب لکھتے تھے۔ طائر فکر آسمان پر جا پہونچتا تھا۔ گانجے اور چرس سے انکی نگاہ باطن روشن ہوجاتی تھی۔ دم لگاکر وہ یاد الٰہی مین محو ہوجاتے تھے۔ اسکے بغیر استغراق کی کیفیت نہ طاری ہوتی تھی۔ محلے والون پر انکا بڑا رعب تھا۔ لیکن یہ انکی قانونی وقار کا نہین انکی طبعی شرافت کا نتیجہ تھا۔ محلے کے یکہ بان، گوالے، کہار، سب انکے بن دامون غلام تھے۔ اپنے سو کام چھوڑکر انکی خدمت بجالاتے تھے۔ مختار صاحب کی مخمر فیاضی نے انھین رام کرلیا تھا۔ وہ روز کچہری سے آتے ہی الگو کہار کے سامنے تین روپیے پھینک دیتے تھے۔ الگو انکا منشا سمجھ جاتا تھا۔ کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہ تھی۔ شام کو شراب کی ایک بوتل، کچھ گانجہ اور چرس آجاتا بزم نشاط آراستہ ہوجاتی تھی۔ یاران جان نثار آپہونچتے۔ ایک طرف موکلون کی قطار بیٹھتی۔ دوسری طرف احباب کی۔ معرفت اور ویراگ کے مسئلے پیش ہوجاتے۔ اثناء تقریر مین موکلون سے بھی دوچار باتین کرلیتے تھے۔ دس بجے تک مجلس گرم رہتی تھی۔ منشی جی کو اپنے پیشے اور اس ذکر معرفت کے سوا دنیا کے اور کسی معاملہ سے سروکار نہ تھا۔ ملک کی کسی تحریک، کسی تقریب، کسی مسئلہ سے انھین تعلق نہ تھا۔ اس معاملہ مین وہ سچے تارک تھے۔ بنگالہ کی تقسیم ہوئی

سودیشی تحریک کا چرچا ہوا۔ نرم اور گرم فرقے کھڑے ہوئے۔ سیاسی اُصولوں کا ظہور ہوا۔ سوراجیہ کی تمنائیں پیدا ہوئیں۔ قوم اور قومیت کے ترانوں سے آسمان گونج اُٹھا۔ مگر منشی جی کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ عدالت اور شراب کے سوا دنیا کی اور سبھی چیزیں اُنکی نظروں میں خواب و خیال تھیں۔

(۲)

چراغ جل چکے تھے۔ منشی میکو لال کی اندر سبھا جم گئی تھی۔ پر ابھی تک لال پری جلوہ افروز نہ ہوئی تھی۔ الگو بازار سے نہ لوٹا تھا۔ لوگ بار بار مشتاق نگاہوں سے دروازہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایک آدمی برامدے میں چشم براہ کھڑا تھا۔ دو تین آدمی اُسکی ٹوہ لینے کے لیے سڑک پر کھڑے تھے۔ لیکن الگو آتا نظر نہ آتا تھا۔ آج زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ منشی جی کو یہ تکلیف اُٹھانی پڑی۔ انتظار کی بیقراری نے محویت کی صورت اختیار کرلی تھی۔ نہ کسی سے بولتے تھے، نہ کسی طرف تاکتے تھے۔ ساری دماغی قوتیں نقطۂ انتظار پر مرکوز ہو گئی تھیں۔

دفعتاً شور اُٹھا، الگو آرہا ہے۔ منشی جی جاگ پڑے، احباب شگفتہ ہو گئے، پہلو بدل بدلکر سنبھل بیٹھے۔ آنکھیں مسرور ہو گئیں۔ انتظار سے لطف وصال دوچند ہو جاتا ہے۔ ایک لمحہ میں الگو سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ منشی جی نے اُسے ڈانٹا نہیں۔ یہ پہلی خطا تھی۔ کسی وجہ سے دیر ہو گئی ہوگی۔ دبی ہوئی، پُر شوق نگاہوں سے الگو کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ بوتل نہ تھی حیرت ہوئی۔ یقین نہ آیا۔ پھر غور سے دیکھا بوتل نہ تھی۔ شاید اسنے کہیں باہر رکھدی ہوگی۔ ملائمت سے بولے "بوتل کہاں ہے"

الگو "آج نہیں ملی"

میکو لال "یہ کیوں"

الگو "سوراج والے دوکان کے دونوں ناکے روکے کھڑے ہیں کسی کو اُدھر جانے ہی نہیں دیتے۔ اب مختار صاحب کو غصہ آیا۔ الگو پر نہیں، سوراج والوں پر۔ اُنھیں میری شراب بند کرنے کا کیا مجاز ہے؟ معترضانہ انداز سے بولے "تمنے میرا نام نہیں لیا؟"

الگو "بہت کہا۔ لیکن وہاں کون کسی کی سُنتا تھا۔ سبھی لوگ خالی ہاتھ لوٹے آتے تھے۔

مین بھی لوٹ آیا۔

میکولال "چرس لائے؟"

الگو "وہان بھی یہی حال تھا"

میکولال "تم میرے نوکر ہو یا سوراج والون کے"

الگو۔ منھ مین کالکھ لگوانے کے لیے تھوڑے ہی نوکر ہون"

میکولال۔ تو کیا وہ بدمعاش لوگ منھ مین کالکھ بھی لگا رہے تھے؟

الگو "دیکھا تو نہین، پر سب یہی کہتے تھے"

میکولال "اچھی بات ہے۔ مین خود جاتا ہون۔ دیکھون کسکی مجال ہے جو مجھے روکے۔ ایک ایک کو لال گھر دکھا دونگا۔ یہ سرکار کا راج ہے۔ کوئی بدعملی نہین ہے۔ وہان کوئی پولیس کا سپاہی نہ تھا"

الگو "تھانہ دار صاحب آپ ہی کھڑے سب سے کہتے تھے جسکا جی چاہے اندر جائے، لائے یا پیئے۔ لیکن نہ جانے کیون لوگ لوٹے آتے تھے۔ کوئی اُنکی نہ سنتا تھا"

میکولال "تھانہ دار صاحب میرے دوست ہین۔ چلو جی عیدو چلتے ہو۔ رام بلی بیچن جھنکو سب چلین۔ ایک ایک بوتل لے لو۔ دیکھون کون روکتا ہے؟ کل ہی تو مزہ چکھا دونگا"

(۳)

منشی جی اپنے چارون رفیقون کے ساتھ شراب خانہ کی گلی کے سامنے پہونچے تو وہان بہت بھیڑ تھی۔ بیچ مین دو نورانی صورتین نظر آئین۔ ایک مولانا صاحب تھے جو شہر کے مشہور مجتہد تھے۔ دوسرے سوامی گھنانند تھے جو لکھنؤ کی سیوا سمتی کے بانی اور رعایا کے پکے خدمتگذار تھے۔ اُنکے سامنے ہی تھانہ دار صاحب کئی کانسٹبلون کے ساتھ کھڑے تھے۔ منشی جی اور اُنکے رفیقون کو دیکھتے ہی تھانہ دار صاحب خوش ہوکر بولے "آیئے مختار صاحب۔ کیا آج آپ ہی کو تکلیف کرنی پڑی۔ یہ چارون آدمی آپ ہی کے ساتھ ہین نہ؟"

میکولال "جی ہان۔ پہلے اپنا آدمی بھیجا تھا۔ وہ ناکام واپس گیا۔ سنا آج یہان ہڑبونگ بھی ہو رہی ہے۔ سوراجیہ والے کسی کو اندر جانے ہی نہین دیتے۔

تھانہ دار۔ جی نہین۔ یہان کسکی مجال ہے جو کسی کے کام مین مخل ہو سکے۔ آپ شوق سے جائیے۔ کوئی چون تک نہین کرسکتا۔ آخر مین یہان کیسلیے ہون؟

منشی جی نے اپنے رفیقون کو فخر آمیز نظرون سے دیکھا اور گلی مین گھسے۔ دفعتہً مولانا صاحب نے عیدو سے نہایت عاجزانہ انداز سے کہا، دوست یہ تو تمھاری نماز کا وقت ہے۔ یہان کیسے آئے؟ کیا اسی دینداری کی بل پر خلافت کا مسئلہ حل کروگے! تمھارے لاکھون بھائی انگور(ا) مین بھوکون مررہے ہین کچھ اُنکی بھی خبر ہے؟

عیدو کے پیرون مین جیسے کسی نے لوہے کی بیڑیان ڈال دین۔ ندامت سے زمین کی طرف دیکھنے لگا۔ آگے قدم رکھنے کا حوصلہ نہوا۔

سوامی گھنانند نے منشی جی اور اُنکے تینون ساتھیون سے کہا۔ بھائیو یہ پنچامرت لیتے جاؤ تمھارا کلیان ہوگا۔

جھنکو۔ رام بلی اور بیچن نے اضطراری طور پر ہاتھ پھیلا دیئے۔ اور سوامی جی سے پنچامرت لیکر پی گئے۔ منشی جی نے کہا۔ اسے آپ خود پی جائیے۔ مجھے ضرورت نہین۔

سوامی جی اُنکے سامنے ہاتھ جوڑکر کھڑے ہوگئے اور بڑی منت آمیز لہجہ مین بولے۔ اُس سادھو پر آج دیا کیجئے۔ اُدھر نہ جائیے۔

لیکن منشی جی نے اُنکا ہاتھ پکڑ کر سامنے سے ہٹا دیا اور گلی مین داخل ہوگئے۔ اُنکے تینون دوست سر جھکائے کھڑے رہے۔

منشی جی "رام بلی۔ آتے کیون نہین؟ کسکی طاقت ہے کہ ہمین روک سکے"

جھنکو "آپ کاہے نا ہین لوٹ آوت ہین۔ سادھو سنتن کی بات مانے کا ہوت ہے"

منشی جی۔ "تو اسی حوصلہ پر گھر سے نکلے تھے؟"

رام بلی "نکلے تھے اس ارادہ سے کہ کوئی زبردستی روکے گا تو اُس سے سمجھین گے۔ سادھو سنتون سے رار کرنے تھوڑے ہی چلے تھے"

منشی جی "سچ کہا ہے گنوار لوگ بھیڑ ہوتے ہین۔ جہان ایک گری وہان وہ سب گرنے دوڑے"

بیچن "آپ سیر ہو جائیے۔ ہم بھیڑ ہی بنے رہین گے"

منشی جی اکڑتے ہوئے شرابخانہ میں داخل ہوئے۔ دوکان پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ مہاجن اپنی گدی پر بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا منشی جی کی آہٹ پاکر چونک پڑا۔ اُنھیں تجسس کی نگاہ سے دیکھا گویا وہ کوئی نادر وجود ہیں، بوتل بھردی اور پھر اونگھنے لگا۔

منشی جی خوش خوش گلی کے دروازہ پر آئے تو اپنے رفیقون کو نہ پایا۔ کتنے ہی آدمیون نے اُنھیں چارون طرف سے گھیر لیا اور اُنپر آوازے کسنے لگے۔

ایک نے کہا "دلاور ہو تو ایسا ہو"

دوسرا بولا "شرم چہ کُتیست کہ پیش مردان بیاید"

تیسرا بولا۔ ہے کوئی پرانا پھکڑ۔ پکا دھتیا۔

معلوم نہین ابھی منشی جی کو اور کتنی دلآزار باتین سننا پڑتین لیکن تھانہ دار صاحب نے آکر بھیڑ کو منتشر کردیا۔ منشی جی نے اُنکا شکریہ ادا کیا اور گھر چلے۔ ایک کنسٹبل بھی اُنکے ساتھ ہولیا۔

(۴)

منشی میکو لال کے چارون دوستون نے بوتلین پھینکدی تھین اور آپس مین باتین کرتے ہوے جا رہے تھے۔

جھنکو "ایک دائین ہمارا ایکا بیگا رمین پکڑا جات رہے۔ یہی سوامی جی بیچارا سن سے کہ سن کے چھڑاے دہن رہا۔

رام بلی۔ پچھلے سال جب ہمارے گھر مین آگ لگی تھی تب بھی تو یہی سوامی جی سیوا سمتی والون کو ساتھ لیکر پہونچ گئے تھے۔ نہین تو ایک سوت بھی نہ بچتا۔

بچن۔ مختار اپنے سامنے کسی کو گنتے ہی نہین۔ آدمی کوئی بڑا کام کرتا ہے تو چھپائے کرتا ہے یہ نہین کہ بیحیائی پر کمر باندھ لے۔

جھنکو "بھائی پیٹھ پیچھے کوؤ کی بُرائی نہ کرو۔ اور جون کچھ ہوئے پر آدمی بڑا اکبالی ہے۔ اتنے آدمین کے بیچ مان کیسا گھُست چلا گوا

رام بلی "یہ کوئی اقبال نہین ہے۔ تھانہ دار نہ ہوتے تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوجاتا۔

بچن "مجھے تو کوئی پچاس روپیہ دیتا تو بھی مین گلی مین پیر نہ رکھتا۔ شرم سے سر ہی

نہین اُٹھتا تھا۔

عیدو "انکے ساتھ آکر بڑی آفت مین پھنس گیا۔ مولانا جہان دیکھین گے وہین آڑے ہاتھون لینگے۔ مین آج شرم کے مارے گڑگیا۔ آج سے توبہ کرتا ہون۔ اب اسکی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھونگا"

رام بلی۔ "شرابیون کی توبہ کچے دھاگے سے مضبوط نہین ہوتی"

عیدو "اگر پھر کبھی پیتے دیکھنا تو منھ مین کالکھ لگا دینا"

بچن "اچھا تو اسی بات پر آج سے مین بھی چھوڑتا ہون۔ اب پیون تو گئوکرت برابر"

جھنکو "تب کا ہم ہی سب سے پاپی ہین۔ پھر کبھی جو ہمکا پیت دیکھیو تو بیٹھا کے پچاس جوتے لگایو"

رام بلی "ارے جا۔ ابھی منشی جی بلائین گے تو کُتے کی طرح دوڑتا جائیگا"

جھنکو "منشی جی کے ساتھ بیٹھے دیکھیو تو سو جوتے لگایو۔ جسکی بات مین پھرک ہے اُسکے باپ مین پھرک ہے"

رام بلی۔ "تو بھئی مین بھی قسم کھاتا ہون کہ آج سے گانٹھ کے پیسے خرچ کرکے مین بھی نہ پیونگا ہان مفت کی پینے مین انکار نہین۔

جھنکو "گانٹھ کے پیسے کبھی پہلے بھی خرچ کیے ہین؟"

اتنے مین منشی میکولال لپکے ہوئے آتے دکھائی دیے۔ اگرچہ وہ بازی جیت کر آئے تھے مگر چہرہ پر غرور کی جگہ خفت چھائی ہوئی تھی۔ کسی نامعلوم سبب سے وہ اس فتح کا لطف دل سے نہ اُٹھا سکتے تھے۔ دل کے کسی گوشہ مین چھپی ہوئی ندامت جگر مین چٹکیان لے رہی تھی۔ رام بلی نے کہا۔ آئیے مختار صاحب بڑی دیر لگائی۔

میکولال "تم سب کے سب بڑے گاودی ہی نکلے۔ ایک سادھو کے چکمے مین آگئے"

رام بلی "ان لوگون نے تو آج سے پینے کی قسم کھالی ہے"

میکولال "ایسا تو مین نے مرد ہی نہین دیکھا جو اسکے پنجہ مین ایکبار پھنسکر پھر نکل جائے۔ منھ سے بکنا دوسری بات ہے"

عیدو "جندگانی رہی تو دیکھ تب بیجیے گا"

جھنکو "دانا پانی تو کوؤ سے نا ہین چھوٹ سکت ہے۔ اور باتین تو پیٹ بھرے کی ہین۔ بس چوٹ لگ جائے۔ نشا کھائے بنا کوؤ مر نہین جات ہے"

میکو لال "دیکھون گا تمھاری بہادری بھی"

بچن "دیکھنا کیا ہے، نشہ چھوڑ دینا کوئی بڑی بات نہین۔ یہی نہ ہوگا دو چار روز طبیعت ذرا سُست رہے گی۔ لڑائی مین سُنتے ہین انگریزون نے چھوڑ دیا تھا جو اسے پانی کی طرح پیتے ہین۔ تو ہمارے لیے کوئی مشکل کام نہین ہے"

یہی باتین کرتے ہوے لوگ مختار صاحب کے مکان پر آ پہونچے۔

(۵)

دیوانخانہ مین سنناٹا تھا۔ موکل چلے گئے تھے۔ الگو بڑا سو رہا تھا منشی جی مسند پر جا بیٹھے اور الماری سے، گلاس نکالنے لگے۔ انھین ابھی تک اپنے ہم مشربون کی توبہ پر یقین نہ تھا انھین کامل اعتماد تھا کہ شراب کی خوشبو اور سُرخی دیکھتے ہی سبھون کی توبہ ٹوٹ جائے گی دور چلنے لگین گے۔ جب عیدو سلام کرکے چلنے لگا اور جھنکو نے اپنا سونٹا سنبھالا تو منشی جی نے دونون کے ہاتھ پکڑ لیے اور نہایت رقت آمیز لہجہ مین بولے "یار یون ساتھ چھوڑنا اچھا نہین۔ آؤ آج اسکا مزہ تو چکھو۔ خاص طور پر اچھی ہے۔ اسکے لیے آج کتنا ریاض کرنا پڑا ہے"

عیدو "اب تو جو بات ٹھان لی وہ ٹھان لی"

منشی جی "اجی آؤ تو۔ اِن باتون مین کیا رکھا ہے۔ چار دن کی زندگی ہنس کھیل کر گزارنی چاہیے"

عیدو "آپ کو مبارک رہے۔ مجھے جانے دیجیے"

جھنکو "ہم تو اب بھگوان چاہے تو اسکے تیر نہ جاب۔ جوتے کون کھائے۔

یہ کہکر دونون اپنے ہاتھ چھڑا کر چلے گئے۔ تب مختار صاحب نے بچن کا ہاتھ پکڑا جو برامدے سے نیچے اُتر رہا تھا اور بولے "بچن کیا تم بھی بیوفائی کروگے؟"

بچن "مین نے تو بڑی کڑی قسم کھائی ہے۔ جب ایکبار اِسے گئو کت کہہ چکا تو پھر اسکی طرف

آنکھ اٹھا کر دیکھ بھی نہین سکتا۔ کتنا ہی گیا بیتا ہون تو کیا اس قسم کو بھی نہ مانونگا۔ مین تو کہونگا اب آپ بھی چھوڑیئے۔ کچھ دن رام رام کیجیے۔ بہت دن تو پیتے ہوگئے۔ یہ کہکر وہ بھی چلتا ہوا۔

اب اکیلا رام بلی رہ گیا۔ منشی جی نے اُس سے بڑے دردناک لفظون مین کہا تمنے اُن سبھون کی بیوفائی دیکھی۔ مجھے انکے اوپر غصہ نہین ہے۔ صرف انکی سردمہری کا صدمہ ہے۔ مین نہ جانتا تھا کہ یہ سب ایسے بھگوڑے نکلین گے۔ برسون کی صحبت ایک لمحہ مین بھول گئے۔ آؤ آج ہمین تم سہی۔ دو سچے دوست ایسے درجنون کچے لوہیون سے اچھے ہین آؤ بیٹھ جاؤ۔ مہاجن نے آج مسالے کی دیدی ہے۔ نیند مین بچا کو سر پیر کی خبر تک نہ تھی۔

رام بلی ”مین تو حاضر ہی ہون۔ لیکن مین نے بھی قسم کھائی ہے کہ کبھی گانٹھ سے پیسے خرچ کرکے نہ پیونگا“

مختار ”ہوشیار لوگ ایسی ہی قسمین کھایا کرتے ہین۔ جب تک میرے دم مین دم ہے جتنا چاہے پیو۔ غم کس بات کا ہے“

رام بلی ”لیکن آپ نہ رہے تب؟ پھر ایسا سخی کہان پاؤن گا“

مختار ”اجی تب دیکھی جائیگی۔ مین آج مرا تھوڑے ہی جاتا ہون“

رام بلی ”زندگی کا کوئی اعتبار نہین۔ آپ مجھسے پہلے ضرور ہی مرینگے تو اُسوقت کسکے ماتھے یہ مزے اڑاؤن گا۔ تب تو چھوڑ بھی نہ سکون گا۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ ابھی سے فکر کرون“

مختار ”یار ایسی باتین کرکے مزہ نہ کرکرا کرو۔ آؤ بیٹھ جاؤ۔ ایک ہی گلاس لے لینا“

رام بلی ”مختار صاحب۔ مجھے اب زیادہ مجبور نہ کیجئے۔ جب عیدو اور جھنکو جیسے دھقیون نے قسم کھالی جو عورتون کے زیور بیچ بیچ کر پی گئے جو نرے جاہل ہین، تو مین اتنا بےشرم نہین ہون کہ اسکا غلام بنا رہون۔ سوامی جی نے مجھے تباہ ہونے سے بچایا تھا۔ اُنکے حکم کو کسی طرح نہین ٹال سکتا“

یہ کہکر رام بلی بھی رخصت ہوگیا۔

——— (۶) ———

منشی جی نے مایوسانہ انداز سے گلاس بھرا اور پی گئے۔ لیکن دوسرا پیالہ بھرنیکے پہلے انکا ولولہ میکشی غائب ہوگیا تھا۔ زندگی مین یہ پہلا موقع تھا کہ انھین یون تخلیہ مین شراب پینا پڑی۔ وہ لطف سرور ہی نہین، لطف صحبت بھی چاہتے تھے۔ اسوقت ایک ایک گھونٹ دوا کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ خود ہی ساقی تھے، خود ہی بادہ کش۔ نہ بذلہ سنج احباب تھے، نہ دل مین اُمنگ، پہلے تو اپنے رفیقون پر طبیعت جھنجھلائی۔ ان دغابازون کو مین نے ہزارون روپے پلا دیے ہونگے، پر آج ذراسی بات پر سب کے سب دغا دے گئے۔ اب مین بھوت کی طرح اکیلا پڑا ہوا ہون۔ کوئی ہنسنے بولنے والا نہین۔ یہ تو صحبت کی چیز ہے جب لطف صحبت ہی نہین رہا تو پی کر سو رہنے سے کیا حاصل۔ یہ کوئی ایشور کا دھیان تھوڑے ہی ہے کہ تنہائی کی ضرورت ہو۔

مجھے آج کتنا خفیف ہونا پڑا۔ جب گلی مین گھسا ہون تو سیکڑون آدمی میری طرف غضبناک نظرون سے تاک رہے تھے۔ شراب لیکر لوٹا ہون تو لوگ اتنے برہم تھے کہ اُن کا بس چلتا تو میری بوٹیان نوچ لیتے۔ تھانہ دار نے کانسٹبل کو ساتھ نہ کر دیا ہوتا تو گھر تک آنا مشکل تھا۔ یہ ذلت اور تحقیر کیلیے؟ اسی لیے کہ بیٹھکر منھ تلخ کرون اور کلیجہ جلاؤن۔

دُنیا اسے کتنا ممنوع سمجھتی ہے اسکا مجھے آج تجربہ ہوا نہین ایک سنیاسی کے اشارے پر برسون کے بلانوش، دائم الخمر اسطرح میری تحقیر نہ کرتے۔ بات یہ ہے کہ دل سے سبھی اسے حرام سمجھتے ہین۔ جب میرے ساتھ کے یکے والے، گوالے اور چپراسی تک ترک کر سکتے ہین تو کیا مین انسے گیا گزرا ہون۔ اتنی ذلت اُٹھاکر، عوام کی نظرون سے گر کر، شہر مین رُسوا ہوکر، سارے زمانہ مین نکو بنکر، ایک لمحہ کے لیے چکر پیدا کر لینا کونسی دانشمندی ہے۔ حظ نفس کے لیے اتنی شرمندگی کیون اُٹھاؤن؟ چارون اسوقت میرا مضحکہ اُڑا رہے ہونگے۔ یہ دُرگت اب نہین سہ سکتا۔ آج اس سفلہ پن کا خاتمہ کر دون گا۔ اس ذلت کا داغ مٹا دون گا۔

ایک لمحہ مین تڑاقے کی آواز ہوئی۔ الگو چونک کر اُٹھا۔ دیکھا تو منشی جی برآمدے مین کھڑے ہین اور بوتل زمین پر ٹوٹی پڑی ہے۔

پریم چند

نکات الشعرا

شعرا اُردو کا یہ قدیم تذکرہ (جو میر دہلوی کی ایک بہترین یادگار ہے) اس سے پہلے بالکل نایاب تھا اور بقول مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی عام طور پر ابتداءً اس تذکرے کا علم آبحیات کے ذریعہ سے ہوا تھا مگر نکات الشعرا کا جو چہرہ آبحیات مین نظر آتا ہے، وہ اُن خط وخال کے بالکل برعکس ہے جو اب ہمارے سامنے ہے آگے چلکر مولف آبحیات کے اُن خیالات پر بحث کرتے ہوئے جو اُسنے اس تذکرہ کے متعلق ظاہر کیے ہین فرماتے ہین "میری بدگمانی معاف ہو تو مین کہونگا کہ نکات الشعرا آزاد کی نظر سے نہین گزرا قیاس کی بلند پروازی نے طوطی مینا بنا کر اُڑائے ہین، اور اُنکی سحر بیانی نے سامعین کو خوش کیا ہے"

مولانائے موصوف کا یہ خیال ایک حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے اور خود آزاد مرحوم کی تحریر سے اس خیال کو تقویت پہونچتی ہے۔ لیکن یہ آسانی سے باور نہین کیا جا سکتا کہ آزاد جیسا محقق شخص صرف خیال کی بنیاد پر اتنی بڑی بنیاد کھڑی کر دے۔ اور تذکرہ نکات الشعرا اُسکی نظر سے نہ گزرا ہو، یہ ممکن ہے کہ جس نسخے کو آزاد نے دیکھا ہو وہ میر صاحب کے نقش اول کی تصویر ہو اور بعد کو میر صاحب نے نظر ثانی کر کے نقش آخر سے وہ سب باتین نکال دی ہون جنکا ذکر آبحیات مین ہے۔

اُس زمانہ مین نہ پریس کا رواج تھا نہ کوئی اور ذریعہ تھا کہ ایک ساتھ بہت سے نسخے تیار ہو جایا کرین، عموماً قلمی کتابون کا رواج تھا، فرض کیجیے کہ مختلف لوگون نے

بہ اوقات مختلف نکات الشعرا کی نقلین حاصل کی ہون اور اس درمیان مین میر صاحب وقتاً فوقتاً تصرفات کرتے رہے ہون اسطرح ممکن ہے کہ ایک شخص نے کوئی اور عبارت نقل کی ہو اور دوسرے نسخے مین وہی عبارت کسی اور طرح نقل ہو گئی ہو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شاعر یا انشاپرداز ایک وقت مین کچھ لکھتا ہے اور کچھ دنون کے بعد کسی کے توجہ دلانے سے یا خود کسی خیال سے اُسے بدل دیتا ہے، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ میر صاحب نے ایک وقت مین ولی کی نسبت لکھا ہو "وے شاعریست از شیطان مشہورتر" لیکن کچھ دنون بعد اس مفہوم کو یون ادا کر دیا ہو "از شہرت بسیار احتیاج تعریف ندارد"
مفہوم دونون کا ایک ہے فرق صرف یہ ہے کہ وہ تعریف بطرز مذموم تھی اور یہ بطرز جمیل۔

اسکے علاوہ آبحیات مین یہ بھی تو لکھا ہے کہ جب میر خان کمترین نے یہ فقرہ سنا تو غصہ ہو کر ایک نظم لکھی اول مین بہت کچھ کہا آخر مین آکر کہتے ہین ؎

ولی پر جو سخن لائے اُسے شیطان کہتے ہین

ممکن ہے کہ کمترین کی طرح کچھ لوگ اور بھی مخالفت کرنیوالے اُٹھ کھڑے ہوے ہون اور میر صاحب نے جھگڑا مول لینے سے بہتر سمجھا ہو کہ نکات الشعرا کی عبارت بدل دین کیونکہ انھین کسی طرح کی ذاتی مخاصمت تو تھی نہین صرف شاعرانہ نوک جھونک منظور تھی۔

اگر بفرض محال تسلیم بھی کر لیا جاے کہ آزاد کو نکات الشعرا کی زیارت نہین نصیب ہوئی تو اسکا کیا جواب ہوگا کہ میر صاحب نکات الشعرا کے دیباچے مین لکھتے ہین

"کتابے تا حال تصنیف نہ شدہ کہ احوال شاعران این فن بصفحہ روزگار بماند"

حالانکہ نکات الشعرا کے پہلے بھی متعدد تذکرے مرتب ہو چکے ہین جنمین تذکرہ فتح علی حسینی تذکرہ ابراہیمی۔ تذکرہ فائق خاص طور پر مشہور ہین۔

ایسی صورت مین کیا یہ بدگمانی بھی جائز ہوگی کہ میر صاحب کی نظر سے شاید کوئی تذکرہ نہین گزرا ورنہ ایسا نہ تحریر فرماتے۔ اگر مولاناے موصوف کے پاس اس بدگمانی کا کوئی جواب ہو تو وہی اُس بدگمانی کا بھی جواب ہو سکتا ہے جو آپکو آزاد کے متعلق پیدا ہوتی ہے۔

اب بھی نکات الشعرا کے صفحات اس قسم کی مثال سے خالی نہین۔ مثلاً میر صاحب

یقین دہلوی کے متعلق فرماتے ہین۔

پر وپوچے چندے یافتہ است کہ ماو شانیز میتوانم یافت این قدر برخود چیدہ است کہ رعونت فرعون پیش اوپشت دست میگذارد، بعد از ملاقات اینقدر خود معلوم شد کہ ذائقہ شعر فہمی مطلق ندارد

اسی سلسلہ مین اور بھی اس قسم کی روائیتین بیان کی ہین جنسے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یقین خود غزل نہین لکھہ سکتے تھے اور اسکے ثبوت مین کلیم کے قصیدہ کا ایک شعر بھی اس تمہید کے بعد پیش کیا ہے۔

میان محمد حسین کلیم کہ احوالش گزشت قصیدہ گفتہ است، مسمے بہ روضۃ الشعرا درو نام تمام شعرا نقل کردہ ازان جملہ نام ایشان را نیز آوردہ لیکن بکنایہ غریب کہ سخن فہم می فہمید و آن اینست ۔

یقین کے شعر یہ ہین ۱۱ گمان بعضے کو اسکے نہین
غلط ہے ہمنے بوجھا ہے گا مرزا جان جانان کو

میر صاحب یہ مطلب نکالنا چاہتے ہین کہ کلیم نے بکنایۂ لطیف یقین کی شاعری کی قلعی کھولی ہے لیکن ایک صائب الرائے یہ شعر پڑھ کے جو نتیجہ نکالے گا وہ میر صاحب کے خلاف ہوگا۔ شاعر تو اس بدگمانی کی تردید کرنا چاہتا ہے جو بعض لوگون کو یقین کے کلام کی جانب سے ہے اور ثبوت مین وہ کہتا ہے کہ ہمنے مرزا جان جانان سے بھی اسکے متعلق پوچھ لیا ہے۔

کچھ آگے چل کر یقین کے اس شعر کے متعلق تحریر فرماتے ہین۔

کیا بدن ہوگا کہ جسکے کھولتے جامہ کے بند
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

اگرچہ اکثر شاعران ریختہ ،، تبدل بندیافتہ ام متبدل میگویند و توارد می نامند گویا این شعر استاد در حق ایشان است ۔

ہر چہ گویند بے محل گویند   در توارد غزال گو بند

لیکن شعر یقین لفظاً لفظاً متبدل رائے انند رام مخلص است کہ گذشت طرفہ تر

اینکہ آنہم در سلیقہ سرقہ یکہ بودہ است، خدا داند کہ این معنی در اصل از کیست

"آخر تمام گشت معطر چو برگ گل بند قبا سے کیست کہ وا میکنیم ما

مقصد اس تقابل اور اس شعر کا سوا اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یقین اور مخلص دونون

کو سرقہ کا ملزم ٹھہرایا جائے اور یقین کی توہین کی جائے کیونکہ اس قسم کی مثالین میر صاحب

نے کسی اور شاعر کے متعلق پیش نہین کین - کیا عجب ہے کہ میر صاحب میان یقین سے ل کے

خوش نہوے ہون اور اسی خیال سے متاثر ہو کے یہ فقرے لکھدیے ہون کہ "رعونت فرعون پیش او

پشت دست بر زمین می گذارد، ذائقہ شعر فہمی مطلق ندارد"

میر صاحب نے یقین کی خاندانی بزرگی کا ضرور اعتراف کیا ہے جسکو مولانا نے موصوف

نے اپنے دیباچہ مین بھی نقل کیا ہے، لیکن شاعری خاندانی یا ذاتی وجاہت سے بالکل

الگ چیز ہے - اس تعریف سے وہ توہین زائل نہین ہو سکتی -

بہ ظاہر نکات الشعرا جامع تذکرہ ہے جیسا کہ مقدمہ مین مولانا شروانی نے تسلیم کیا ہی

لیکن اُردو شاعری کو میر صاحب سے ایک عام شکایت ہو سکتی ہے جسکا کوئی جواب نہین

میر صاحب نے تحریر فرمایا ہے

اگرچہ ریختہ در دکن است، چون از انجا یک شاعر مربوط برنخواستہ لہذا شروع

بنام آنہا نہ کردہ وطبع ناقص مصروف ایہم نیست، کہ احوال اکثر آنہا ملال اندوز

گردد مگر بعضے از انہا نوشتہ شد"

بحیثیت تذکرہ نگار میر صاحب کو بلا کسی تعصب کے ان سب شعرا کے حالات پر

روشنی ڈالنی تھی جنکے گھر مین اُردو شاعری نے پہلے پہل جنم لیا خواہ اُنکے اشعار

قابل پسند تھے یا نہ تھے -

فارسی شاعری کا وہ ابتدائی شعر ابتک مشہور ہے جسکا پہلا مصرعہ بہرام گور نے

شکارگاہ مین کہا تھا اور دوسرا اُسکے وزیر نے

منم آن پیل دمان و منم آن شیر یلہ نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ

لیکن اُردو تذکرہ نویسون کی بے پروائیون سے آج یہ وثوق سے کہنا مشکل ہے
کہ اُردو کا پہلا شعر کون ہے، بہرحال حامیان اُردو کو انجمن ترقی اُردو کا شکرگذار ہونا چاہیے
کہ اسکی توجہ سے نکات الشعرا کی زیارت نصیب ہوئی، شروع تذکرہ مین مولانا حبیب الرحمن
صاحب کا مقدمہ بھی قابل تحسین ہے۔ حقیقتاً آپ نے مقدمہ نگاری کے اہم فرائض کو
بڑی خوبی سے ادا کیا ہے، نکات الشعرا بقول مولانا شروانی چھوٹی تقطیع کے ۱۸۷
صفحون کا ایک مختصر رسالہ ہے مگر چونکہ ایک اُستاد فن کی تصنیف ہے اسلیے ادبی، تاریخی
معاشرتی، معلومات اور فوائد سے مالامال ہے - اسمین ایک سو دو شعرا کا تذکرہ ہے،
کاغذ عمدہ، کتابت وطباعت دیدہ زیب، قیمت عہ

ملنے کا پتہ - دفتر انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن -

تاریخ ملل قدیمہ

ہندوستان مین یہ کہنے والے تو بہت ہین کہ اُردو زبان علمی زبان نہین، مگر
ایسے احباب کم ہین جو اس احساس کے بعد بھی اُردو کو علمی زبان بنانے کا خیال
رکھتے ہون - بالفرض خیال کرنیوالے بھی ملین تو سعی عمل کا کہین نشان نہین ملتا
اس قحط الرجال مین بعض پرجوش اصحاب بیشک قابل ستائش ہین جو سرگرم کار ہین
اُنھین منتخب حضرات مین ہمارے دوست فہمی ترمذی بھی ہین جنکی حسن سعی سے یہ بینظیر
کتاب اُردو کے کتبخانے مین داخل ہوئی -

فہمی صاحب اس سے پہلے بھی چند عمدہ کتابون کا ترجمہ اردو مین کر چکے ہین
جنمین سے بعض شایع ہو گئین اور بعض ابھی چھپنے کو باقی ہین -

کاش ہندوستان مین انجمن ترقی اُردو جیسی بیشمار انجمنین قائم ہوتین جن سے
مصنفین ومترجمین کی جگر کاویون کی داد ملجایا کرتی اور انکی کتابین شایع ہوجایا کرتین
کیونکہ یہی اُن غریبون کی محنت بے حاصل کی داد ہے -

یہ کتاب فرانسیسی زبان سے ترجمہ ہوکر ایران پہونچی اور فارسی سے اُردو لباس

مین جلوہ گر ہوئی، اسمین مصر قدیم کے حالات اس شرح وبسط سے تحریر ہین کہ اُس زمانہ کی تہذیب وتمدن کا نقشہ آنکھون مین کھنچ جاتا ہے۔ جابجا مجسمونکی تصویرین بھی دیگئی ہین۔ ترجمہ عمدہ۔ عبارت سلیس۔ کاغذ نفیس، کتابت وطباعت دیدہ زیب قیمت عہ
ملنے کا پتہ :۔ دفتر انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

چورون کا کلب

اُردو دان پبلک، مسٹر ظفر عمر مولف "نیلی چھتری" بہرام کی گرفتاری،، سے ایک حد تک واقف ہو چکی ہے۔ آپ کے افسانے ملک مین قبول عام کی سند حاصل کر چکے ہین۔ اُردو ادب مین ابتک ایسے افسانے جنکی بنیاد صرف حسن وعشق کی دلکش داستانون پر نہو بلکہ وہ دلچسپ ہونیکے علاوہ سبق آموز بھی ہون، بہت کم تھے، مسٹر ظفر عمر نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ چورون کا کلب اسی قسم کی کتاب ہے اور بیحد دلچسپ ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ۔ قیمت عہ، جو حجم کے لحاظ سے کسی قدر زیادہ ہے۔
ملنے کا پتہ۔ دفتر زمانہ کانپور

بازار حسن

یہ دلکش ناول ہندوستان کے مشہور افسانہ نگار منشی پریم چند کے زور قلم کا نتیجہ ہے جسکا پہلا حصہ، دار الاشاعت لاہور نے شایع کیا ہے۔

منشی پریم چند کے افسانے ادب اُردو کے لیے سرمایۂ ناز ہین، جن احباب نے پریم پچیسی اور پریم بتیسی وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے اُنکو اندازہ ہوگا کہ منشی پریم چند کس خوبی سے انسان کی حسیات باطنی کی تصویر کھینچتے ہین۔ سادگی مین رنگینی اور رنگینی مین سادگی پیدا کرنا منشی پریم چند کا خاص حصہ ہے۔

اسکے علاوہ بازار حسن، کی دلکشی، خود اُسکے نام ہی سے ظاہر ہے، کاغذ عمدہ،

کتابت وطباعت دیدہ زیب - قیمت دارالاشاعت پنجاب لاہور سے معلوم ہوسکتی ہے

حفظان صحت

اس کتاب مین ڈاکٹر محمد رحمت الٰہی صاحب صدیقی ایل، ایم، بی، نے حفظان صحت کے متعلق تمام ڈاکٹری اصول نہایت شرح وبسط سے سمجھا دیے ہین، اکثر اہم مضامین کی تشریح مین تصویرین بھی دی گئی ہین، فی الحقیقت یہ کتاب ایک درسگاہ طب ہے - ہر بات سبق کے طور پر سمجھائی گئی ہے اور ضروریات زندگی پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے -

ان خوبیون پر زبان اسقدر سلیس اور عام فہم ہے کہ ہر شخص اس کتاب کو پڑھکر بآسانی اصطلاحات ورموز ڈاکٹری سے واقف ہوسکتا ہے سچ یہ ہے کہ ڈاکٹر موصوف نے ایک ایسا آئینہ تیار کردیا ہے جسمین جسم انسانی کی تشریح کے علاوہ امراض اور اُنسے بچنے کی تدبیرین اور دوائین اپنی کامل جلوہ آرائیون کے ساتھ نمایان ہین -

کتاب ۱۰۳ صفحون پرختم ہوئی ہے، آخر مین بطور ضمیمہ ۴۰ صفحے اور بھی شامل ہین جنمین انگریزی ادویات واصطلاحات، کے معانی اُردو زبان مین لکھدیے گئے ہین غرض حفظان صحت ایک مفید اور کارآمد کتاب ہے -

یہ کتاب نولکشور پریس لکھنؤ مین چھپی ہے، کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ، قیمت صرف عہ/ شائقین نولکشور پریس لکھنؤ سے طلب فرمائین -

فلسفۂ اخلاق

اس اخلاقی صحیفہ کے مولف ابو اللسان محمد سلیم (منشی فاضل) معلم ادبیات اُردو نارمل سکول امراؤتی ہین - جسمین اخلاقی اور فلسفیانہ مسائل کو سلیس اور بامحاورہ اُردو مین سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، جابجا حدیث قدسی اور آیات قرآنی سے استدلال کیا گیا ہے اور طلباء کے ذہن نشین کرنے کے لیے ہر سبق کے بعد امتحانی سوالات بھی دیے گئے ہین -

فلسفۂ اخلاق علاوہ درس تدریس کے مذہبی طور پر بھی قابل قدر ہے جس سے علم واخلاق کیساتھ ساتھ عقائد پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے - حجم ۸۰ صفحہ - کاغذ عمدہ - لکھائی چھپائی اچھی - شائقین حضرت مولف سے طلب فرمائین -

اعظمی

ترانۂ بہار

پھر بہار آئی ہوا سے بوئے یار آنے لگی
پھر پپیہے کی صدا دیوانہ وار آنے لگی

"پی کہاں" کا شور اٹھا، "حق سرہ" کا غلغلہ
کوئلیں کوکیں، صدائے آبشار آنے لگی

کھیت جھومے، بور آیا، پھول مہکے، دل کھلے
کونپلیں پھوٹیں، ہوائے مشکبار آنے لگی

پھر درختوں نے زمیں سے رنگ چوسے نو بہ نو
پتیوں میں پھر نظر، شکلِ بہار آنے لگی

پھر مری ہر سانس اک خوشبو کی دنیا ہوگئی
پھر ہوائے طرۂ گیسوئے یار آنے لگی

پھر گھنے باغوں میں چھیڑا مست چرواہے نے راگ
پھر صدائے نغمہائے شاخسار آنے لگی

پھر ہوائے سرد کے جھونکوں میں میخانے کھلے
پھر لبِ جاں بخش سے بوئے خمار آنے لگی

کھینچتی پتوں پہ خطِ رنگینیاں بھرتی ہوئی
پھر صبا پہنے ہوئے پھولوں کے ہار آنے لگی

پھر سماعت سے ملائم سانسوں کی چھیڑ چھاڑ
پھر صدائے بربط و چنگ و ستار آنے لگی

پھر شگوفے مسکرائے، پھر چلی ٹھنڈی ہوا
یاد اک عالم کی پھر بے اختیار آنے لگی

جوش پھر رسنے لگے ٹوٹے ہوئے وعدوں کے زخم
پھر مرے سینے سے بوئے انتظار آنے لگی

جوش ملیح آبادی

بہار

آگئی بہار پھر
رنگ لائی ہین کئی
اُسنے پھر ملے ہوئے
اور اُدھر زمین پہ بھی
کچھ زمین پہ آ گئے
خندہ ہے ادائے گل

طرفہ ہے نکھار پھر
پتیان نئی نئی
گل بھی ہین کھلے ہوئے
دُوب ہے ہری ہری
کچھ ہوا مین چھا گئے
اور نفس ہوئے گل
ہے زمین ورق نئی

آئے پھر نمو کے دن
ہو گئے نہت آفرین
یعنے شجر بنا
گویا آسمان ست
دلربا شمیم ہے
خوشنما زمانہ ہے
شرحِ رازِ حق نئی

یعنی رنگ و بو کے دن
یہ بھی پھول بن گئین
اِک شگوفہ پھول کا
پھول ہین برس رہے
جانفزا نسیم ہے
اِک نگارخانہ ہے

فصل بیمثال ہے
وقت خوش ہو سال کا
جیسے سوکھے پیڑ بھی

موسم خیال ہے
دورِ اعتدال کا
پا گئے ہین تازگی

آفتاب کی کرن
جو روش ہے، نرم ہے
کیا ہے کارِ زندگی

اُس طرح ہے ضوفگن
سرد ہے نہ گرم ہے
ہے بہارِ زندگی

وقت دلفریب ہے
ٹھنڈی ٹھنڈی ہے فضا
آہ رت مین ہین بھری
یہ خوشی کا ہے سمان
اے پرندِ غم نصیب!

سالبِ شکیب ہے
اور خنک خنک ہوا
سُرخیان شباب کی!
اور ہے برنج بھی عیان
آہ او ستم نصیب!

ابر ہے جو چھا رہا
پھر وہ اُسمین جھولنا
کیا نمو کا رنگ ہے
یعنی کونپل؟ آہ اب
کیون یہ اقتضائے غم؟

لطف ہے دکھا رہا
ٹیسوون کا پھولنا
دل مین اِک اُمنگ ہے
نالہ کش ہے باتعب
کیون ہے یہ نوائے غم؟

ہے یہی تو فصل آہ ہو یون کی جلوہ گاہ ہے یہ جشن سال نو خرمیِ حال نو
ہان کبھی یہ روز تھا واقعی سر درزا جب ترانے عید کے نغمہ ساز خلق تھے
چھا رہا تھا جب یہان آہ "گیہ" کا دھوان جسمین تھی ہوائے گل نکہت آشنائے گل
تھا سمان یہ خوشگوار تھی بہار مین بہار آف وہ وقت کیا ہوا لطف سب ہوا ہوا
مٹ گیا کمال ہائے ابتو ہے زوال ہائے وہ عید خوان ہے جو بنے اب وہ ہزل گو بنے
تھے جو مستِ عشق ذات وہ ہین اور منشیات جن دلون مین تھی وفا نہین ہے فقط ریا
جب شعار رہ ہوا سب وقار رد ہوا آف یہ کیا تھا کار قوم ہوگیا فشار قوم

آہ اب درم بہار ہم ہین اور غم بہار

ہے عروسِ شام کا کیا جمال خوشنما پر یہ سب کمال حسن ہے فقط خیال حسن
اب شفق بھی کیا بنی؟ سرخیِ حنا بنی آف یہ جھلملی ردا دھوپ چھاؤنی کی ردا
جس سے چھن رہا ہو حسن رنگ بن رہا ہے حسن کچھ خنک جو ہے سمان تازہ ہے دل جہان
یون ہے بہر دید حسن واہ کیا نوید حسن ہان نظام کے لیے ایسی آنکھ چاہیے

جو ہو محوِ کائنات اور مبصرِ نکات

اب ہے سچ کے آشکار واہ کیا شب بہار ہے فضائے آسمان اور ہے ماہ ضوفشان
جیسے سبزہ زار خلد اور آبشار خلد ہین ستارے بن کے پھول آہ نسترن کے پھول
لکہ ہائے ابر گر آ رہے ہین کچھ نظر تو وہ حباب جابنے حوض آب نور کے
لطف تازگی بڑھا حظ زندگی بڑھا کیا ہے ٹھنڈی چاندنی اجلی اجلی چاندنی
موسمِ نمود عام ہے قریب اختتام شمس کی روش بڑھی دھوپ کی تپش بڑھی
لطف کھو چلی ہوا گرم ہو چلی ہوا بن رہی ہے سطح آب شکل چرخ بے سحاب
کچھ سمان بدل گیا کچھ جہان بدل گیا پتیان جو سرخ تھین سبز سبز ہو گئین
اب نہین فضائے گل اب ثمر ہین جائے گل کھیت سب جو تھے ہرے پک کے زرد ہو گئے
آف یہ دھوپ کی جلن اور یہ گرمی وطن ہے پسینہ آ رہا خون دل ہے جا رہا!

اقبال بہادر سحر

کلام محروم

ہمارے واسطے ہے ایک جینا اور مر جانا
کہ ہمنے اس جہان کو جادۂ راہِ سفر جانا

یکایک منزلِ آفاتِ عالم سے گذر جانا
ڈرین کیون موت سے، جب ہے اسی کا نام مر جانا

تری نظرون سے گر جانا، ترے دل سے اُتر جانا
یہ وہ اُفتاد ہے جس سے بہت اچھا ہے مر جانا

جوابِ ابرِ نیسان تجھکو ہمنے چشمِ تر جانا
کہ ہر اک قطرۂ اشکِ چکیدہ کو گُہر جانا

لبِ بام آئے تم اور اُنکے چہرے ہوگئے پھیکے
قمر نے تمکو خورشید اور تارون نے قمر جانا

خزان کا رنگ ہے خاکِ وطن! تیری بہارون مین
ہجومِ داغِ حسرت دیکھتا ہون لالہ زارون مین

اُداسی تیرے کملائے ہوئے پھولون کی ملتی ہے
چراغِ صبح مین یا آخرِ شب کے ستارون مین

صدائے گریہ دھیمی دھیمی کہسارون سے آتی ہے
گئے وہ دن کہ تھا جوشِ ترنم آبشارون مین

نشاط انگیز اب ساون کی جھڑیان ہو نہین سکتین
کہ عالم ابرِ باران کا ہے بارش کی پھوہارون مین

یہی عالم رہا گر تیرے ضبطِ سوزِ پنہان کا
تو پھوٹین گے بجائے غنچہ شعلے شاخسارون مین

تڑپ کر سنگریزون سے شرر باہر نکل آئین
جو تیرا اضطرارِ دل بیان ہو کوہسارون مین

غم آلودہ نہون اشعارِ محروم حزین کیونکر
کہ ہے تاثیرِ غمِ خاکِ وطن! تیرے نظارون مین

زوالِ حسن ساری ہے گلون مین، گلعذارون مین
نہان ہے خارِ حسرت کی خلش پھولونکے ہارون مین

نشاط افروزیٔ دل بزمِ فانی کے نظارون مین!
فروغِ جلوۂ مہتاب ناممکن شرارون مین

نہ چھیڑے آرزو نے نغمہ میرے سازِ ہستی کو
کہ پنہان جز نوائے غم نہین کچھ اسکے تارون مین

شبستانِ فلک مین محوِ خوابِ ناز ہے کوئی
کہ ایمائے خموشی ہے کواکب کے اشارون مین

یہ احسان مفت کا ہے۔ حالِ عاشق پوچھتے جاؤ
کہان ہے تابِ گویائی تمھارے غم کے مارون مین

پسندِ خاطرِ محروم طرزِ صاف گوئی ہے
چھپا سکتا ہون ورنہ دل کا مطلب استعارون مین

"محروم"

جذبات فراق

بندھ کے تار آنسوؤں کا ٹوٹ گیا — دل نے آنکھوں سے بیوفائی کی
ایک تصویر تھی وصال کی رات — آپ کے لطف انتہائی کی
کوئی افسانہ چھیڑ تنہائی — رات کٹتی نہیں جدائی کی

رہ رہ کے یاد آتی ہے کیفیتِ شباب — یعنی وہ ایک خمار ازل کے شراب کا
بیزار ہو کے یاد بھی اُنکی چلی گئی — کیا حال ہو گیا دلِ خانہ خراب کا

ادائیں اُنکی دل سے کھیلتی ہیں — وہ کیا جانیں وفا کیا ہے جفا کیا
شبِ وعدہ ہے یارب خیر کرنا — اُمیدیں بندھ رہی ہیں دل میں کیا کیا
ہوا کرتا ہے یوں بھی کوئی بیتاب — دلِ ناداں تجھے یہ ہو گیا کیا

شبہائے طول ہجر کی بیتابیوں کا حال — کہتے ہیں ہاں سناؤ مگر اختصار سے

رگھوپت سہائے فراق

لطف سخن

عالیجناب شاہزادہ عادل خلف شاہزادہ مرزا آسمانجاہ بہادر انجم ابن شاہزادہ حضرت اختر جنت آرامگاہ

گریہ تو ہے ارادۂ طوفان کیے ہوئے ۔۔۔ آنسو چلے ہیں اور ہی سامان کیے ہوئے

طے کر رہا ہوں وادیٔ وحشت کی منزلیں ۔۔۔ دامن کو نذر خار مغیلان کیے ہوئے

انجام کیا ہو دیکھیے مجھ رہ نورد کا ۔۔۔ بے مہریٔ فلک ہے پریشان کیے ہوئے

تربت پہ شامیانہ نہیں ہے نہیں سہی ۔۔۔ ابر کرم ہے سایۂ دامان کیے ہوئے

مانع ہے کون ظلم کرو شوق سے مگر ۔۔۔ انجام کا خیال مری جان کیے ہوئے

پیکان کسکے تیر کا نکلا ہے دل کے ساتھ ۔۔۔ کاشانۂ حیات کو ویران کیے ہوئے

جناب اصغر گونڈوی

گم کر دیا ہے دید نے یوں سر بسر مجھے ۔۔۔ ملتی ہے اب آنکھوں سے کچھ اپنی خبر مجھے

جب اصل اس مجاز و حقیقت کی ایک ہے ۔۔۔ پھر کیوں پھرا رہے ہیں اِدھر سے اُدھر مجھے

رکھا ہوا ہے خرمنِ ہوش و خرد میں کیا ۔۔۔ اب ڈھونڈھتی ہے کیوں تری برقِ نظر مجھے

نالوں نے میرے آگ لگا دی جہان میں ۔۔۔ صیاد جانتا تھا فقط مشت پر مجھے

کیا کیا نگاہِ مست سے فتنے بپا ہوئے ۔۔۔ ساقی ترے نثار نہیں کچھ خبر مجھے

کیا درد ہجر اور یہ کیا لذت وصال ۔۔۔ اس سے بھی کچھ بلند ملی ہے نظر مجھے

دیکھا کہ بتکدہ کا جسے راز ہو سپرد ۔۔۔ اہلِ حرم میں کوئی نہ آیا نظر مجھے

بکھری ہوئی ہے زلف سیہ روے یار پر ۔۔۔ اب صبح ہے کہ شام نہیں کچھ خبر مجھے

آتی ہے صاف باد بہاری سے بوئے دوست
کیون باندھ باندھ رکھتے ہین یہ بیخبر شمجھے
وہ مست حسن اور مین سرشار آرزو
میری خبر اُنھین ہے نہ آئی خبر مجھے

ابوالاعجاز جناب ناطق جالندھری

فدائے رنج و راحت تھا نثار چاک داماں تھا
مقدر جسپہ روتا ہو، مین وہ مایوس انسان تھا
ترا زخمین تیرا تیر اور مہمان پیکان تھا
ہماری شرح غم کا وہ دل خون گشتہ عنوان تھا
کشاکشہائے حسن و عشق کی روداد کیا ہمدم
جنون کا ہاتھ تھا اور تار تار اپنا گریبان تھا
مقام بیخودی مین بھی رہے جھگڑے تصوف کے
فنا فی الشیخ ہوکر شیخ خود سر در گریبان تھا
جنون کیسا کہان کی اُلفت لیلی امین بیتابی
وہ دیوانہ تو گویا عاشق چشم غزالان تھا
جناب شیخ آپ، اور بزم رندان جائے حیرت ہے
زبان پر کلمے تو یہ تھی بغل مین کسکے قرآن تھا
جلا یا شوق نے آکر، بجھایا مجھکو حسرت نے
مگر مین بزم ہستی مین چراغ زیر دامان تھا
رموز سر وحدت جسمین واعظ تو نے دیکھے تھے
ازل مین میرا دیوان تھا کہ دیوان کا عنوان تھا
اُلجھنا تھا جو رہ کر میرا دم نزع مین ناطق
مگر تار رگ جان بھی، کوئی تار گریبان تھا

جناب مولانا محوی لکھنوی

کیون صرف الم ہوتا، کیون نذر جفا ہوتا
یا رب ! مجھے قسمت نے بیکس نہ کیا ہوتا
یون حسن کی دنیا مین رسوا نہ ہوا ہوتا
یہ ذوق محبت مجھکو یا رب نہ عطا ہوتا
چپ رہنے پہ اس دل کی شورش کا یہ عالم ہے
اک آہ اگر کرتا، کیا جانیئے کیا ہوتا
ہے روح کو بیتابی، ہے قلب کو بیچینی
تیر اُسنے جو چھوڑا تھا، یا رب نہ خطا ہوتا
دنیا کو دکھا دیتے، ہم حسن کی بیتابی
گر خستگی غم سے دل بجھ نہ گیا ہوتا
اللہ ری یہ آرایش، اُف رے تری رنگینی
وہ کل کا ترا وعدہ، کاش آج وفا ہوتا

اس اپنی تباہی پہ ہے ناز مجھے محوی
سو بار مین پھر مرتا، گر مر کے جیا ہوتا

جناب مرزا جعفر علیخانصاحب اثر لکھنوی

مین تیرا ہی خیال اُسوقت اے جانِ حزین ہوتا
کہ مرکر قیدِ غم سے چھوٹ جانے کا یقین ہوتا

سہارا بیکسی کا بھی جو رہجائے غنیمت ہو
کہ ہمسے غمزدون کا کوئی دنیا مین نہین ہوتا

یقین ہے خوف سے زاہد ہی سجدے مین گر پڑتا
فروزان مثلِ داغِ دل اگر نقشِ جبین ہوتا

ترا انداز رعنائی جو دیکھا یہ تمنا ہے
جدھر اُٹھتی نظر تیری مرا دل بھی وہین ہوتا

تصنع سے بری ہو اسلیے عاشق زمانہ ہے
خوشی تھی میرے مرنیکی وہ کیون اندوگین ہوتا

مکین ہے دل مین وہ اور دل ہو اک عالم جداگانہ
کسی کو تو نظر آتا جو دنیا مین کہین ہوتا

اثر بیزار ہو رہ رہ کے دلمین درد ہونیسے
بھلا کیا حال ہوتا دل اگر درد آفرین ہوتا

جناب احسن سہیمی ناظم حلقۂ ادبیات دھارور

ظالم نے آج روح کو بھی دل بنادیا
دونون کو اک نگاہ مین بسمل بنادیا

خلوت سرائے دل کا یہ عالم کبھی نہ تھا
اک حسن بے حجاب نے محفل بنادیا

رگ رگ مین اُس نگاہ نے اک روح پھونکدی
جو آبلے تھے دل مین اُنھین دل بنادیا

نیچی نظر نے قلب کے ٹکڑے اُڑا دیے
تجھکو ادائے شرم نے قاتل بنادیا

گو میرے حالِ زار نے رسوا کیا مجھے
اتنا ہوا کہ رحم کے قابل بنادیا

اب اس سے بڑھکے اے غمِ جانان مین کیا کرون
مین نے تو دل مین رکھکے تجھے دل بنادیا

اس درجہ انتظار مین بیتابیان بڑھین
خود میرے شوق نے مجھے بسمل بنادیا

ذوقِ طپش ہے اُسکے لیے حاصلِ حیات
جس دل کو تونے درد بھرا دل بنادیا

احسن یہ محویت یہ خموشی یہ بیخودی
ایسا کسی کی یاد نے غافل بنادیا

زمانہ

جلد ۳۸ مئی سنہ ۱۹۲۲ء نمبر ۵

شریمان پنڈت مدن موہن مالویہ

آجکل ہمارے ملک مین معاملات حاضرہ پر رائے زنی کرنیوالے دو بڑے فرقے ہین۔ اول مین مہاتما گاندھی اور اُنکے مداح شامل ہین دوسرے مین سرسُرندرو ناتھ بنرجی مسٹر سری نواس شاستری اور اُنکے ہمخیال ہین۔ مہاتما گاندھی کی پارٹی اسوقت زبردست ہے ملک کے لیے جان و مال سب ایثار کرنیکو تیار ہے اور بہت کچھ تکلیف اُٹھا بھی چکی ہے۔ ان اصحاب کا خیال ہے کہ زبانی جمع خرچ کا وقت اب گزر گیا۔ کانگریس کی چالیس سال کے زبانی جمع خرچ سے گورنمنٹ کی پالیسی مین کوئی فرق نہین آیا۔ نہ آیندہ فرق آنیکی امید ہے اب ضرورت ہو کہ قوم کی خاطر اپنے آپکو قربان کیا جائے۔ تکلیف کو تکلیف نہ سمجھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک مین شمال سے لیکر جنوب تک مشرق سے مغرب تک سیکڑون کیا ہزارون نوجوان اور معمر اصحاب خوشی خوشی جیلخانہ جارہے ہین اور ساتھ ہی یہ پرچار کرتے ہین کہ تحریر سے ہو یا تقریر سے خیال سے ہو یا عمل سے غرض کسی طرح بھی فریق مخالف کو نقصان نہ پہونچایا جائے۔ قومی خادمون کو اپنی قربانی اور خدمت ہی سے دوسرون کے قلوب کو مسخر کرنا چاہیے نہ کہ تلخ گوئی اور

بائیکاٹ سے ۔ یہ ناممکن ہے کہ اس اعلیٰ نصب العین سے کبھی بھی خلاف ورزی نہ ہو اتنی بڑی آبادی مین مختلف طبقے کے لوگون کو اس خلوص عقیدت کے پیدا کرنے کے لیے ایک خاص وقت کی ضرورت ہے ۔ مگر اسمین بھی کچھ شبہہ نہین کہ مہاتما گاندھی دلی پاکیزگی کا پرچار سچے دل سے کر رہے ہین اور جو شخص سیدھے راستہ سے بھٹکتے ہین انکی وہ بلا رو رعایت سرزنش کرتے ہین ۔ دوسری پارٹی جسکو ماڈریٹ یا لبرل پارٹی کہا جاتا ہے یقین کرتے ہین کہ اخبارون اور لیکچرون کے ذریعہ سے گورنمنٹ کی کارروائی پر آزادانہ نکتہ چینی کرنے سے انتظام ملک مین رفتہ رفتہ ترقی ہو جائیگی ۔ اُنکا خیال ہے کہ ہمکو گورنمنٹ کے ساتھ ملکر کام کرنا چاہیے ۔ سرکاری عہدون کو قبول کرنا چاہیے سرکاری کونسلون کا ممبر بننا چاہیے اور وہان دل کھول کر ملکی ضروریات کو گورنمنٹ کے روبرو پیش کرنا چاہیے ۔ انکا یہ بھی خیال ہے کہ گورنمنٹ نے ہر ایک صوبہ کی انتظامیہ کونسلون مین بڑے بڑے تنخواہ دار عہدے اہل ہند کو عطا کر دیے ہین پنجاب مین مسٹر شادی لال کو ہائیکورٹ کا چیف جسٹس مقرر کر دیا ہے ۔ تین ہندوستانی گورنمنٹ ہند کی کونسل کے ممبر ہین ۔ ابھی حال ہی مین ایک صوبہ کے گورنر بھی ہندوستانی تھے ۔ ہندوستان مین سول سروس کا امتحان بھی ہونے والا ہے اور فوجی عہدون پر ممتاز ہونے کی لیاقت حاصل کرنے کیلیے ہندوستان مین کالج کھولے جا رہے ہین ۔ غرض اسی طرح گورنمنٹ آیندہ بھی اہل ہند کے حقوق بڑھاتی رہے گی ۔

مگر عدم تعاون کے حامی دعویٰ کرتے ہین کہ یہ سب رعائتین اُن لوگون کی قربانیون کا نتیجہ ہین جو تقسیم بنگال کے وقت سے اپنی قوم پر نثار ہو رہے ہین جنھون نے خوشامد اور میٹھی باتون کو بالاے طاق رکھکر گورنمنٹ کی غلط اور ناجائز پالیسی کو پوست کندہ عوام پر روشن کر دیا ہے ۔ خوشامد کرنیوالے اگر ہزار برس گورنمنٹ کی مدح سرائی کرتے رہین گے تب بھی ملک کو کچھ نہ ملے گا ۔ یہ دونون فریق ایک دوسرے کی نکتہ چینی مین مشغول ہین ۔ بعض اوقات یہ نکتہ چینی اخلاق کے درجہ سے گر جاتی ہے مگر کوئی فریق اپنی کمزوریون سے آگاہ ہونے کی کوشش نہین کرتا ۔ اُنکے مقابلہ مین پنڈت

مدن موہن مالویہ جی کی ایسی بے نظیر مثال موجود ہے کہ اُنکی جتنی تعریف کیجائے کم ہے اُنکا ہر دو فریق سے تعلق ہے۔ چھوٹی عمر سے کانگریس مین دلچسپی لیتے رہے ہین ۱۹۰۹ء مین وہ لاہور کانگریس کے صدر منتخب ہوے۔ بابو سرندر ناتھ بنرجی نے پنڈت جی کو کرسیِ صدارت کے لیے تجویز کرتے ہوے فرمایا تھا کہ پنڈت صاحب جسوقت کلکتہ کی ۱۸۸۶ء کی کانگریس مین تشریف لے گئے تھے اُنکا قد اسقدر چھوٹا تھا کہ انھین ایک میز پر کھڑا کیا گیا تھا۔ تاکہ سب لوگ دیکھ سکین اور اُنکی من موہنی تقریر سُن سکین۔

اسکے بعد وہ دہلی کانگریس کے پریسیڈنٹ منتخب ہوے۔ غرض اہل ملک نے انکی قابلیت اُنکی حُبّ الوطنی اور ایثار نفس کی دل کھول کے خوب داد دی ہے۔ اُنکا شیوہ ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ وہ کبھی کسی کی نسبت دل آزار الفاظ استعمال کرنا نہین چاہتے نہ اُنھون نے کسی کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کیے ہین جو قابل اعتراض ہون۔ وہ کانگریس کے ہر ایک جلسہ مین شریک ہوتے رہے ہین۔ انکو پرماتما نے ایسی نورانی شکل ایسی میٹھی زبان اور ایسا پسندیدہ طرز بیان اور ایسی بے لوث حب الوطنی عطا کی ہے کہ شروع ہی سے کانگریس مین جانیوالے لوگ سچے دل سے انکی عزت کرتے رہے ہین الہ آباد کے وکیلون مین اُنکا رتبہ ہمیشہ بلند رہا ہے۔ انکی آمدنی بھی بہت اچھی تھی۔ مسٹر گوکھلے کی بے وقت موت سے پہلے پنڈت مالویہ جی کانگریس کے طبقہ مین قابلیت کے لحاظ سے چیدہ شخصون مین تھے۔ مگر جو لوگ ملکی معاملات مین سخت زبانی پسند کرتے ہین وہ موصوف کو ایک نرم پالیٹیشن سمجھتے تھے جو سنگین موقعون پر گرم کام کرنیکے لائق نہین۔ مگر یہ ان لوگون کی خام خیالی تھی۔ مسٹر گوکھلے کی افسوسناک موت پر تمام ملک مین مایوسی چھا گئی تھی۔ لوگ ہاتھ ملتے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ ہندوستان کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو کون پار لگائے گا۔ پرماتما نے اس بیکس ملک کی فریاد سُن لی اور پنڈت مدن موہن مالویہ کے دل مین وہ حوصلہ پیدا کر دیا کہ جسکا لوگون کو گمان بھی نہ تھا مسٹر گوکھلے کے بعد اُنھون نے ویسرائے کی کونسل مین ہر ایک ضروری معاملہ پر اس شان کی تقریرین کین کہ چارون طرف سے واہ واہ ہونے لگی۔ گورنمنٹ کو بھی معلوم

ہوگیا کہ پنڈت جی کی طبیعت کو قدرتی طور پر نرم واقع ہوئی ہے مگر ضرورت کے وقت وہ کڑوے اور سچے واقعات کو نہایت زور سے بیان کرسکتے ہین - ویسرائے کی کونسل کا کام نہایت مشکل ہے - ایک طرف سرکاری ممبران ہوتے ہین جو خود نہایت لائق اور تجربہ کار ہوتے ہین اور اُنکے ماتحت بڑے بڑے لائق سکرٹری اور انڈر سکرٹری ہوتے ہین جو ہر ایک معاملہ مین پوری تحقیق و تفتیش کرنیکے بعد اپنے صیغہ کے ممبر کی خدمت مین رپورٹین پیش کرتے ہین - ساتھ ہی ہر ایک صوبہ کی لوکل گورنمنٹ ہند کی پوری مدد کرتی ہے - دوسری طرف یہ حالت ہے کہ پنڈت مالویہ جی خود ہی اخبارات پڑھین خود ہی سرکاری رپورٹین پڑھین - خود ہی سوالات تیار کرین اور خود ہی سرکاری ممبرون کی نکتہ چینی کا جواب دین - جو لوگ اپنے گھرون مین بیٹھے ہوے کونسل کے مباحثون کا اخبارون مین لطف اُٹھاتے ہین اُنکو لائق ہندوستانی ممبرون کی محنت کا اندازہ لگانا مشکل ہے - اسی سخت محنت کی وجہ سے مسٹر گوکھلے جنھون نے اپنی تقریرون سے لارڈ کرزن کو لاجواب کردیا تھا قبل از وقت انتقال کرگئے - اسی محنت کی وجہ سے پنڈت مدن موہن مالویہ جی کئی دفع بیمار ہوکر کام بند کرنے پر مجبور مجبور ہوچکے ہین - مگر مالویہ جی اپنے ارادہ کے پکے ہین اُنھون نے ملکی خدمت کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا - جسوقت جنرل ڈائر کی وجہ سے تمام ملک کی حالت دردناک ہورہی تھی پنڈت مالویہ جی نے مہاتما گاندھی اور دیگر فدایان ملک کے ہمراہ واقعات پنجاب کی تحقیقات کی اور پھر ویسرائے کی کونسل مین تمام تشددات کے متعلق وہ سوالات پیش کیے جنکی نظیر آجتک ہندوستان کی تاریخ مین موجود نہین - اُن سوالات نے تمام ملک مین ایسی ہلچل پیدا کردی جو بیان سے باہر ہے - لوگون کا خیال تھا کہ ان سوالات کا گورنمنٹ جواب دے یا نہ دے مظالم پنجاب کی تلافی کرے یا نہ کرے تاہم ان سوالات سے مالویہ جی کی بیباکی اور لیاقت، حُب الوطنی اور دردِ قومی کا پورا ثبوت ملتا ہے اور یہ سوالات اہل ہند کی سیاسی تعلیم کا بہترین ذریعہ ہین جو مباحثہ پنجاب کے واقعات کے متعلق لارڈ چیمسفورڈ کی کونسل مین ہوا اور جس حوصلہ

صدق دلی اور پُر درد الفاظ سے مالویہ جی نے اپنے ملک کی وکالت کی اسکی تعریف کرنا مشکل ہے۔ گورنمنٹ نے مالویہ جی کی تقریرون کو ادب سے سنا تنگدل افسرون نے اپنی تنگدلی بھی ظاہر کی اور انکی نسبت ناشایستہ خیالات بھی ظاہر کیے مگر تمام ذمہ دار افسرون یعنی ویسرائے اور ممبران کونسل وغیرہ کی نظرون مین مالویہ جی کی عزت بہت بڑھ گئی۔ پنجاب کے حادثات نے سیاسی حلقون مین جو انقلاب پیدا کیا ہے اسی کی وجہ سے مہاتما گاندھی نے عدم تعاون کی تحریک ملک مین جاری کی قوم پرستون کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ سرکاری کونسلون کے ممبر نہ بنین مالویہ جی نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی۔ اگر میری یاد غلطی نہین کرتی تو کلکتہ کانگریس کے بعد ہی اُنھون نے کلکتہ کے ایک بڑے جلسہ مین اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوے فرمایا تھا کہ ہندوستان کے لائق آدمیون کا کونسل مین بحیثیت ممبر کام کرنا نہایت ضروری ہے۔ اُسوقت اُنھون نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ خود ضرور کونسل کا ممبر بننے کی کوشش کرینگے۔ انکے مشورہ سے حامیان عدم تعاون کے عقیدہ مین کچھ فرق نہین آیا بلکہ برعکس اپنے اعلان کے مالویہ جی نے اپنے دوستون کے پاس خاطر سے یا کسی اور وجہ سے کونسل کے ممبر بننے کا ارادہ ترک کر دیا۔ بہت سے دانا اصحاب کا خیال ہے کہ مالویہ جی نے اس معاملہ مین غلطی کی۔ اُنکو ویسرائے کی کونسل کا ممبر ہونا چاہیے تھا۔ مگر جب مہاگاندھی نے یہ فیصلہ کیا کہ قوم پرستون کو سرکاری یا سرکار سے مدد لینے والے کالج اور سکولون سے اپنے لڑکے اُٹھا لینے چاہئین تو مالویہ جی نے اُنکی راے پر عمل کرنے سے صاف لفظون مین انکار کر دیا۔ اُنھون نے مہاتما گاندھی کو موقع دیا کہ وہ بنارس ہندو یونیورسٹی کے ودیارتھیون کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کرین اور پھر اُنھون نے اپنے عقیدہ کا اعلان کیا کہ موجودہ سرکاری اسکولون اور کالجون کو بائیکاٹ کرنے کا اُصول بالکل غلط ہے۔ یہ مالویہ جی کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ بنارس ہندو یونیورسٹی اسوقت تک قائم ہے ورنہ حامیان عدم تعاون نے اُس یونیورسٹی کے طالبعلمون کے خیالات مین انقلاب پیدا کرنے مین کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا تھا۔

باوجودیکہ مہاتما گاندھی اور مالوی جی کے خیالات مین چند ضروری امورات مین سخت اختلاف ہے مگر دونون کے دلون مین ایک دوسرے کی نسبت نہایت سچی عزت اور محبت ہے یہی وجہ تھی کہ مالویہ جی نے مہاتما گاندھی کو پچھلے سال شملہ بلایا اور ویسرائے سے انکی ملاقات کرائی - مالوی جی کی یہ راے ہے کہ ملک کے حالات کا لحاظ کر کے تحریک عدم تعاون کی رفتار اور سول نافرمانی کے اجرا مین تامل کیا جائے -

گول میز کی کانفرنس کے لیے جو کوشش مالوی جی نے کی وہ تاریخ ہند مین ہمیشہ یادگار رہے گی - اگرچہ ایک خاص خیال کے حامیان عدم تعاون مالویہ جی کے پیغام صلح کو اچھی نگاہ سے نہین دیکھتے مگر مالویہ جی اپنی طرف سے سب کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہین اور صدق دل سے یقین کرتے ہین کہ گورنمنٹ اور قوم پرستون مین صلح ہونا ملک کی ترقی کے لیے اشد ضروری ہے -

بنارس ہندو یونیورسٹی | اگرچہ مالوی جی نے اپنی عمر کا بڑا حصہ وکالت مین صرف کیا اور سیاسی معاملات سے ابتک انکو بڑی دلچسپی ہے مگر وہ بھی رابندرو ناتھ ٹاگور کی طرح دل سے یہی چاہتے ہین کہ سیاسی دھندون کو خیرباد کہکر پرانے پنڈتون کی طرح پڑھنے اور پڑھانے مین اپنی بقیہ زندگی گزارین جس لگاتار کوشش سے وہ ہندو یونیورسٹی کو وجود مین لائے ہین وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اسکی ترقی کے لیے انکو کلکتہ اور کبھی بمبئی کبھی لاہور اور کبھی مدراس جانا پڑتا ہے - چارون طرف سے وہ اپنی پیاری یونیورسٹی کے لیے لاکھون روپیہ لاتے ہین -

اسوقت جو شاندار عمارتین اور سیکڑون طالبعلم ہندو یونیورسٹی کی آیندہ ترقی کا اشارہ کر رہے ہین وہ سب مالوی جی کی ان تھک کوشش کی بدولت ہین - چارونطرف سے بید رد نکتہ چینی کی بھرمار ہوتی ہے مگر انکے ذہن مین کبھی ذرا فرق نہین آتا - پرماتما نے انکو لیاقت اور فصاحت کے ساتھ ایسی بردباری دی ہے کہ وہ ہر ایک تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے ہین انگریزی تعلیم نے انکو انگریزی تہذیب کا غلام نہین

بنایا وہ سچے برہمن ہین اپنے بزرگون کی طرح ہر روز پوجا پاٹ کرتے ہین پیشانی پر تلک لگاتے ہین اور مطالعہ کتب مین مشغول رہتے ہین۔

مجھے آپسے ملنے کا کئی دفعہ اتفاق ہوا ہے پچھلے سال ستمبر مین شانتی کوٹھی واقع شملہ مین حاضر خدمت ہوا تھا میز اور الماریان کتابون اور اخبارون سے لدی ہوئی تھین۔ مین نے کہا کہ برہمن جاتی کی حوصلہ افزائی کے لیے کبھی لکچر دیدیا کیجیے۔ فرمایا کہ مین تو براہمن جاتی کا داس ہون مگر مین ایک بڑے کام مین مشغول ہون جس سے براہمن اور غیر براہمن سب کا فائدہ ہوگا بعدازان میری تندرستی کے متعلق مجھے مشورہ دیتے رہے اتنے مین وہ سیر کے لیے باہر جانے کو تیار ہوئے مین نے نمشکار کی اور بابو گنج کے راستہ سے اپنے مقام پر واپس آگیا۔

جو لوگ براہمن جاتی کو گالیان دیتے ہین اُنکو پنڈت مدن موہن مالویہ جی کی زندگی پر غور کرنا چاہیے۔ دیکھئے اُنھون نے تمام ملک کی کیا اعلی درجہ کی خدمت کی ہے وہ اکیلے براہمن نہین ہین جنھون نے اپنے آپ کو قوم پر نثار کردیا ہے اُنکے لڑکے اور دوسرے قریبی رشتہ دار بھی حب وطن پر پروانہ وار قربان ہو رہے ہین۔ پنڈت موتی لال نہرو اور اُنکے لڑکے اور دیگر رشتہ دارون کی نظیر بھی بےمثال ہے۔ ملک مین جدھر جایئے چارون طرف براہمن جاتی کے سپوت ملکی خدمت مین کوشان ہین۔ جو لوگ بقید حیات نہین اُنمین راجہ رام موہن رائے مسٹر گوکھلے مسٹر تلک جیسے براہمن ہندوستان کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب کی طرح چمک رہے ہین۔ اگر کسی وقت تنگدل برہمنون نے کسی کو نقصان پہونچایا ہے تو مذکورہ بالا شوربیرون نے اپنی لاثانی خدمت سے اپنی جاتی کے گناہون کی کافی سے زیادہ تلافی کردی ہے۔ اور ملک پر وہ احسان کیے ہین کہ کوئی شخص انکو بھول نہین سکتا۔ اگر کسی اور وجہ سے نہین تو کم ازکم ان مہاپرشون کی خدمات کی وجہ ہی سے تنگدل ریفارمرون کو براہمن جاتی کا دل دکھانے سے باز رہنا چاہیے۔ ملکی ترقی باہمی نفرت سے نہین ہوسکتی باہمی محبت سے ہوسکتی ہے۔

مادھو رام وکیل انبالہ

اقتصادیات مین ہندستانی نقطہ نظر

پروفیسر مارشل کا قول ہے کہ دنیا مین جن عظیم الشان انقلابات نے تہذیب اور شائستگی کی کایا پلٹ کردی ہے انکی تہ مین کوئی نہ کوئی تحریک کام کرتی رہی ہے۔ انمین سے ایک مذہبی ہے اور دوسری اقتصادی۔ ایک کا تعلق انسان کی روح اور خدا سے ہے اور دوسرے کا جسم اور اُسکے نشو ونما سے۔

دُنیا کی تاریخ دیکھیے۔ ہر ملک مین ایسی مذہبی تحریکون کا نشان ملتا ہے جنھون نے سوسائٹی کی اخلاقی۔ تمدنی اور سوشل حالت پر بہت بڑا اثر ڈالا ہے۔ امریکہ آزادی کے دلدادہ انسانون سے آباد نہوتا اور نہ انگلستان صنعتی دنیا مین ممتاز اگر مذہبی آزادی کے سرفروشون کے ساتھ یورپ مین حد درجہ کا ظلم نہ کیا گیا ہوتا۔ کیونکہ مذہبی آزادی کی وجہ سے مغربی اور شمالی یورپ کے صناع برطانیہ مین آکر آباد ہوے اور انگلستان صنعت وحرفت کا مرکز بنگیا۔ اسی طرح ہندوستان کو آج پارچہ بافی کی صنعت پر ناز کرنے کا موقع نہ ملتا اگر پارسیون کو اپنے ملک مین مذہبی آزادی حاصل ہوتی۔ بمبئی کی تجارت صنعت وحرفت سب پارسیون کی حسن کوشش کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان مین صنعتی ترقی کی لہر جو ہر طرف دوڑ رہی ہے اُسکے بانی پارسی ہی ہین۔ لوہے کی صنعت کو یورپین طرز کی ترقی دینے والے بھی پارسی ہین۔ مغربی گھاٹ مین پانی کو جمع کرکے برقی قوت کا انتظام کرنیوالے بھی پارسی ہین اور صنعت وحرفت مین کیمیاوی سائنس کے اطلاق کو دائرہ عمل مین لانیوالے بھی پارسی ہی ہین۔ اسلیے انکو نئے صنعتی دور کا پیشرو کہنا بیجا نہوگا ہندوستان کے لیے وہ دن بہت مبارک ہے جب پارسیون نے اپنے ملک کو

ہمیشہ کے لیے خیرباد کہکر ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔

زندگی کے ہر شعبہ مین مذہبی تحریکون کا ہمیشہ تعجب خیز اثر پڑا ہے۔ بدھ مذہب نے ہندوستان مین کیسا زبردست انقلاب برپا کردیا تھا؟ تواریخ۔ کتبے۔ مجسمے اور دیگر چیزین جو پرانی تہذیب کے کھنڈرات کھودنے سے نکلتے ہین سب اسکے شاہد ہین۔

اب اقتصادیات پر غور کیجیے کہ دنیا مین اسکا کتنا دور دورہ ہے اور کسطرح مغرب کو اُسنے مادی زنجیرون مین جکڑدیا ہے جسکی وجہ سے سادہ زندگی اُسکو نیم وحشیانہ معلوم ہوتی ہے۔ اگر ریل۔ تار۔ موٹر۔ بجلی محل۔ تھیٹر۔ موجود نہو تو وہ زندگی زندگی ہی نہین خیال کی جاتی۔

اقتصادیات ایک سوشل سائنس ہے۔ سوسائٹی کے جتنے شعبے ہوسکتے ہین سوشل سائنس کی بھی اتنی ہی قسمین ہین۔ سوشل سائنس کو انسان کی جماعتی زندگی سے تعلق ہے۔ جماعتی زندگی کی مختلف صورتین ہوتی ہین۔ مگر آجکل دنیا مین سب سے اہم اور مشکل سوال یہ ہورہا ہے کہ انسان اپنی زندگی کیونکر بسر کرے اور کسب معاش کی کیا صورت نکالے آجکل جماعتین سب تقسیم عمل کے اُصول پر قائم ہین۔ اور کام کی تقسیم کچھ اسطرح ہوگئی ہے کہ ایک کے کام سے دوسرے کو فائدہ پہونچتا ہے۔ یہ تقسیم کار اقتصادیات کا ایک زبردست اُصول ہے اور یہی ذات پات اور سوشل تفریقون کی بنیاد ہے

انسان اپنی صورت معاش نکالنے کے لیے مختلف طریقے کے کام کرسکتا ہے مزدوری۔ کاشتکاری۔ دوکانداری صنعت وحرفت۔ بیوپار ہزارون کام ہین جنسے انسان اپنی پرورش کرسکتا ہے۔ اقتصادیات انھین مقررہ اصولون کو تجربہ کی صورت مین پیش کرتی ہے۔

یورپ مین اٹھاروین صدی سے انسان کی معاشرتی زندگی کے وسائل پر بہت غور وخوض ہورہا ہے۔ اول اول انگلستان ہی نے آزادی تجارت کے اُصول منضبط کرکے معاشرتی زندگی کے باب اولین کا آغاز کیا ہے اور سب سے پہلے ۱۷۷۶ء مین اس موضوع پر آدم اسمتھ کی مستند کتاب انگلستان مین شایع ہوئی لیکن بعد کے

تجربہ سے معلوم ہوا کہ ہر اصول ہر زمانہ میں ہر ملک اور ہر قوم کے لیے یکسان کارآمد نہین ہوسکتا۔ کیونکہ اقتصادی اصولون کا انسان کی معاشی زندگی سے تعلق ہے اور معاش کا پیدا کرنا مختلف زمانہ اور مختلف ممالک مین مختلف حیثیت رکھتا ہے۔ ایسا نہین ہوسکتا کہ ایک اصول ہر جگہ یکسان عائد ہو۔ انگلستان اور ہندوستان کی تہذیب۔ تواریخ۔ تمدنی حالت۔ مالی حالت۔ زمین۔ پیداوار۔ آب وہوا دماغی طاقت اور اخلاقی طاقت مین فرق ہے۔ ان اختلافات کی بنا پر یہ کہنا کہ آزاد تجارت کا اصول چونکہ انگلستان کے لیے مفید ہے ہندوستان کے لیے بھی مفید ہوگا قابل قبول نہین ہوسکتا۔ اسی طرح یہ اصول بھی خواہ مخواہ ہندوستان مین مان لینے کے قابل نہین ہے کہ چونکہ صنعت وحرفت وتجارت انگلستان مین شخصی آزادی کے تابع ہین اسیلیے ہندوستان مین بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔

بہرحال اقتصادی اصول اور اقتصادی آزادی کوئی غیر تبدیلی پذیر افسانہ نہین نہ تو یہ تمام دنیا کے لیے ایک اصول ہوسکتے ہین اور نہ ایک اصول ہر زمانہ مین کارآمد ہوتا ہے۔

ابھی تک ہندوستان مین فلسفۂ معیشت پر بہت کم توجہ کی گئی ہے تقسیم بنگال نے اہل ہند کو اسطرف متوجہ کیا تھا اور اب جنگ یورپ نے اسکو ذرا اور وسعت دے دی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہماری نئی یونیورسٹیون مین ان معاملات پر غور کیا جائے اور ہندوستانی علم الاقتصاد کا زاویہ نظر مقرر کیا جائے۔ اسکے لیے وقت درکار ہوگا جسٹس راناڈے نے دکن کالج پونا مین ایک نہایت وقیع لکچر دیا تھا بہت خوب اور مناسب حال تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے سچے لیڈر اور قوم کی بنیاد رکھنے والے تیس برس پیشتر بھی ہمارے مسائل کی مشکلات سے بے خبر نہ تھے۔

اس لکچر مین جسٹس راناڈے نے فرمایا تھا کہ

ہماری ترقی ہماری لیاقت اور ہمارے گرد وپیش کے حالات کے موافق ہی ہوسکتی ہے۔ ہمکو جلد بازی اور مصنوعی شائستگی سے دور رہنا چاہیے کیونکہ اسنے

کسی دائمی نفع کی امید کرنا عبث ہے۔ مگر درحقیقت وہی اُستاد اور مدبر جو اکثر ہمکو ہماری پولیٹکل آرزوؤن اور حوصلون کے خلاف آگاہ کرتے ہین ہندوستان کے اقتصادی معاملات کے متعلق اس احتیاط کو بھول جاتے ہین اور وہ خیال کرتے ہین کہ علم الاقتصاد کے اُصول جو عموماً انگریزی کتب درسی مین درج ہین وہ ہندوستان کے لیے بھی حسب حال ہین اور اسلیے ان اصولون کو ہر جگہ اور ہر زمانہ مین اپنی معاشی زندگی مین بطور رہبر تسلیم کر لینا چاہیے۔ اگر آزادی تجارت انگلستان کیواسطے فائدہ مند ہے تو خیال کیا جاتا ہے کہ کل ملکون کے لیے یہ سودمند ہوگی اور کل قسم کے محاصل چنگی۔ سرکاری امداد یا دیگر قوانین سراسر خراب ہین۔ اگر قوانین کارخانہ ایک ملک کے لیے مفید ہین تو مزدورون کی حفاظت کے لیے ہر ملک مین انکی ضرورت ہوگی۔ اگر ناجائز سود کو روکنے کے قوانین کی تجارتی اور صنعتی مرکزون مین ضرورت ہے تو زراعت پیشہ قومون کے لیے بھی یہ فائدہ سے خالی ہونگے۔ اگر انگلستان مین گورنمنٹ مشترکہ سوسائٹیون کے امداد کی ضرورت نہین سمجھتی تو ایسے ممالک مین بھی جہان جدوجہد کی اسپرٹ کمزور ہے سرکاری امداد کا خواہان ہونا ایک فضول مطالبہ ہے۔ اگر ایسے ٹیکس جو براہ راست وصول کیے جاتے ہین انگریزی شرائط جان و مال کے موافق ہین تو ہند کے حالات کے بھی انکو موافق ہونا چاہیے اسلیے چنگی وغیرہ کو ہمارے لوکل یا میونسپل آمدنی مین جگہ نہین ملنا چاہیے۔

اس قسم کی بہت سی مثالین پیش کی جا سکتی ہین لیکن جتنی اوپر دی گئی ہین مسئلہ زیر بحث کو ذہن نشین کرنیکے لیے کافی ہین۔ اگر مدبران انگلستان اتنے ہی پر بس کرتے تو انکا طرز عمل ایک حد تک جائز سمجھا جا سکتا تھا وہ تو علم الاقتصادیات کے اصولون کی آڑ مین عجب عجب بھیس بدلتے ہین جو لوگ انگلستان یعنی اپنے ملک مین پرائوٹ ملکیت کے حامی ہوتے ہین وہ یہان آکر سوشلسٹ خیالات کے طرفدار نظر آتے ہین۔ یہان سرکار زمین کی پرائوٹ ملکیت کو چھوٹے چھوٹے اور بڑے بڑے پٹون مین تقسیم کرنا چاہتی ہے۔

انگلستان مین زمیندار بطور زمیندار کوئی خاص ٹیکس سرکار کو نہین دیتے لیکن یہان زمین پر خاص ٹیکس لگایا جاتا ہے کیونکہ زمین مین صرف سے بہت زیادہ پیداوار ہوتی ہے اور اسکی آمدنی زائد خاص طور پر سرکار کا حصہ ہے (اقتصادی لگان کی تھیوری کے مطابق) اسکے علاوہ زمین کا قومی ملکیت مین ہوجانا یورپ و انگلستان مین ایک سوشلسٹون کا خواب ہے یہان اسکا خوب دور دورہ ہے اور اسی کی بنا پر بندوبست اور اضافہ لگان ہوتا ہے۔ انگریزی سوشل نظام کے دو بڑے رکن "حق" اور "پوزیشن" ہین لیکن یہان سوسائٹی کا ہر ایک ممبر ایک متحرک ذرہ کے مثل ہے جسمین کہ ایک دوسرے سے تفریق نہین کی جاسکتی۔ انگریزی فضیلت کے جسم مین اوسط درجہ کا طبقہ ریڑھ کی ہڈی کے مثل ہے لیکن یہان کوئی اوسط درجہ کا طبقہ ہے ہی نہین جو غریب ٹیکس دہندگان اور سرکار کے درمیان حائل ہو

بلاشبہ علم الاقتصاد ایک ایسا علم ہے جسکے اصول کل پر حاوی اور مکمل سچائی سے لبریز ہین، جو حضرات ان اصول پر عملی کارروائی کرنا چاہتے ہین وہ ان اصولون کی ہمہ گیر صفت پر ایمانداری سے یقین بھی رکھتے ہین۔ لیکن غور کرنے کا مسئلہ یہ ہے کہ آیا یہ یقین بجا ہے۔ اگر علم السیاست اور سوشل سائنس مین زمانہ۔ مقام۔ گرد و پیش کے حالات۔ انسانون کی خدادا د قابلیتین۔ انکی عادتین اور انکے رسم و رواج انکے قوامین اور انکی تواریخ۔ ان سب کا خیال کرنا ہوتا ہے تو تعجب ہے کہ ہماری زندگی کے اقتصادی پہلو مین عام اصولون کا ایک سٹ ہر زمانہ اور ہر مقام مین اور تہذیب کے ہر درجہ پر یکسان اطلاق کہے۔

ہندوستانی نقطہ نظر | انگلستان مین بھی اب اس بات کو مان لیا گیا ہے کہ علم الاقتصاد کے اصول ہر ملک۔ ہر زمانہ۔ ہر قوم مین جداگانہ حیثیت رکھتے ہین۔ ہندوستان اتنا بڑا ملک ہے کہ اسمین صوبہ صوبہ مین وہی تفریقات ہین جو یورپ مین مختلف ملکون اور قومون مین جسطرح انگلستان۔ فرانس۔ جرمنی۔ اٹلی۔ اسپین۔ پرتگال۔ روس ناروے۔ سوئڈن۔ ہالینڈ اور بلجیم وغیرہ ممالک بین زبانین مختلف ہین۔ رسم و رواج

مختلف ہین۔شائستگی اور تمدن مین اختلاف ہے۔قدرتی عطیات مین فرق ہے
تو اریخ مین فرق ہے جسمانی اور دماغی قابلیتون مین فرق ہے اسی طرح ہندستان
مین بھی صوبہ صوبہ مین فرق ہے۔گو انگریزی تعلیم اور ذرایع آمد و رفت کی ترقی نے
اس تفریق کو کمزور کر دیا ہے اور آجکل ہندوستان ایک ہی قومی خیال کی آگ مین
جل رہا ہے مگر پھر بھی ایک باریک سا فرق ہے۔مختلف صوبون کی آب وہوا ایک سی
نہین۔زمین ایک سی نہین۔مزدور ایک سے نہین۔پیداوار مختلف۔معدنیات کہین ہین
اور کہین نہین۔مختلف شہرون مین ایک دوسرے سے تمدن و معاشرت مین اختلاف
ہے۔کسی کا تجارت پر انحصار ہے تو کسی کا صنعت پر۔کوئی پہلے زمانہ مین دارالخلافت
تھا اور اُسکے قدیم باشندے اُسے اب بھی فخر سے یاد کرتے ہین۔کوئی ریلوے سنٹر ہی
اور کسی مین کئی کئی خصوصیتین ایک ساتھ موجود ہین۔

ان حالات پر نظر کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مقامونمین اقتصادی معاملات
مختلف پہلو لیے ہوئے ہین اور ہم انکو ایک ہی اصول کی لکڑی سے نہین ہانک سکتے
اسکے علاوہ مختلف مقامون کے لیے ایک ہی اقتصادی اصول مقرر کرنا نامناسب ہی
تاوقتیکہ کامل معاملات پر عبور نہ حاصل ہو۔

جسٹس راناڈے کے بعد کچھ عرصہ تک ان واقعات کو علم کے سانچے مین ڈھالنے
کی جیسی کوشش ہونا چاہیے تھی نہ ہوئی۔لیکن جب لارڈ کرزن صاحب کا زمانہ
آیا تو باشندگان ہند کے دلون مین پھر ایک خواہش پیدا ہوئی کہ ہندوستانی صنعتین
از سر نو زندہ کی جائین اور ہندوستان جیسا قدیم زمانہ مین اقتصادی نقطۂ خیال سے خود مختار
تھا پھر ویسا ہی ہو جائے۔چنانچہ پولیٹکل جوش نے سودیشی اور بائیکاٹ کی متحدہ تحریک
جاری کر دی مطلب یہ تھا کہ ہندوستان کا بنا ہوا مال غیر ملکی مال کے مقابلہ مین زیادہ
استعمال ہونے لگے۔عجلت مین بہت سی ایسی صنعتی کارروائیان ہوئین جنپر کافی غور
نہین ہوا تھا اور نہ جسکی تکمیل پر پہونچنے کے لیے کافی انتظام تھا۔اسلیے خاطر خواہ
کامیابی نہوئی۔مگر اسکا اثر یہ ضرور ہوا کہ ہندوستان مین علم الاقتصاد کا شیرازہ

بندھنے لگا۔ اور زندگی کے اور ضروریات کی طرح اس طرف بھی خاص توجہ مبذول ہونے لگی۔

اب اسپر غور کرنا چاہیے کہ ہندوستان مین علم الاقتصاد کے خاص خاص مسائل کیا کیا ہین اور اقتصادیات کا تعلق کن کن باتون سے ہے۔ پہلے پیداوار کے مسئلہ کو لیجئے۔ ہندوستان مین زمین کی کمی نہین۔ عموماً پیداوار کے لحاظ سے یہان کی زمین زرخیز ہے۔ نقص یہ ہے کہ سائنس کے مروجہ اصولون پر یہان کام کرنے کا رواج نہین یہی سبب ہے کہ ہندوستان زراعتی اور معدنی کامون سے خاطر خواہ فائدہ نہین اٹھا سکتا۔ اگرچہ گورنمنٹ کی توجہ سے محکمۂ زراعت بہت کچھ کام کر رہا ہے لیکن ضرورت یہ ہے کہ ہندوستانی خود اس کام کو اپنے ذمہ لین اور گورنمنٹ کو بھی چاہیے کہ صیغۂ زراعت کے اعلی عہدون پر ہندوستانیون کو مقرر کرے تاکہ وہ خالص ہندوستانی نقطۂ نظر سے ہر مسئلہ کو حل کرین کیونکہ یہ صرف ہندوستانی کر سکتے ہین کہ کاشتکارون سے مل جل کر انکو ترقی دادہ کھیتی کے طریقے سکھائین اور انکو جدید تجربات کی طرف متوجہ کرین۔

محنت اور مزدوری کرنیوالون کی تعداد ہندوستان مین کثیر ہے لیکن وہ "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" کے ضرب المثل پر عمل نہین کرتے۔ جہان ہین جیسے ہین جیسا کام کرتے ہین اسی جگہ۔ ویسے ہی اور وہی کام کرنا چاہتے ہین۔ اگرچہ اب اقتصادی سختیون سے مجبور ہو کر وہ بھی تغیر پذیر ہو چلے ہین۔ اسکے علاوہ وہ جو کچھ اپنی محنت سے پیدا کرتے ہین اسکے مقابلہ مین خرچ کہین زیادہ ہے۔ اور پھر مشینون کے نہونے کی وجہ سے کام کم ہوتا ہے اور وقت بہت صرف ہوتا ہے جبتک مشینون کا رواج نہوگا نہ کام زیادہ ہو سکتا اور نہ مزدورون کو کافی اجرت مل سکتی" اور دیگر ممالک کی صنعتون سے مقابلہ بھی نہین ہو سکتا۔

جنگ یورپ کے قبل مدبران انگریزی و یورپین کا خیال تھا کہ ہندوستانیون کے ہاتھ سے صنعتون کے لیے سرمایہ کا نکلنا ایک امر محال ہے اور اسیلیے غیر ملکی سرمایہ دار

ہندوستان کی عزت وتعظیم کے مستحق ہین۔ اُنھین کی بدولت ریلین چلتی ہین کانون سے معدنیات نکالے جاتے ہین چاے۔ جوٹ اور دیگر مختلف صنعتون کا رواج ہے جس سے ہندوستانیون کو روٹی کمانے کے قابل فخر ذریعے ہاتھ آتے ہین۔ بلاشبہ غیر ملکی سرمایہ دار ہماری تعریف اور شکریہ کے مستحق ہین لیکن انکو منافع کی صورت مین کافی سے زیادہ معاوضہ مل چکا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ ہندوستان اپنا سرمایہ لگائے اور ہندوستانی اپنی صنعتون کا اہتمام آپ کرین کیونکہ غیر ملکی سرمایہ سوائے ریلون کے اور صنعتون مین ملک کے واسطے زیادہ مفید نہین۔ ملک برما کی مٹی کے تیل کی کانین میسور کی سونے کی کانین اور بنگال اور بہار کی کوئلہ کی کانین۔ چاے اور جوٹ کی صنعتین۔ بحری جہازرانی (جسکے ذریعہ سے غیر ملکون سے تجارت ہوتی ہے) اور بنک (جو نفع کثیر حاصل کرتے ہین) ان سب مین غیر ملکی سرمایہ کا ہونا ملک کے لیے اسقدر مفید مطلب نہین جیسا ہونا چاہیے۔ ایسے معاملات مین ہم یہ خیال کرنے پر مجبور ہین کہ یہ بہتر ہو کہ مٹی کا تیل اور دیگر معدنیات زمین کے اندر ہی پڑی رہین جب تک کہ برطانیہ کے زیر سایہ ہندوستانی اس قابل نہون کہ خود انکو نکال سکین اور انکو صنعتون مین استعمال کرکے اس سے منافع حاصل کرسکین۔ ان چیزون سے ہمین اس سے زیادہ کوئی نمایان فائدہ نہین کہ ہمارے چند مزدور اس سے اپنا پیٹ بمشکل پال لیتے ہین۔ خیر ہمکو معاملہ کے اس پہلو پر چندان زور دینے کی ضرورت نہین ہے۔ جدید تجربہ جو سرکاری قرضون اور کمپنیون کے بننے سے ہوا ہے اُس سے اس بات کی اصلیت کھل گئی ہے کہ اگر روپیہ نہ ڈوبنے کی کافی ضمانت ہو اور جائز منافع کا موقع ہو تو سرمایہ حسب خواہ ملک کے اندر برآمد ہو سکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہندوستانی بنک کھولے جائین اور عمدہ بنکون کی شاخین بڑھائی جائین۔ لیکن امپیریل بنک کی پالیسی اور اُسکی کارروائیان پیش نظر ہین اور بنک محض ہندوستان کے مفاد کی خاطر چلایا جائے۔

پیداوار کا تیسرا عنصر انتظام ہے۔ بغیر منتظم اور مہتمم کے صنعتین نہین چل سکتین اور

کوئی کام انجام نہین پاسکتا۔ لیکن ابتک ہماری صنعتون اور کارخانون جتنے مہتمم اور منتظم ہین سب غیر ملکی ہین ہم اپنے ملک کو صنعتی نقطۂ نظر سے خودمختار دیکھنا چاہتے ہین تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اسکا بندوبست کرین کہ ان معاملات کی موجودہ حالت عارضی ہو۔ ہندوستانی صنعتی کمیشن نے معاملہ کے اس پہلو پر بجا طور پر خوب زور دیا ہے۔

پیداوار کے تین خاص عنصرون کا ذکر کرنیکے بعد ہم یہ تبلانا چاہتے ہین کہ پیداوار کی بیشی صرف انھین پر انحصار نہین رکھتی بلکہ ایک اور فیکٹر بھی ہے جسکو "مبادلہ" کہتے ہین جس سے اشیا کی قیمت مین بہت فرق واقع ہوتا ہے۔ غیر ملکی مبادلہ سے ہماری چیزین دیگر ممالک مین جاکر یہان سے کہین زیادہ قیمت پر فروخت ہوتی ہین اور دیگر ممالک سے کم قیمت اشیا آکر یہان دولت کھینچتی ہین۔ یہ مبادلہ سکّون کے ذریعہ عمل پذیر ہوتا ہے۔ جنگ کے اختتام کے بعد ہمارے مبادلہ مین جو جزر و مد آیا اور اسکا جو اثر ملک پر پڑا محتاج بیان نہین۔ پہلے ہمارے پندرہ روپیہ ایک انگریزی ساورن کے برابر تھے۔ اس سے پہلے چاندی کا نرخ بہت گران تھا۔ اسکے بعد اُتار پر آگیا۔ جب سرکاری حکم سے ساورن کی قیمت دس روپیہ قرار پائی تو ہندوستانی تاجرون نے بیحد و حساب آرڈر مال کے لیے انگلستان بھیجے مگر جب تک مال آوے آوے بازاری نرخ مقابلہ اس شرح پر ہو گیا کہ جسکی رو سے ایک ساورن کے پندرہ روپیہ دینا پڑے۔ پس محض شرح مبادلہ کی تبدیلی سے مال کی ڈیوڑھی قیمت ہو گئی اسکی وجہ سے جو مرحلہ ہندوستانی اور انگریزی تاجرون کے درمیان پڑا ہے ابھی تک نہین سلجھا۔ ان خیالات پر غور کرتے ہوے مبادلہ کی تحت مین تین خاص مسائل ہین اور وہ یہ ہین۔

(۱) غیر ملکی مبادلہ۔ روپیہ کی قیمت انگریزی سکہ مین کیا ہونا چاہیے۔ اسکا حساب سونے چاندی کے نرخ پر کیا جائے یا انگریزی سرکار کے حکم کے مطابق عمل کیا جائے جیسا آجکل ہو رہا ہے مگر سرکار نے مد بانتین ایسی کی ہین جو اسکو اصولاً

نہیں کرنا چاہیے۔

(۲) جب نرخ مبادلہ پیشتر کے نرخ سے بہت چڑھا ہوا تھا تو اُسنے ہندوستان مین سرکاری ہنڈی بیچی جنکا بیچنا سراسر خلاف تھا کیونکہ یہ ہنڈی اُسوقت بیچی جاتی ہین جب نرخ مبادلہ اُس سے بہت گرا ہوتا ہے اور اسکو وسط پر لانے کا منشا ہوتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ گورنمنٹ نے سرکاری ہنڈی بیچنے کے اصل منشا کے خلاف عمل کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کو کئی سو کروڑ کا نقصان اُٹھانا پڑا۔

(۳) جب نرخ دو شلنگ کی سطح سے اُترا تو اُسکو مقررہ دو شلنگ کی شرح پر لانے کا کوئی بندوبست نہین کیا۔ یہ وقت تھا جب ہندوستان مین سرکاری ہنڈوی بیچنے کی ضرورت تھی مگر اسطرح سے نرخ کو بڑھنے مین مدد نہین دی گئی۔

اس سے ظاہر ہے کہ سرکار کو پورا اقتدار شرح مبادلہ پر نہین حاصل ہے۔

(۴) چاندی کے مضروب ہونیکے لیے ٹکسال ۱۸۹۳ء سے پبلک کیلیے بند ہے اس سے پیشتر پبلک چاندی بیچکر سکے مضروب کرا سکتی تھی اب سکون کا مضروب کرنا سرکاری افسرون پر منحصر ہے۔

(۳) ہندوستان کے کرنسی مین سونے کا سکہ۔ ہندوستانی بیوپاری اس مسئلہ کے حق مین تین قسم کے سکون کا ہونا ضروری ہے تاکہ ہر قسم کا کام بآسانی چل سکے۔

(۱) ایک زرمستند جو فلزائی ہوتا ہے یعنی جتنا اسکے چہرہ پر لکھا ہوتا ہے اُتنے ہی کا مال ہوتا ہے۔ ہندوستان مین ایسا کوئی سکہ نہین بنتا۔ اسلیے مطالبہ ہے کہ سونے کا ایسا سکہ مثل دیگر ترقی یافتہ ملکون کے یہان بھی ہونا چاہیے۔

(۲) زرد وضعی یہ ایسے سکے ہوتے ہین جنکے اندر باہر مین فرق ہوتا ہے بلکھا ہو ایک روپیہ مگر چاندی اصل مین بارہ آنہ ہی ہے۔ ہمارا روپیہ زرد وضعی ہے۔ ہم نہین چاہتے کہ ہمارا روپیہ زرمستند بنا دیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے وزن اسکا بڑھ جائے گا اور یہ مناسب نہ ہوگا۔ ہمارا منشا ہے کہ ہمارے یہان بھی زرمستند ہو اور ہمارا روپیہ بجائے اسکے کہ زرمستند کا بھی کام دے محض زرد وضعی رہے جیسا کہ اسکی شکل ہے اور

زرِ مستند سونے کا ہو۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب زرِ ضمنی سے زرِ مستند کا کام نکل رہا ہے تو زرِ مستند کی کیا ضرورت ہے جو گران بہا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ہمکو اسکی ویسی ہی ضرورت ہے جیسی دوسرے ملکون کو جہان کہ سونے کا سکہ زرِ مستند ہے، دوسرا اُصولی جواب یہ ہے کہ ہرحالت مین زرِ ضمنی زرِ مستند کا کام نہین کرسکتا۔ یہ کام جبتک امن و امان ہے تب ہی تک ہوسکتا ہے۔

(ج) زرِ کاغذی۔ ہندوستان مین اسکی ہردلعزیزی اسی سے ثابت ہے کہ کرنسی مین آجکل کم سے کم ایک سوستر کرور روپیہ کے زرِ کاغذی ہوگا۔

زرخ کا مسئلہ اب نرخ کو لیجیئے۔ ہندوستان مین دیگر ممالک کی طرح نہ صرف مصنوعات کا بلکہ غلہ کے نرخ کا بھی اورچھور نہین ہے۔ ہندوستان مین غلہ کی پیداوار کبثرت اور پھر نرخ کی یہ حالت۔ یہ کیسا تعجب خیز واقعہ ہے گر اسپر یقین نہ آتا اگر سرکاری ممبر ہنربیل مسٹر سرما کی زبان مبارک سے اسکا اعتراف ہوتا۔ ۱۳-۱۹۱۲ء مین سرکار کی طرف سے اسکی تحقیق کے لیے کمیٹی بیٹھی مگر نتیجہ وہی جہان ہم تھے وہین رہے ۱۳-۱۹۱۲ء کے مقابلہ مین اب گرانی نرخ کا وہی حال ہے جو برسات مین ندی نالون کا ہوتا ہے یہ ممکن ہو کہ قانوناً اشیا کا نرخ مقرر کرکے چھٹکارہ حاصل ہو۔ مگر یہ محض انھین حالتون مین ممکن ہے جنمین ہندوستان کا اجارہ ہے یعنی جو صرف یہین پیدا ہوتی ہین یا اتنی مقدار مین ہوتی ہین کہ ملک کی ضرورت اس سے پوری ہوسکے۔ (باقی آیندہ)

اقبال بہادر سکسینہ

صنعت کے نمونہ موزون کا نام حسن ہے۔

حسن کی موزونیت دیکھنے والے کے نقطۂ نظر پر منحصر ہے۔

حُسن ایک شراب ہے اور اُسکا نشہ محبت!

مئے حُسن انسان کو بدنام نہین کرتی بلکہ انسان نما حیوان اُسے بدنام کرتا ہے

(اقتباس **"جوش"**)

حواس خمسہ کی نشو ونما

حواس خمسہ ظاہری کی نشو ونما رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے ہوتی ہے یا یکبارگی؟ اگر پانچوں قوتوں کی نشو ونما یکبارگی ہو جاتی ہے تو کوئی بحث نہین اور اگر یکے بعد دیگرے یہ قوتیں ترقی کرتی ہین تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لامسہ۔ ذائقہ۔ شامہ۔ باصرہ اور سامعہ مین سے سب سے پہلے کس قوت کی نشو ونما ہوتی ہے؟

یہ سوال نہایت دقیق اور پیچیدہ ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق مین صدیوں تک حکمائے فرنگ مین مباحثے ہوتے رہے ہین مگر ہنوز یقینی طور پر یہ طے نہ ہو سکا کہ ان پانچون قوتون کی نشو ونما کس آئین و ترتیب سے ہوتی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان حواس خمسہ ظاہری مین سب سے زیادہ ضروری قوت ہر ذی روح کے لیے کون سی ہے (اور اس سوال کے ساتھ یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ جو قوت سب سے زیادہ ضروری ہوگی اُسی کی نشو ونما سب سے پہلے ہوئی ہوگی) تو اسکا جواب عام طور پر بلا تامل یہی دیا جائے گا کہ قوت باصرہ سب سے زیادہ ضروری اور قوت شامہ سب سے کم ضروری ہے اور باقی تین قوتین درمیانی حالت مین ہین۔

اسمین شک نہین کہ عام طور پر انسان کا ذاتی تجربہ مذکورۂ بالا خیال کی صداقت کی شہادت دیگا کیونکہ یقین صحت کا سب سے بڑا ذریعہ ذاتی تجربہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ہر شخص کا اپنے ہر تجربہ سے صحیح نتیجہ پر پہونچ جانا لازم نہین ہے یہ کوئی ضروری بات نہین ہے کہ ہر واقعہ اور ہر تجربہ کا اثر ہر شخص پر یکسان ہو یا ہر واقعہ ہر تجربہ سے صحیح نتیجہ نکال لے۔ محلہ مین ایک پیرمرد اپنے کسی عزیز کی سنانی سنکر دھاڑین مار مار کر رونے لگا اُسکے نالۂ جانکاہ سے میرا دل دکھا مگر بعض لڑکون اور بعض عورتون کو مین نے

دیکھا کہ اُس بیچارے کی آہ و زاری پر کھلکھلا کر ہنس رہی ہین۔ اُنھین اُس بیچارے کی آواز بھیانک معلوم ہوئی ہنس پڑین اور کہنے لگین ابھی تو یہ شخص بھلا چنگا تھا ابھی کیا ہوگیا دیکھو تو کیا پاٹ دار آواز ہے۔ ان ناقص العقل ہستیون کی نگاہ مین یہ مشاہدہ بھیانک اور مضحک معلوم ہوتا تھا مگر دردمندون کی نگاہ مین دل دُکھانیوالا تھا۔ مشاہدہ واحد تھا مگر اثر جداگانہ ہوا۔ ؎

وہی ساقی وہی ساغر وہی شیشہ وہی بادہ
مگر لازم نہین ہر ایک پر یکسان اثر ہونا (یاس)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر مشاہدہ ہر تجربہ سے ہر شخص کا ہر حالت مین نتیجہ واحد و صحیح تک پہونچنا لازم نہین ہے۔ یہ بھی ضروری نہین کہ جس امر مین سب کا اتفاق ہو وہ یقینی صحیح بھی ہوگا۔ عام طور پر قوت باصرہ سب قوتون سے زیادہ ضروری اور اسکی نشو و نما سب سے اول تسلیم کیجاے تو اسکے یہ معنی نہین ہوسکتے کہ یہ خیال ایسا صحیح ہے جیسے دو اور دو چار۔ انگلستان کے ایک محقق مسٹر ٹلی نے بڑے زور شور سے اس خیال کی تردید کی ہے وہ کہتا ہے کہ انسان نے فقط اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر یہ سمجھ لیا کہ قوت باصرہ سب سے زیادہ ضروری ہے اور اسقدر ضروری ہونیکی بنا پر یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اسی قوت کی نشو و نما ہوئی ہوگی حالانکہ یہ خیال محض ایک دھوکا یا کوتاہ نظری ہے۔ روزمرہ کی زندگی مین کسی ایک قوت یا ایک سے زیادہ قوتون کا دوسری قوتون کی نسبت زیادہ مفید اور کارآمد ہونا اس بات کی دلیل نہین ٹھہرایا جا سکتا کہ انسان کی ساخت یا ہیئت اولین اور تنازع للبقا مین بھی یہ قوتین ممد و معاون ثابت ہوئی ہونگی۔ نہ یہ بات امور معلومہ مین شمار کیجا سکتی ہے کہ حواس خمسہ کی نشو و نما یکبارگی ہوئی ہو۔

بعض فلسفیون کا خیال یہ ہے کہ حواس خمسہ ایسے آلے ہین جو خود بخود بلا تحریک کام کرتے رہتے ہین اپنے فرائض مین کوتاہی نہین کرتے۔ اور کسی مشاہدہ کے متعلق نتیجہ نکالنے مین جو رنگا رنگ اختلافات ہوا کرتے ہین اُنکا سبب یہ ہے کہ ہر شخص کی دماغی حالت ہمہ وقت یکسان نہین رہتی اسی وجہ سے اخذ نتائج مین اختلاف ہوجاتا ہے۔ مسٹر ٹلی کہتے ہین کہ کسی امر کے متعلق راے قائم کرنے مین اختلاف ہوجاتا تو مسلم ہے مگر یہ کلیہ صحیح تسلیم نہین کیا جا سکتا کہ حواس خمسہ ایسے آلے ہین جو ہمہ وقت برابر کام کرتے رہتے ہین کبھی چوکتے ہی نہین کیونکہ

حواس خمسہ محدود و ناقص ہین کامل نہین ہین۔ سلسلہ موثرات خارجی کی نیرنگیون سے حواس خمسہ ہمیشہ صحیح نتیجہ پر نہین پہونچتے۔ ہم کسی مشاہدہ کی نسبت جب کوئی راے قائم کرتے ہین تو محض اسوجہ سے کہ ہمین دیکھتے یا محسوس کرتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے۔ مگر اکثر اصل حقیقت سے ہم منزلون دور رہتے ہین اور زیادہ غور کرتے ہین تو اسکا نتیجہ حیرت اور پراگندگی کے سوا کچھ نہین حاصل ہوتا ؎

زمانہ پہ گہری نظر کرنے والے ۔ طلسم حوادث کی تہ کو نہ پہونچے

حقیقت پر اپنی نظر کرنے والے ۔ اس آئینہ خانے مین کیا سر اٹھاتے

جمیع فلاسفہ نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ حواس انسانی نہایت محدود و ناقص ہین اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ ہمارے دائرہ محسوسات سے باہر بھی صدہا ایسے عالم ہین جنکی حقیقت سے ہم ناآشنا ہین۔ ہمین یہ بھی نہین معلوم کہ چیونٹیون اور دیگر حشرات الارض کی دنیا مین کیا تلاطم برپا رہتے ہین۔ ذرۂ زمین ہر لمحہ حرکت کرتا رہتا ہے جس سے ایک قسم کا غیر محسوس ترنم پیدا ہوتا رہتا ہے مگر یہ ترنم ہماری قوت سامعہ کے دسترس سے باہر ہے ہان بعض ایسے آلے ایجاد کیے گئے ہین جنکی مدد سے بعض اقسام ترنم کو محسوس کرسکتے ہین مگر بہ حیثیت مجموعی کائنات کا عظیم الشان و نامتناہی ترنم ہمارے محسوسات سے بالاتر ہے اگرچہ ہمین چارون طرف سے گھیرے ہوئے ہے ؎

یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا ۔ محرم نہین ہے تو ہی نواہاے راز کا

عالم پر است از تو و خالی است جاے تو ۔ در ہیچ پردہ نیست نباشد نواے تو

ان حقائق سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حواس خمسہ ہمیشہ مستعد کار تسلیم نہین کیے جاسکتے اور یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ حواس خمسہ کی نشو و نما اور انکا انحطاط اعضاے انسانی کی نشو و نما اور انحطاط سے وابستہ ہے۔ نمو کے زمانہ مین حواس خمسہ کی روز افزون نشو و نما ہوتی رہتی ہے اور انحطاط کے زمانہ مین جمیع حواس خمسہ آمادۂ زوال رہتے ہین اس امر واقعی سے بھی یہی نتیجہ نکالنا پڑے گا کہ حواس خمسہ ہمیشہ اپنے کام پر یکسان مستعد نہین رہ سکتے۔

اسی سلسلہ مین یہ بھی ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ حواس انسانی کی ابتدائی حالت محض انفعالی

ہوتی ہے پھر رفتہ رفتہ فاعلانہ طرز عمل اختیار کرتی ہے۔ موثرات خارجی سے ان قوتون کی روز افزون نشو ونما ہوتی رہتی ہے اسکی ایک نازک مثال یہ پیش کی گئی ہے کہ قوت سامعہ پہلے پہل آوازون سے متاثر ہوتی اسکے بعد قوت گویائی مین حرکت پیدا ہوتی پھر زبان کھلتی ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قوائے انسانی کی نشو ونما تدریجی طریقہ پر ہوتی ہے یکبارگی سب قوتون کی نشو ونما نہین ہوجاتی مگر ابتک اس بات کا ثبوت بہم نہین پہونچ سکا کہ تمام قوتین حد ارتقا کو پہونچ چکی ہین -

حواس خمسہ کی نشو ونما مختلف طرز زندگی کی مناسبت سے ہوتی ہے طرز زندگی جس قوت کی ترقی کے موافق ہوگا اسی قوت کی نشو ونما ہوگی - انسان کا طرز زندگی مختلف ہوتا ہے اسی وجہ سے ہر انسان کی ہر قوت یکسان ترقی نہین کرسکتی طرز زندگی جسکے موافق ثابت ہوگا وہی قوتین ترقی کرینگی - اسکے علاوہ احساسات کی تیزی اور سستی کو بھی انکی نشو ونما مین بڑا دخل ہے - ایک شخص مین قوت سامعہ اورون سے زیادہ ہے کسی مین قوت باصرہ کی تیزی اوسط درجہ سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے کسی مین قوت شامہ بہت تیز ہوتی ہے - اگر حالات زندگی موافق ہوے تو جس شخص مین جو قوت زیادہ ودیعت کی گئی ہے وہ بہت زیادہ ترقی کرجائے گی اور اگر حالات زندگی موافق نہ ہوے تو وہ قوت دبی رہے گی -

حواس انسانی تربیت پذیر ہوتے ہین - اگر تمام قوتون کی غور و پرداخت ہوتی رہے تو ترقی کرتی رہینگی - تمام قوتین اپنے دائرۂ عمل کو وسعت دینے پر آمادہ رہتے ہین اگر موقع ملتا رہا تو روز افزون ترقی کرتی رہینگی -

حواس انسانی ابھی تک منزل ارتقا کی آخری حد تک پہونچ چکی ہین یا نہیں اس سوال کا جواب خواہ نفی مین ہو یا اثبات مین لیکن یہ مسلم ہے کہ حواس انسانی اپنی ابتدائی منزلوں سے بہت آگے بڑھ گئے ہین - دوسرے لفظون مین یون کہئے کہ ان قوتون کی نشو ونما تدریجی طور پر ہوئی ہے

ابو المعانی مرزا یاس لکھنوی

عشاق عرب

بشیر اور جیدا

(۱)

کسی عاشق اور سچی محبت کرنیوالے کی سب سے ممتاز یہ خصوصیت ہونی چاہیے کہ عشق
و محبت کے اعلی اور صحیح جذبات اسمین بدرجۂ اتم موجود ہون ادنی درجہ کے خیالات یا
نفسانی خواہشات سے سخت متنفر ہو جیسا کہ عرب کا ایک عاشق مزاج شاعر اپنی معشوقہ کی نسبت کہ گیا ہے

لا و الذی تسجد الجباہ لہ[1] مالی بما تحت ذیلها خبر
لا همت و لا غمزت لہ[2] ما کان الا الحدیث و النظر

اس وقت تک حسن و عشق کے جتنے پاکباز مسافر اس دشوار گزار منزل کو طے کر چکے ہین آپ
انکے سانحات کو ایسے ہی صفات سے متصف پائینگے۔

عرب کا ایک شکیل و خوبصورت نوجوان بشیر بھی انھین داعیان محبت سے تھا
وہ ریاس کے) قبیلہ کی ایک نوجوان مہ جبین جیدا کے تیر نظر کا ممنون تھا جو اپنے حسن و جمال
مین آپ ہی اپنی نظیر تھی۔

ابتدا مین جب تک انکی محبت اور الفت کا راز صرف دو پرشوق دلون تک محدود
رہا وہ ایک دوسرے کی ملاقات سے آتش عشق کے شعلون کو دباتے رہے لیکن دنیا
کوئی عاشق انتہائی کوشش کے باوجود بھی راز الفت کے چھپانے مین کامیاب نہین ہوا ہے

---

[1] اُس پاک ذات کی قسم جسکے سجدہ کی غرض سے لاکھون پیشانیان جھکتی ہین مجھے معشوق کے دامن ......
کے نیچے کی بالکل خبر نہین [2] مین نے کبھی اُس سے بُرے کام کا ارادہ کیا اور نہ اُسکے جسم کو مس کیا
میرے اور اُسکے درمیان حسن و محبت کی) باتین کرنے اور ایک دوسرے کو دیکھنے کے سوا اور کوئی بات نہین -
مترجم

بشیر اس سے کیون مستثنیٰ رہ سکتا تھا چنانچہ اُسکا افسانہ حسن وعشق بھی لوگون پر منکشف ہو گیا مہ جمال جیدا کی شادی ہو چکی تھی اُسکے قبیلہ والون اور رشتہ دارون نے اس تعشق کی اطلاع پائی تو آگ بگولہ ہو گئے اُنھون نے بشیر کو اس مجرمانہ فعل سے (جو اُنکے نزدیک مجرمانہ تھا) باز آنے کی نہایت سختی سے تنبیہ کی۔ مگر جیدا کے تیر نظر نے بشیر کے دل وجگر پر کچھ ایسا زخم لگایا تھا کہ اُسکا مندمل ہونا محال ہی نہین ناممکن تھا۔ چنانچہ جیدا کے رشتہ دارونکی یہ سختی اُسپر کچھ اثر نہ کر سکی بلکہ اُسکا جذبہ عشق بجاے کم ہونیکے اور زیادہ ہو گیا۔

جیدا کے رشتہ دارون کی تنبیہ پر بھی اُسکی حالت مین تبدیلی نہین ہوئی تو اُسکی جان کے دشمن ہو گئے۔ ایسی حالت مین ان رہروان عشق کو سخت مشکل کا سامنا ہو گیا ملنا تو درکنار وہ اب ایک دوسرے کو دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔

مایوسی نے آتش عشق کو اور بھڑکا دیا بشیر اپنی معشوقہ سے ملنے کے لیے بیحد مضطرب ہوا مگر اُسکی کوئی ترکیب بن نہ آتی تھی ناچار وہ اپنے مخلص دوست مُنیر کے پاس گیا اور اپنی مصیبت کو بیان کرتے ہوے کہا۔

"مُنیر! میری حالت تمپر ظاہر ہے تم اگر اپنے دوست کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو کوئی ایسی ترکیب کرو کہ مین جیدا کو صرف ایک نظر دیکھ لون تاکہ دل کی تپش مین کمی ہو اور اضطراب و اضطرار مبدل بہ سکون ہو جائے"

مُنیر نے اسکے جواب مین کہا۔

گو آپ کی خواہش میرے نزدیک برائی پر مبنی ہے تاہم اسوقت میری دوستی کا امتحان ہے خواہ کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہو مین انشاءاللہ کوشش کرون گا۔

بشیر نے مُنیر کو راضی دیکھکر کہا آپ جیدا کے قبیلہ مین جا کر کسی طرح جیدا سے مل لیجئے اور اُس سے میری اس حالت کا (جو محض اسکی وجہ سے ہوئی ہے) اظہار کر دیجئے اور اُس سے کہیے کہ تمھارا عاشق تمھارے وصال کی آرزو مین سخت مضطرب وبیقرار ہے اگر تمھین اُس سے واقعی محبت ہے تو جسطرح بھی ہو سکے اپنی صورت دکھا کر اسکی زندگی کا سبب بنو، وہ اسپر راضی ہو تو آپ اُس سے وعدہ لے لین کہ فلان باغ مین جہان کثرت

سے گھنے درخت میں رات کو عشار کے وقت آجائے۔

اس گفتگو کے بعد منیر جیدا کے قبیلہ کی طرف روانہ ہوگیا وہان اُسنے خفیہ طور پر جیدا کا پتہ لگا لیا اور اُس سے مِل کر اُسکے عاشق کی حالت زبون کا اظہار کیا اور اُسکی خواہش ظاہر کی۔ جیدا نے وعدہ کیا کہ موعودہ وقت پر وہان (باغ مین) ضرور آؤن گی۔

(۲)

عشار کے وقت بشیر جیدا اور منیر تینون موجود تھے۔ چونکہ عرصہ کے بعد عاشق و معشوق کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع نصیب ہوا تھا۔ اسلیئے منیر نے اس موقع پر اُنکے راز و نیاز مین مخل ہونا مناسب نہ سمجھا اور وہان سے ہٹ جانے کا ارادہ کیا۔ بشیر نے منیر کو جاتے ہوئے دیکھا تو روک کر کہا۔ خدا کی قسم میری اور جیدا کی محبت بس یہین تک محدود ہے جیسی کہ آپ دیکھ رہے ہین بہیمیت اور ادنی جذبات کو اسمین بالکل دخل نہین حتی کہ ہماری باتین بھی ایسی نہین جنمین تنہائی کی ضرورت ہو آپ تشریف رکھیں۔

اسپر تینون ایک جگہ بیٹھ گئے اور ناز نین و بشیر حسن و عشق کی پُر لطف باتونمین مشغول ہو گئے یہ قدرتی امر ہے کہ ہجر و فراق غم و الم کا ایک ایک منٹ کاٹے نہین کٹتا۔ اسکے برخلاف خوشی و مسرت اور وصال کی گھڑیان ہوا کی طرح گذرجاتی ہین اور پتہ تک نہین چلتا کہ کب آئین اور کب چلی گئین۔

ان دونون کی داستان ناز و نیاز مین چوتھائی رات گذر گئی جب جیدا کو اسکا احساس ہوا تو بادل ناخواستہ رخصت ہونے کا ارادہ کرنے لگی بشیر نے یہ دیکھا تو اسکی حالت متغیر ہونے لگی معلوم ہوتا تھا کہ روح جسم سے نکلی جا رہی ہے آخر صبر نہو سکا تو جیدا سے ذرا دیر اور ٹھہرنیکی استدعا کی تاکہ اُسکی بیقراری اور اضطراب کی حالت مین کچھ سکون پیدا ہو جائے۔ جیدا نے کہا میرے ٹھہرنے کی صرف یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی شخص کو میرے کپڑے پہنا دیے جائین اور میرا ہمشکل بنا کر میرے مکان پر بھیج دیا جائے۔ وہان منیر کے سوا اور تھا کون۔ چنانچہ منیر نے یہ سُنکر کہا۔ مین آپ کی ہر ایک خدمت بسر و چشم قبول کرنے کو تیار ہون۔

جیدا نے اپنے کپڑے منیر کی طرف پھینکدیے اور منیر کے کپڑے خود لے لیے۔ منیر نے

تبدیل لباس کر کے عورتوں کی سی صورت بنائی تو جیدا نے اُس سے کہا" اب آپ میرے گھر کے فلان کمرہ مین بلا خوف وخطر جا کر لیٹ جائیے گویا آپ واقعی جیدا ہین۔ کچھ دیر بعد میرا شوہر آپ کے پاس آکر ایک پیالہ دودھ طلب کرے گا مگر آپ دودھ ہرگز نہ دین یہان تک کہ اُسکے چہرہ پر خفگی کے آثار نظر آنے لگین پھر آپ دودھ کو پیالہ سمیت اُسکی طرف پھینکدین۔ کچھ ہی عرصہ بعد وہ خود آپ کے پاس دودھ کا پیالہ لیکر آئیگا لیکن آپ اُسکی طرف بالکل توجہ ہی نہ کرین خواہ کتنی دیر کھڑا رہے حتی کہ مجبور ہو کر وہ خود ہی اُسے زمین پر رکھدیگا اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ بقیہ رات وہ آپ کے پاس بالکل نہ آئے گا۔

مُنیر کا بیان ہے کہ اس گفتگو کے بعد مین بلا خطر جیدا کے گھر جا کر اُسکی خوابگاہ مین لیٹ گیا جیسا کہ اُسنے کہا تھا اُسکا خاوند میرے پاس آیا اور (اپنی بیوی سمجھکر) مجھسے دودھ مانگنے لگا لیکن مین نے وہی کیا جسکی مجھے نصیحت کی گئی تھی البتہ بعد مین مجھسے ایک سخت غلطی ہوگئی جسکا خمیازہ مجھے بُری طرح بھگتنا پڑا۔ یعنی جب وہ خود میرے پاس دودھ لیکر آیا اور میری خاموشی پر بہت دیر تک کھڑا رہنے کے بعد دودھ زمین پر رکھنے لگا تو مین نے پیالہ لینے کیلیے بے اختیار ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کشمکش مین پیالہ چھوٹ کر زمین پر آرہا۔ یہ دیکھکر جیدا کے شوہر نے یہ کہکر کہ" یہ بڑی سرکش عورت ہے" مجھے بُری طرح مارنا شروع کر دیا۔ مین نے اُس ناگہانی آفت سے بچنے کا کوئی چارہ نہ دیکھکر اپنے آپ کو نیچے گرا دیا اُسوقت میرے خون مین جوش آگیا۔ مین نے تہیہ کر لیا کہ تلوار کے ذریعہ اس ظلم کا مزہ چکھاؤن گا لیکن خیر ہوئی کہ چند عورتین مجھے اُس ظالم کے پنجہ سے چھڑا کر دوسری جگہ لے گئین وہان جیدا کی ماں میرے پاس آئی اور مجھے بُرا بھلا کہا اور نصیحت کی کہ اپنے خاوند کی خلاف ورزی نہ کرون وہ مجھتی تھی بشیر کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے اپنے شوہر سے مجھے تنفر ہے چنانچہ اُسنے کہا تمھین اُسی سے واسطہ رکھنا چاہیے جسکے پلے سے بندھی ہو۔ بشیر کا تو خیال تک دل مین لانا تمھارے لیے نامناسب ہے"۔ یہ کہکر وہ چلی گئی اور میرے پاس اپنی دوسری بیٹی کو بھیج دیا کہ مجھے اچھی طرح سمجھا بجھا کر راضی کرے۔

وہ میرے پاس آئی اور میرے جسم پر تازیانون کے نشان دیکھکر بے اختیار رونے لگی مگر جب

وہ میرے سینہ سے لپٹ گئی تو مجھے خوف ہوا کہ کہین راز فاش نہو جائے اسلیے قبل اسکے کہ وہ مجھسے کچھ کہے مین نے اسکے منھ پر ہاتھ رکھکر آہستہ سے کہا واقعہ یہ ہے کہ مین بشیر کا دوست ہون تمھاری بہن بشیر کے پاس ہے اسنے اپنے کپڑے پہنا کر مجھے اپنے بجائے بھیجدیا ہے تاکہ کسی کو شبہ نہو کہ جیدا کہان ہے یہ راز مین نے صرف آپ کو بتایا ہے کہ حقیقی بہن ہونیکی وجہ سے آپ اسکی زیادہ اہل ہین

یہ وحشت اثر خبر سنکر وہ کانپ اٹھی لیکن واقعہ کی اہمیت کا خیال کرکے میرے ساتھ اسنے ہمدردی کا برتاؤ کیا اور اپنے گھر لیجا کر میرے سونے کا انتظام کر دیا اور بقیہ رات مین نے نہایت آرام و اطمینان سے بسر کی۔

صبح کو جیدا بشیر کے پاس سے واپس آئی مین نے اس سے تبدیل لباس کرکے کہا مین جلد رخصت ہونا چاہتا ہون رات کی سرگذشت آپ کی بہن کو معلوم ہے وہ آپ کو سنائینگی یہ کہکر مین اسی وقت بشیر کے پاس آیا رات کا تمام واقعہ سنایا اور کوڑے کے ابھرے ہوے نشانات دکھائے۔ بشیر نے اسکے جواب مین کہا۔ "میرے دوست آپ نے جو مجھ پر احسان کیا ہے اسکا شکریہ نہین ادا کرسکتا آپ اپنی دوستی کے امتحان مین واقعی پورے اتر گئے"

(۳)

ایک دن بشیر مسرت و انبساط کے ساتھ ایک نہایت پر فضا باغ مین بیٹھا ہوا شراب و کباب کے مزے لے رہا تھا کہ ایک شخص نے اسے یہ غلط خبر دی کہ

"افسوس! آپ اسطرح زندگی کے مزے لے رہے ہین اور جیدا کا ابھی ابھی انتقال ہو گیا"

یہ سنکر دنیا اسکی آنکھون مین تاریک ہوگئی، ہوش و حواس غائب ہوگئے منھ سے بے اختیار ایک دردناک چیخ نکلی اور روح پرواز کر گئی۔

جیدا کو اپنے عاشق کی اسطرح ناگہانی موت کی خبر ملی تو جذب عشق سے مجبور ہو کر اسنے اپنے کپڑے چاک چاک کر دیے، بال نوچ ڈالے اور خود کو کنوئین مین گرا کر جان دیدی۔

حسین پیلی بھیتی

ایک طرف ہو جاؤ

(۱)

جون جولائی کے دن آپہونچے۔ موسم گرما اپنے شباب پر آگیا۔ آفتاب نے وہ گرما گرمی دکھائی کہ معاذ اللہ۔ گورے رنگ والون کا میدانون مین رہنا دشوار ہوگیا جس کی ٹٹیون بجلی کے پنکھون، لیمونیڈ، برف وغیرہ سے بھی کچھ نہ بن پڑا۔

اسپشلین چھوٹنے لگین۔ گورمنٹ کا سارا عملہ لد لدا کر شملہ جا پہونچا۔ گویا اپنی نیک کمائی کے بدلے ان پاک ہستیون کو قالب خاکی سمیت جنت نصیب ہوگئی!

بابو رام لال بھی دو ڈھائی سال ولایت مین رہ کر کافی ثواب حاصل کر چکے تھے۔ اس موسم مین کیسے لاہور رہ سکتے تھے۔ سرکاری افسرون کی تقلید مین ڈلہوزی روانہ ہوگئے۔

بابو رام لال کے والد بڑے امیر آدمی تھے۔ بیٹے سے آپ کی بہت کچھ امیدین وابستہ تھین۔ ہونہار لڑکے نے بی، اے کا امتحان پاس کر لیا۔ تو آپ نے اُسے ولایت روانہ کر دیا وہان پہونچ کر پانچ چھ مہینہ تک تو بابو رام لال یہ سوچتے رہے کہ کونسا مضمون پڑھنا چاہیے۔ کبھی بیرسٹر بننے کی خواہش ہوتی تو کبھی انجینرنگ کے میدان مین گام زن ہونے کو طبیعت چاہتی کبھی ایم اے ہونے کو دل چاہتا۔ کبھی ڈاکٹری کی طرف رجحان ہوتا۔ آخر مریضون کے نصیب جاگے اور بابو رام لال نے ڈاکٹری پڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔

اب ایک نیا سوال درپیش ہوا۔ پڑھنا کون سے کالج مین چاہیے۔ کنگز کالج۔ سینٹ برتھالمیو کالج۔ ڈرہم کالج۔ رائل وکٹوریا کالج۔ اور سینٹ جارج اسکول وغیرہ سے پراسپکٹس دو تین مہینے زیر غور رہے لیکن نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ دل کا تقاضا تھا کہ سینٹ جارج سکول مین داخل ہو جاؤ۔ لیکن دماغ کا مشورہ تھا کہ دیکھنا کہیں جلدی مین کوئی ایسی غلطی

نہ ہو جائے جسکی پھر تلافی نہو سکے۔ کسی ذمہ دار شخص سے بھی تو پوچھ لینا چاہیے۔

آپ نے انڈیا ایسوسی ایشن کے سکریٹری اور لندن کے چند مشہور ڈاکٹرون سے ملکر مشورہ کیا۔ سب نے بالاتفاق سینٹ برتھالمو کالج مین داخلے کی صلاح دی اور اس فیصلے کو بابو رام لال نے منظور کر لیا۔ لیکن کالج کے پرنسپل نے انکی عرضی پر لکھ بھیجا کہ مجھے بڑا افسوس ہے کہ اس سال میرے کالج مین کوئی جگہ نہین ہے۔ اگلے سال شاید آپکو موقع ملسکے

مجبوراً رام لال کو بھی پرنسپل صاحب کی بات ماننی پڑی اور بہرحال اُنھون نے ایک سال تک آرام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اس عرصے مین آپ بیکار نہین بیٹھے۔ خوب عیش و عشرت مین مشغول رہے۔ روپیہ کافی تھا۔ جوانی کی اُمنگین اور ہر طرف پریون کا جھرمٹ تھا۔ ایسی حالت مین اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا ذرا دشوار ہوتا ہے۔

دو سال بات کہتے گزر گئے۔ تیسرے سال کے شروع مین آپ میڈیکل کالج مین داخل ہو گئے۔ لیکن تقدیر کی خوبی دیکھیے اس سال والد کا انتقال ہو گیا اور جائداد کی بابت کچھ جھگڑے پیدا ہو گئے۔ گھر سے خرچ آنا بند ہو گیا اور آپ زیادہ دیر تک انگلینڈ نہ ٹھہر سکے۔

جب کوئی یورپین اپنے گرہ کے دام خرچ کرکے ایشیا مین آتا ہے تو جاتے وقت کوئی گائڈ بک یا سفرنامہ لکھکر اُس سے دُگنا کما بھی لیتا ہے۔ لیکن بابو رام لال تجارت کے خیال سے تو ولایت گئے نہین تھے۔ آپ تین چار ہزار پاؤنڈ کے قریب جان بل کے خزانہ مین داخل کرکے اور اپنا نشان مردانگی یعنی مونچھین بھی وہین چھوڑ کر بیک بینی و دو گوش ہندوستان لوٹ آئے۔

لیکن یہان واپس آکر آپ کے مزاج کی کایا پلٹ ہو گئی۔ سیر و تفریح مین یہان تک کمی ہو گئی کہ آپ بالکل تنہائی پسند ہو گئے۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ پڑھتے رہتے تھے، طبیعت کی جولانی سے بہت جلد اقتصادیات اور سیاسیات پر عبور حاصل کر لیا۔ اور عملی سیاسیات کے رموز دباریکیون کو جاننے کے لیے بڑے بڑے لیڈرون کی صحبتون سے فیض اُٹھانے لگے۔

غرض تین سال کے عرصہ مین آپ ملکی رہنماؤن مین شمار کیے جانے لگے۔ ابھی آپ کی عمر صرف ۲۶-۲۷ سال کی تھی۔ شہرت اور تجربہ نے کہین سے کہین پہونچا دیا۔ سرکاری حلقون مین بھی

خاصی عزت حاصل ہو گئی۔ لاہور کا کوئی جلسۂ عام یا گارڈن پارٹی کامیاب نہیں کہی جاتی تھی جسمیں آپ شامل نہ ہوں۔ انڈین ایسوسی ایشن کے آپ روح رواں تھے۔ آپ کی تقریریں سحر اثر ہوتی تھیں۔ بریڈ لا ہال میں بیٹھے ہوے لوگ آپ کو دیکھتے ہی آپ کی جے پکارتے فقرہ فقرہ پر تالیاں بجتیں۔ بات بات پر "سنو سنو" کے نعروں سے ہال گونج اُٹھتا تھا لیکن لیڈری کے معیار کے متعلق رفتہ رفتہ عام خیالات میں تبدیلی آگئی۔ غریبوں کی خدمت غریب ہی کرسکتے ہیں ایثار و قربانی کیے بغیر کوئی بڑا نہیں بن سکتا ۔ چاروں طرف سے یہ آوازیں آرہی ہیں کہ قیصر قالین اور بلاغت وفصاحت کے پتلے پیچھے ہٹا دیے گئے۔

قدرتاً بابو رام لال کی ہر دلعزیزی میں بھی فرق پڑنے لگا۔

ملک میں ایک عجیب و غریب ہستی رونما ہوئی۔ اہل ملک کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھکر اُسکا دل تڑپ اُٹھتا تھا۔ کمزور و فاقہ کش ہندوستانیوں کے ڈھانچے دیکھکر اُسکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ اُسنے اپنے ملک اور اہل ملک کی خاطر اپنا عیش و آرام ترک کردیا۔ اور رات دن اسی دھن میں رہنے لگا کہ کسی طرح غلامی سے نجات ملے اور ملک کے دن پھریں۔

لوگ اُسے مہاتما کہتے تھے۔

آزادی کا حامی اور ملک کا رہنما اونچی میز پر بیٹھکر صاف شیریں اور موثر آواز میں کہتا تھا۔ راستباز بنو۔ نہ کسی سے ڈرو اور نہ کسی کو ڈراؤ۔ گورنمنٹ کی امداد سے ہاتھ کھینچ لو خودبخود یہ سلسلہ غلامی نابید ہو جائے گا۔

لوگوں نے اُسکی باتوں کو سُنا اور دل سے اُنپر عمل پیرا ہو گئے۔

بابو رام لال نے سب کچھ دیکھا۔ پہلے تو گورنمنٹ کے ہم آواز ہو کر مذاق اُڑاتے رہے پھر نا امید ہو کر خاموش بیٹھ گئے۔ گورنمنٹ بھی سختی پر اُتر آئی۔

(۲)

گاڑی صبح تین بجے پٹھان کوٹ پہونچی۔ بابو رام لال قلی کے سر پر اسباب اُٹھوا کر اسٹیشن سے باہر نکلے۔ قلی نے باہر برآمدے میں زمین پر اسباب رکھدیا اور مزدوری لیکر چلا گیا۔

ڈلہوزی جانیوالے اور بہت سے مسافر بھی اسی گاڑی سے اُترے۔ انمین سے زیادہ تر انگریز تھے۔

ابھی دن نکلنے مین دو ڈھائی گھنٹے باقی تھے۔ اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ برامدہ مین ایک کٹسن لیمپ روشن تھا۔ موٹر ایجنسی کا ایک آدمی اُنکے نزدیک آیا جھک کر سلام کرنیکے بعد (کیونکہ بابو رام لال صاحب بنے ہوے تھے) بولا "حضور ڈلہوزی تشریف لیجائینگے"

بابو رام لال نے سر ہلایا۔

وہ کہنے لگا تو حضور آپ اپنے لیے موٹر مین ابھی سیٹ ریزرو کرالین۔ مسافر بہت آئے ہین۔ کہین جگہ کی تنگی نہو جائے۔

بابو رام لال نے اسپر رضامندی ظاہر کی اور موٹر والے نے جھٹ جیب سے ایک کتاب نکال کر بابو صاحب کا نام لکھا اور پرچہ کاٹ کر اُنھین دیدیا۔ بابو صاحب نے کرایہ ادا کر دیا۔ اور پوچھا "موٹر کب روانہ ہوگی؟"

"اندھیرے مین چلنا مشکل ہے۔ ساڑھے پانچ بجے سے پہلے نہین چل سکتے۔ آپ تب تک ویٹنگ روم مین تشریف رکھین۔ اسباب مین موٹر مین رکھوائے لیتا ہون"

بابو رام لال بہت اچھا کہکر ویٹنگ روم مین داخل ہو گئے۔ اور موٹر والے نے اسباب موٹر مین رکھوالیا۔

آفتاب نکلنے کے قریب تھا۔ موٹر ایجنسی کی تمام موٹرین اسٹیشن کے باہر آ کھڑی ہوئین مسافر اپنے اپنے پرچے دکھا کر موٹرون مین بیٹھ گئے اور موٹرین اپنے سفر پر روانہ ہو گئین لیکن بابو رام لال والی موٹر وہین کھڑی رہی۔ کیونکہ اُسکے دوسرے مسافر ویٹنگ روم سے نہ نکلے تھے۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد آخر وہ بھی باہر نکل آئے۔ چار سواریان تھین۔ تین صاحب اور ایک میم۔ تینون صاحب فوجی وردی مین تھے۔ اُنمین سے ایک کیپٹن تھا اور باقی دو معمولی سپاہی۔ میم صاحبہ کیپٹن کی بیوی تھین کیپٹن پچیس تیس سپاہیون کے ساتھ سرکاری خرچ سے گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے ڈلہوزی جا رہے تھے۔ سپاہی آگے

چلے گئے تھے۔ یہ تینوں بریک فاسٹ کھانے کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔

ڈرائیور نے بڑھکر سلام کیا۔ کیپٹن نے پوچھا "کس موٹر میں بیٹھنا ہے؟"

موٹر کی طرف اشارہ کرکے ڈرائیور بولا "حضور اسمین"

کیپٹن نے موٹر مین بیٹھے ہوئے بابو رام کو دیکھکر ناک بھون چڑھائی۔ موٹر کی طرف چھڑی سے اشارہ کرکے بولا "اسین وہ بیٹھا ہے"

"ہاں۔ حضور بھی اسی مین تشریف رکھین"

"وہ نہین ! ہم کالا آدمی کے ساٹ (ساتھ) نہین بیٹھے گا"

"لیکن حضور اور کوئی موٹر نہین ہے۔"

"تو پھر اُسے نکال کر ہمارے واسٹے (واسطے) موٹر خالی کرواؤ"

ڈرائیور ہاتھ جوڑکر گڑگڑانے لگا "حضور ہمارے مائی باپ ہین۔ لیکن وہ بھی کوئی معمولی..."

کیپٹن زور سے بولا۔ "یو مسٹ ! ہم کہتا ہے فوراً اُسے جاکر موٹر سے باہر نکالو"

ڈرائیور کے ہوش اڑ گئے۔ تھر تھر کانپنے لگا۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والا معاملہ ہوگیا۔ چپ چاپ کھڑا رہا۔ منھ سے کچھ نہ بول سکا۔ صاحب کا غصہ اور بھی تیز ہوگیا۔ بڑھکر اُسنے ڈرائیور کو بوٹ کی ٹھوکر لگائی۔ اور رعونت بھرا ہوا موٹر کے قریب چلا گیا۔ موٹر کا دروازہ کھول کر بابو رام لال کے بیگ وغیرہ اٹھا اٹھا کر باہر پھینکنے لگا۔

بابو رام ولایت ہوآئے تھے۔ وہ صاحب کے جوش، غصہ اور پاگلپن سے ڈرے یا گھبرائے نہین۔ ماتھے پر تیوری چڑھاکر انگریزی مین پوچھنے لگے۔ "کیون؟ کیا ہوا؟ کچھ پاگل تو نہین ہوگئے۔"

کیپٹن اول انگریز۔ دوسرے فوجی افسر۔ اس پر طرہ یہ کہ نشے کے گھوڑون پر سوار۔ وہ ایک ہندوستانی کے منھ سے ایسا ہتک آمیز کلمہ کب سن سکتا تھا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ زور سے ایک چھڑی بابو رام کے سر پر رسید کردی۔ اور دوسرے ہاتھ سے اُنکا بازو پکڑ کر باہر کی طرف گھسیٹنے لگا۔ اور بولا۔ "پاگل کے بچے ! ہم کہتا (کہتا) ہے موٹر فوراً خالی کرو"

بابو رام خود ہی باہر نکل آئے۔ اُنھین بیحد غصہ آیا۔ پہلے تو اینٹ کا جواب

پتھر سے دینے کو تیار ہو گئے۔ لیکن سامنے دیوزاد کیپٹن اور اُسکے دو ساتھیون کو دیکھکر رک گئے۔ دانت پیسکر بولے۔ بیوقوف! تمیز سے گفتگو کرنی بھی نہین آتی۔

"تمیز؟" کیپٹن زور سے چیخا۔ آؤ (تمھین) تمیز سکھا دون۔ اور زور سے اُسنے بابو رام لال کے گھٹنے پر بوٹ کی ٹھوکر لگائی۔ بابو رام لال سنبھل نہ سکے۔ گر پڑے۔ میم صاحبہ یہ دیکھکر اُچھل پڑین اور تالیان بجا کر فرمانے لگین۔ جیک ایک اور۔ ایک اور!!

پولیس کی چوکی اسٹیشن کے قریب ہی تھی۔ شور سنکر چند سپاہی اور ریلوے کے کچھ بابو قلی وغیرہ آ گئے۔ لیکن اس جھگڑے مین کسی کو دخل دینے کی ہمت نہ پڑی۔

میدان جنگ مین سپاہی کا جوش جنگی باجہ سُنکر دُگنا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کیپٹن میم صاحبہ کی آواز ایک اور ایک اور سُنکر اپنے آپے مین نہین رہ سکا۔ اپنی محبوبہ کو رجھانے کے لیے اُسنے بابو رام لال پر ٹھُدّون کی بوچھار کر دی۔ بابو صاحب کچھ ہمت کر کے کھڑے ہو گئے اور اُٹھ بھاگے۔ میم صاحبہ خوشی سے ایک دفعہ پھر اُچھل پڑین کیپٹن کے دونون ساتھیون نے نعرۂ تحسین بلند کیا۔ ایک نے آگے بڑھکر کیپٹن کی پیٹھ ٹھونکی۔

کیپٹن حریف پر فتح پاتے ہوئے مرغ کی طرح گردن اکڑائے۔ سینہ تانے ڈرایور کی طرف مڑا۔ خوف کے مارے اس بیچارے کے بھی اوسان خطا تھے۔ تھر تھر کانپتا ہوا ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا

حضور... حضور... مین تو...

کیپٹن اُسکی ہیئت کذائی کو دیکھکر ہنس پڑا۔ اردگرد کھڑے سپاہیون۔ بابوؤن، قلیون وغیرہ نے بھی قہقہہ لگایا۔ کیپٹن بولا "ویل۔ اُسکا سب اسباب موٹر سے باہر پھینکو اور ہمارا اسباب ویٹنگ روم سے لاکر اسمین رکھو"

جان بچی لاکھون پائے۔ ڈرایور فوراً صاحب بہادر کے حکم کی تعمیل مین مشغول ہو گیا اُسکی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بابو رام لال کا اسباب موٹر سے نکال کر زور زور سے باہر پٹکنے لگا۔ اس سے فارغ ہو کر ویٹنگ روم سے اسباب اُٹھا لایا۔ تینون صاحب اور میم موٹر مین بیٹھ گئے اور موٹر روانہ ہو گئی۔

بابو رام لال بھاگ کر نزدیک ہی ایک درخت کے پیچھے چھپ گئے تھے۔ جب موٹر

نظر سے اوجھل ہو گئی تو وہ سر نیچا کیے ہوئے کپڑے جھاڑتے اپنے اسباب کے نزدیک آ گئے۔
اب سپاہیون، بابوؤن اور قلیون کی رگ حمیت نے بھی جوش مارا۔ اب انھین کوئی ڈر نہین تھا
کوئی خوف دلانیوالا پاس نہ تھا۔ بابو رام لال سے سبھی ہمدردی جتانے لگے۔ انگریزون کو برا بھلا
کہنے مین لعنت ختم کر ڈالی گئی۔

ایک بابو نے آگے بڑھکر کپڑے جھاڑنے مین مدد دی۔ دوسرے نے ٹوپ (جو لڑائی
جھگڑے مین نیچے گر گیا تھا) اُٹھایا۔ اور جھاڑ پونچھکر بابو رام کو دیدیا۔ اُنھون نے شکریہ ادا
کیا اور ایک قلی کو پاس بُلا کر کہنے لگے "یہ اسباب ویٹنگ روم مین لے آؤ"، یہ کہکر آپ
ویٹنگ روم مین چلے گئے۔ سبھی بابو قلی سپاہی وغیرہ اپنے اپنے کام مین لگ گئے اور وہ قلی
جسے بابو رام لال اسباب اُٹھانے کو کہہ گئے تھے۔ اسباب ویٹنگ روم مین لیجانے لگا۔

غنڈے اور بدمعاش پولیس یا اپنے ساتھیون کی گالیون کو شیر مادر کی طرح پی جاتے ہین
لیکن شریفون کا دل معمولی اُنگلی کے اشارہ کو بھی اپنی ہتک سمجھتا ہے اور آج بابو رام لال
کے ساتھ تو بہت ہی بُرا سلوک ہوا تھا اُنھون نے واقعے کی اہمیت کو محسوس کیا اسوقت
وہ خیال کر رہے تھے کہ اب مین دنیا مین کسی کو مُنھ دکھانے لائق نہین رہا۔ حالانکہ موقعہ
پر جتنے آدمی موجود تھے بظاہر سب اُنسے ہمدردی کرتے تھے، اور سب کے سب کپتان اور
اور اُسکے ساتھیون کو سخت بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ عزت اور بیعزتی ماننے یا نہ ماننے پر منحصر ہے
دُنیا کا فیصلہ اُسمین کوئی تبدیلی نہین کر سکتا۔

بابو رام لال شرم سے پانی پانی ہوئے جاتے تھے۔ لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک قائم
نہین رہی تھوڑی دیر بعد دل مین ایک جوش پیدا ہوا "ہین! میری بیعزتی! مین اُس سے
کس بات مین کم تھا جو اُسنے یہ جرأت کی؟ ... مین اُس بدذات کپتان کو ٹھیک کر دونگا
مین اُسپر ہتک عزت کا دعویٰ دائر کر دونگا"

لیکن تھوڑی دیر بعد دوراندیشی نے اُنھین اس فیصلہ کو بدلنے پر مجبور کر دیا۔ انھون نے
سوچا کہ ابھی تو بیعزتی صرف پندرہ بیس ناواقف اشخاص کے سامنے ہوئی ہے لیکن اگر
معاملہ عدالت تک گیا، تو تمام ہندوستان مین تشہیر ہو جائیگی۔ اسلیے اس معاملہ کو یہین

ختم کر دینا چاہیے۔

بہرحال شام کو موٹر میں بیٹھکر ڈلہوزی روانہ ہو گئے۔

دو دن پہلے ہی اُنکے چار نوکر ڈلہوزی پہونچ چکے تھے۔ اُنھون نے ایک عالیشان مکان کرایہ پر لیکر سارا انتظام ٹھیک کر رکھا تھا۔ بابو صاحب موٹر سے اُتر کر مکان کے اندر چلے گئے۔ نوکرون نے اسباب رکھوا لیا۔

(۳)

ڈلہوزی مین دو ٹینس کلب تھے۔ ایک ہندوستانیون کا۔ دوسرا انگریزون کا۔ انگریزی کلب کے ٹینس کورٹ بارکون کے قریب بنے ہوئے تھے۔ ہندوستانی شہر کے نزدیک ہی ایک سبزہ زار کے ٹکڑے پر کھیل لیتے تھے۔ ہندوستانی کلب کے پندرہ بیس ممبر تھے۔ وہ سب تقریباً ہر سال وسط جون سے وسط ستمبر تک ڈلہوزی آیا کرتے تھے۔ اُنمین زیادہ تر وکلا اور بیرسٹر صاحبان تھے۔ کچھ تعلیمیافتہ مستورات بھی تھین۔

بابو رام لال بھی اُسی کلب مین کھیلا کرتے تھے۔ ڈلہوزی پہونچنے کے دوسرے ہی دن آپ شام کو کلب مین حاضر ہو گئے۔ اُنکے چہرے سے اُسوقت پہلے روز کے وقوعہ کا کوئی اثر باقی نہ تھا۔ آپ مُسکرا مُسکرا کر سب دوستون سے ملے۔ اور پھر ٹینس کھیلنے مین مشغول ہو گئے آپ کے مقابلہ مین ایک لڑکی تھی۔ اُسکا نام مس سُبھدرا تھا۔ وہ پنجاب یونیورسٹی کی گریجویٹ تھی اور کھدر پہنے ہوے تھی۔ تمام کلب مین صرف وہ اور اُسکے بھائی مسٹر بشمبر داس ہی اس لباس مین تھے باقی اور سب صاحبی ٹھاٹھ مین تھے۔ مسٹر بشمبر داس گوجرانوالہ کے نہایت کامیاب بیرسٹر تھے۔ بہت معقول آمدنی تھی۔ لیکن تحریک عدم تعاون کے زیر اثر اپنی بیرسٹری ترک کر دی تھی۔ اور کانگریس کے کام مین مشغول ہو گئے تھے۔ آپکا ارادہ ڈلہوزی آنے کا نہ تھا۔ لیکن بدقسمتی سے زیادہ کام کرنے کے سبب آپ کی صحت بگڑ گئی اور ڈاکٹری مشورہ کے مطابق آپ کو اپنی بہن کے ساتھ ڈلہوزی آنا پڑا۔

مس سُبھدرا کی نسبت بابو رام لال کے ساتھ طے ہو چکی تھی۔ اسی لیے کھیل مین ان دونون کا مقابلہ دیگر ممبرون کی نگاہ مین نہایت ہی دلچسپ تھا۔ سب لوگ اِردگرد کی کرسیون

بیٹھکر کھیل دیکھنے لگے - بابو رام لال نہایت چالاکی سے گیند پھینکتے تھے - سبھی سمجھتے کہ ضرور مس سبھدرا کو پوائنٹ ہو جائے گا - لیکن وہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ گیند کو کو روک لیتین اور اس ترکیب سے بابو صاحب کیطرف پھینکتین کہ پوائنٹ اُلٹا اُنھین کو ہو جاتا

اسی طرح ہوتے ہوتے کھیل ختم ہو گیا جیت مس سبھدرا کی رہی اور یار دوستون کو بابو رام لال پر خوب پھبتیان کسنے کا موقعہ ہاتھ آیا -

سب لوگ اپنے اپنے مکان یا ہوٹل کو روانہ ہو گئے - بابو رام لال نے چرٹ سلگایا اور گراونڈ سے باہر نکل کر گھر کی طرف جانے لگے - کہ مسٹر بشمبر داس نے پیچھے سے آکر کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگے - یار ایک بات بتاؤ! پھر جانا!!

"کہو کل کیا معاملہ ہو گیا تھا؟ اسٹیشن پر کس سے جھپٹ ہو گئی تھی؟"

بابو رام لال نے گھبرا کر پوچھا "تمھین کس سے معلوم ہوا؟"

اُنھون نے زبان سے کچھ نہ کہا - صرف اخبار "قوم پرست" کا تازہ پرچہ آگے کر دیا - واقعات اور - ایڈیٹر والے کالم مین درج تھا -

لارڈ ریڈنگ کا دعوی

ناظرین آج کی تار کی خبرون مین ایک گورہ کپتان کے ہاتھون لاہور کے بابو رام لال کی بیعزتی اور مارپیٹ کے حالات پڑھین گے - انھین پڑھکر کیا کوئی شخص ہندوستان مین نسلی مساوات کی موجودگی کا خیال تک بھی دل مین لاسکتا ہے؟ آنجہانی ملکہ وکٹوریہ - اُنکے فرزند جناب ایڈورڈ ہفتم مرحوم موجودہ شہنشاہ معظم جارج پنجم اور مسٹر مانٹیگو و دیگر کئی مدبران انگلستان بڑے زوردار الفاظ مین کئی موقعون پر اعلان کر چکے ہین کہ ہندوستان مین مساوات کے اُصول پر حکومت کی جائیگی - گورے کالے سب ایک نظر سے دیکھے جائینگے - یہی نہین بلکہ یہان ہندوستان مین ہارڈنگ سے لیکر ریڈنگ تک کسی ویسرائے نے بھی ڈنر پارٹی، گارڈن پارٹی اوڈریس، غرضکہ کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہین جانے دیا جسپر اُسنے بڑے طمطراق سے انگریزی راج کی برکت مساوات کے گیت نہ گائے ہون - ایک موقع پر موجودہ

دیسرائے جناب لارڈ ریڈنگ صاحب نے بڑے دعوے سے فرمایا تھا کہ ہندوستان مین نسلی امتیاز نہ ہے اور نہ کبھی ہوسکتا ہے لیکن ہم دیکھتے کیا ہین؟ ایک معمولی گورہ کپتان اُٹھتا ہے اور ایک رئیس پولیٹکل لیڈر کو (جو اگر انگلستان مین ہوتا تو لارڈ کے نام سے نامزد کیا جاتا اور شاید مجلس وزارت کا ممبر ہوتا) کو بعزت کرتا ہے۔ مارتا ہے پیٹتا ہے۔ بوٹ کی ٹھوکرون سے ٹھکراتا ہے اُسکے ساتھی اُسے شاباش دیتے ہین۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے کپتان سے کوئی بازپرس نہین کیجاتی۔ پولیس خاموشی سے تماشہ دیکھتی رہتی ہے۔

یہ نسلی مساوات کا نمونہ ہے۔

کالے حیوان ہین اُنکے ساتھ مساوات کیسی؟ اُنکے ساتھ ایک ہی گاڑی یا موٹر مین کیسے سفر کرین؟ گورے رنگ والے اپنی فضیلت وحکومت کی عطا کردہ طاقت کو حرکت مین لاتے ہین۔ اور صرف اپنی سہولت اور آرام کا سامان مہیا کرلیتے ہین۔ ایسا کرتے ہوے انھین یقین ہوتا ہے کہ اُنسے کوئی کچھ پوچھنے والا نہین۔

لیکن آخر یہ حالت کب تک رہ سکتی ہے؟ اگر حکومت اسکے دور کرنے مین قاصر ہے تو رہے۔ لیکن غیرت مند ہندوستانی اس بعزتی کو زیادہ دیر تک نہین دیکھ سکتے۔ اسی لیے وہ عدم تعاون پر کاربند ہوگئے ہین۔ اور یقین کامل ہے کہ اگر خداوند کریم کی مدد شامل حال رہی تو بہت جلد سوراج حاصل ہوکر نسلی مساوات اور قومی عزت کا معیار قائم ہوجائے گا۔ اور ایسے ایسے واقعات اُسے جلد عالم وجود مین لانے والے ثابت ہونگے۔

بابو رام لال کے حواس تو مسٹر بشمبر داس کی بات ہی سنکر باختہ ہوگئے تھے مشکل سے اخبار کی دو ایک سطرین پڑھین۔ لیکن سر اوپر اُٹھانا بھی محال ہوگیا۔ اخبار کی طرف ہی دیکھتے رہے۔ وہ تشہیر سے ڈرتے تھے۔ اسی لیے اُنھون نے کوئی استغاثہ دائرہ نہ کیا تھا لیکن افسوس معاملہ اخبار مین نکل گیا۔ یار دوستون کے سامنے ہیٹی ہوگی۔ یہ سوچ کر

اُنکا دل آپ ہی آپ بیٹھا جاتا تھا۔

مسٹر بشمبر داس کچھ دیر اُنکی طرف دیکھتے رہے۔ آخر پوچھنے لگے۔ مقدمہ دائر کردیا؟

بابو رام لال سوچنے لگے بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ اخبار والونکا ستیاناس ہو۔ ہر ایک خبر کو شایع کرتے ہیں۔ مفت میں بدنام کردیا۔ اب سوائے مقدمہ دائر کرنیکے چارہ ہی کیا تھا۔ دھیمی آواز سے بولے نہیں ابھی نہیں مقدمہ دائر کرنیکی ہدایات میں نے مسٹر سٹینلے بار ایٹ لا کو لاہور بھیجدی ہیں۔ آجکل میں مقدمہ دائر ہو جائیگا،

مسٹر بشمبر داس نے کہا استغاثہ دائر کرنا محض فضول ہے۔ عدالت سے آپ انگریز کے مقابلے میں انصاف حاصل نہیں کرسکتے۔

خیر جو ہوگا دیکھا جائیگا

تھوڑی دیر بعد آپنے اخبار واپس دیدیا اور شب بخیر کہکر گھر کی طرف چلدیے۔ مسٹر بشمبر داس اپنے ہوٹل کیطرف ہو گئے گھر پہنچکر اُسی وقت مقدمہ دائر کرنیکی ہدایات مسٹر سٹینلے کے نام لاہور لکھکر بھیجیں اگلے دن پٹھان کوٹ جاکر کوتوالی میں رپورٹ بھی لکھوا آئے۔

(۴)

دلمین چور تھا بابو رام لال دوستونکے سامنے جاتے ہوئے گھبرانے لگے۔ آپنے ٹینس کھیلنا چھوڑ دیا۔ اور یہ کہکر اپنے دل کو تسلی دے دی کہ ٹینس بالکل فضول کھیل ہے۔ نہ ورزش نہ تفریح۔ اس سے تو بہتر ہے کہ صبح و شام مناظر قدرت کی سیر کیا کروں دماغ کو فرحت ہوگی طبیعت بھی بشاش رہیگی۔ اسی خیال پر آپ عمل پیرا ہوگئے اور صبح و شام ادھر اُدھر پہاڑیوں کی طرف سیر کرنے لگے۔

شام کے وقت صاف شفاف نیلے آسمان پر چاند نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ چاروں طرف دور تک سبزہ ہی سبزہ نظر آتا تھا جگہ جگہ پر چھوٹی چھوٹی آبشارونکا بلوریں پانی نہایت آہستگی سے جھر جھر کرتا ہوا بہتا تھا۔ بابو صاحب کا دل بھی خوش تھا لیکن کبھی کبھی مس سعیدہ کی یاد آجاتی تھی مگر پھر یہ خیال دلمین آتا کہ مس سعیدہ ایسے واقعہ کے متعلق وہ کیا کہینگی؟ یہ خیال انکو کاٹے کھاتا تھا۔ بہرحال ایک آدھ روز آپ ادھر اُدھر کی سیر کو دیکھنے میں مشغول ہو چلے اسی طرح کئی دن گذر گئے۔ اب سیر میں بھی کچھ لطف نہ آتا تھا۔ ہر وقت دل و دماغ کی جنگ چھڑی رہتی تھی دل مس سعیدہ کو دیکھنے کو چاہتا تھا لیکن تخیل کورٹ کیپٹن کی شکل سامنے لاکر کھڑی کردیتا۔

آخر ایک دن تنگ آکر آپنے فیصلہ کرنا چاہا کہ یا تو دل پر جبر کرکے کلب جایا کریں یار دوست کیا کہتے ہونگے یا لاہور واپس جائیں کہ روز کی بےچینی سے چھٹکارا ہو۔

آپ اسی سوچ مین تھے اور ابھی کسی نتیجے پر نہ پہونچے تھے کہ بلا کسی اطلاع کے مسٹر بشمبر داس آ پہونچے - بابو رام لال اُنھین دیکھکر گھبرا سے گئے - سلسلۂ خیالات منقطع ہو گیا - لیکن چند منٹ بعد سنبھل گئے - اور سوچنے لگے کہ اب تو خود بخود فیصلہ ہوا جاتا ہے۔

مسٹر بشمبر داس نے آتے ہی کہا - "واہ! بھئی واہ! احد کر دی - اب تو نظر بھی نہین آتے پورا ایک ہفتہ ہو گیا تمھاری شکل دکھائی نہین دی تمھارا ذکر اکثر ہوتا رہتا ہے - کل مسٹر آتما رام کہتے تھے کہ بابو رام لال کے بغیر تو یہ صحبت بے لطف ہے پچھلے چار پانچ روز سے بہن سبھدرا کو بھی تمھاری بابت بہت فکر رہی کہ کہین خدانخواستہ بیمار نہ پڑ گئے ہون"

مسٹر بشمبر داس اسی طرح بہت کچھ کہتے رہے - بابو رام لال اب بہت کچھ سنبھل چکے تھے اُنھون نے اپنے چہرہ پر مصنوعی ہنسی بھی پیدا کر لی - مسٹر بشمبر داس کا سلسلۂ تقریر توڑ کر کہنے لگے "بھائی ٹینس سے کچھ اُکتا گیا تھا - بس سیر کرنے کو . . . . "

"اُکتا گئے تھے؟ ٹینس سے یا ہم سے؟"

"صبح کی سیر سے کچھ تھک جاتا تھا - اسلیے دوپہر کو نیند آ . . . . "

"رہنے دو - رہنے دو - اب بہانہ سازی نہ کرو - آج شام کو ہمارے گھر آنا - سبھدرا کہتی تھی کھانا بھی وہین کھانا ہو گا! ورہان بھلا اُس مقدمے کا کیا ہوا؟"

"ابھی تک وارنٹ کی تعمیل ہی نہین ہوئی"

"ارے بھائی دیسی اور انگریز کا معاملہ ہے - پولیس ٹوپ سے ڈرتی ہو گی"

یہ کہکر جسطرح جلدی جلدی باتین کر رہے تھے - اُسی طرح تیزی سے باہر نکل گئے

. . . .

بابو رام لال کے تمام پولیٹیکل خیالات اس بنیادی اُصول پر کھڑے تھے کہ سوراج ہندوستان کا پیدائشی حق تو ہے لیکن اس بات کا فیصلہ کرنیکے اہل صرف انگریز ہی ہین کہ آیا ہم اپنا انتظام آپ کرنیکے قابل ہو گئے ہین یا نہین - ہمارا فرض تو گورنمنٹ کا ہاتھ بٹانا اور اپنے حقوق جتاتے رہنا ہے - تاکہ وہ مبارک دن جلدی سے جلدی ظہور پذیر ہو - جس دن ہمارا ملک خود ہمارے ہاتھ مین ہو۔

نئی نئی سیاسی زندگی ہے، آجکل ہر شخص فرصت کے وقت معاملات حاضرہ پہ سوچا کرتا ہے۔ بار روم مین وکیل، خالی گھنٹے مین کالج کے طالبعلم شام کو اخبار پڑھتے وقت دفتر کے بابو، نوکری ڈھونے کے بعد، قلی ہل چلا کر کسان، غرضیکہ کہین بھی دو ہندوستانی اکٹھے ہوجائین تو گفتگو سیاسیات پر ہی ہوگی۔ اور بابو رام لال تو کچھ عرصہ تک پولیٹکل لیڈری بھی کرچکے تھے۔ وہ نئے حالات سے متاثر ہوئے بغیر کیسے رہتے۔ یار دوستون مین بیٹھکر خوب بحث و مباحثہ کیا کرتے۔

آج شام کو جب تینون یعنی بابو رام لال، مسٹر بشمبر داس اور مس سبھدرا ایک ساتھ میز پہ کھانا کھانے بیٹھے۔ تو گفتگو پولیٹکل معاملات پر ہی چھڑ گئی۔ بابو بشمبر داس بولے "میری سمجھ مین نہین آتا کہ تم موجودہ تحریک آزادی سے اتنا الگ تھلگ کیون رہتے ہو۔ ایتک ہمیشہ آزادی کے راگ الاپتے رہے ہو۔ اور اب جبکہ آزادی حاصل کرنے کا اصلی موقعہ آیا تم بات پرست لیڈر الگ ہوگئے ہو۔

بابو رام لال بولے "تو کیا تم خیال کرتے ہو کہ مجھے گورنمنٹ سے کچھ حاصل کرنیکی خواہش ہے۔ یا مین اُس سے ڈرتا ہون؟"

مسٹر بشمبر داس نے کہا "نہین نہین یہ نہین۔ مجھے یہی تو حیرت ہے کہ نہ تو تمھین کچھ لالچ ہے اور نہ تم ڈرنے والے ہو۔ پھر تم قوم کا ساتھ کیون نہین دیتے"

بابو رام لال "دیکھو بھائی۔ اتنے سال کوشش کرکرکے ہمنے انگریزون کو منایا ہے کہ ہم گورنمنٹ مین اصلاحات حاصل کرنے کے قابل ہوگئے ہین۔ اتنے سال لڑ جھگڑ کر ہمنے کچھ اصلاحات حاصل کی ہین۔ اب بجاے اسکے کہ ہم گورنمنٹ کے مددومعاون بنکر اصلاحات کو کامیاب ثابت کرنے کی کوشش کرین۔ ہم گورنمنٹ سے روٹھکر اُلٹے اُسی کو مفلوج بنانے مین سرگرم ہون بھلا یہ کہان کی عقلمندی ہے؟ اس سے تو ہمین جو کچھ ملا ہے وہ بھی چھین جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم دل و جان سے گورنمنٹ کا ہاتھ بٹائین تو ہمین دس سال کے اندر اندر سوراج مل جائے گا"

مسٹر بشمبر داس نے قہقہہ لگایا۔ سبھدرا بھی مسکرائی۔

مسٹر بشمبر داس نے ہنستے ہنستے پوچھا۔ کیا مل جائیگا؟ سوراج؟ انگریز دینگے؟

بابو رام لال نے سنجیدگی سے جواب دیا "ہان"

"تب تو بھائی تم بڑے ہی بھولے ہو تمھین انگریزون کی سرشت سے واقفیت نہین ہزار سال تک خوشامدین کرتے رہو کبھی بھی آزادی نصیب نہوگی۔ اگر آزادی ملے گی تو اپنی ہی کوشش سے۔ انگریزون کی بخشش کے بھروسے بیٹھکر اپنی ہستی بھی مٹا بیٹھو گے"

"نہین نہین تم انگریزون کے دل کو نہین جانتے۔ وہ آزادی پسند ہین۔ وہ دنیا کی ہر ایک قوم کو آزاد دیکھنا چاہتے ہین وہ دنیا مین امن وچین کے خواہان ہین۔ یہ سب اصول ڈھکوسلے مین مل کرنیکے وقت یاد نہین رکھے جاتے۔ یہ تو فقط تم جیسے سیدھے سادے عیب بابونکو پھانسنے کیلیے جال کا کام دیتے ہین

اسی طرح کھانا کھاتے کھاتے باتین ہوتی رہین اتنے مین نوکر تازہ پرچہ لاکر میز پر رکھ گیا۔ مس سبھدرا اٹھاکر اسے دیکھنے لگی۔ پہلے ہی صفحہ پر ہندوستان کے دو نہایت ہی بااقتدار لیڈرون کی گرفتاری کی خبر تھی۔

سبھدرا بابو رام سے کہنے لگی "یہ دیکھو آپ کی گورنمنٹ مین اتنے اتنے بڑے آدمیون پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت ہوگئی"

بابو رام لال نے اخبار ہاتھ مین لیکر خبر پڑھی طبیعت کو کچھ تھوڑا سا رنج پہونچا پھر سنبھلکر بولے "گورنمنٹ بیچاری بھی کیا کرے؟ قانون پر اسکی ہستی کا دار و مدار ہے۔ اسکی مٹی پلید ہوتی کیسے دیکھے؟

"قانون؟" سبھدرا کچھ جوش مین آگئی۔ کیا قانون؟ بغیر رعایا کی مرضی کے بنایا ہوا قانون وقعت ہی کیا رکھتا ہے؟ ہمارا اپنا ملک ہے۔ اس سے ہم محبت کرتے ہین لیکن ایک سات سمندر پار سے آئی ہوئی گورنمنٹ اسکی پاداش مین ہمین قانون کے نام پر جیل مین ڈال دیتی ہے کیسا اعلیٰ قانون ہے!

بابو رام لال نے مسکراکر کہا "جوش مین کیون آگئین؟

سبھدرا کا جوش ٹھنڈا ہوگیا۔ دھیمے سے بولی۔ نہین۔ جوش مین نہین۔ مین نے سرسری طور پر ایک بات کہی ہے۔

بابو رام لال مذاقاً و طنزاً کہنے لگے "آپ کا مہاتما تو کہتا ہے۔ کہ جیل سوراجیہ آشرم ہین۔ اسیران حریت کے لیے شاہی ہوٹل ہین۔ آپ کو گورنمنٹ کا مشکور ہونا چاہیے کہ وہ آپ کی خواہش پوری کر رہی ہے۔ اُلٹی شکایت کیسی؟

مسٹر بشمبر داس بولے "ٹھیک ہے۔ اور شکوہ شکایت کون کرتا ہے؟ اب تو ہر شخص دوسرون سے پہلے سوراجیہ آشرم مین پہونچنے کی کوششون مین ہے" کچھ دیر کے لیے آپ رُکے پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر آہستگی سے کہنے لگے۔ مین بھی کیسے بُرے وقت مین بیمار پڑ گیا۔ اب تک کبھی کا شاہی مہمان نوازی کا لطف اُٹھا رہا ہوتا۔"

بھدرا فخر سے اپنے بھائی کی طرف دیکھنے لگی۔

کھانا ختم ہو گیا۔ ہاتھ وغیرہ دھو کر تینون بیٹھنے والے کمرہ مین چلے گئے۔

(۵)

اگلے دن بابو رام لال کو مسٹر سٹینلے بیرسٹر کی طرف سے اطلاع ملی کہ وارنٹ گرفتاری کی تعمیل کرا کر کیپٹن کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے۔ اور مقدمہ فلان تاریخ کو گورداسپور کی ضلع عدالت مین پیش ہوگا۔ بابو رام لال مقررہ تاریخ پر گورداسپور پہونچ گئے۔ بیرسٹر صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔ ملزم بھی حاضر عدالت تھا۔ کارروائی مقدمہ گیارہ بجے شروع ہوئی۔ مجسٹریٹ صاحب نے کرسی پر بیٹھتے ہی بابو رام لال سے دوستانہ گفتگو شروع کر دی۔ پہلے گرمی کی شکایت ہونے لگی۔ پھر تازہ گرفتاریون پر اظہار خیالات ہوا آگے چلکر گورنمنٹ کی مشکلات کا تذکرہ آگیا۔ اور آخر مین مجسٹریٹ نے بابو جی سے اپیل کی کہ آپ مقدمہ واپس لے لین۔ آپس مین صلح کر لین۔ بابو رام لال مجسٹریٹ کی بات سُنکر تذبذب مین پھنس گئے۔ ابھی جواب نہین دینے پائے تھے کہ مجسٹریٹ پھر بولا "مجھے نہایت افسوس ہے کہ یہ وقوعہ ظہور پذیر ہوا۔ ملزم غیر مشروط طور پر آپ سے معافی مانگنے کو تیار ہے۔ وہ آپ کو جانتا نہین تھا۔ اسی لیے اُس سے یہ خطا ہو گئی۔ ورنہ وہ آپ جیسے معزز ہندوستانیون کی دل سے عزت کرتا ہے"

بابو صاحب کو مجسٹریٹ کی بات سُنکر مقدمہ مین کامیابی حاصل کرنیکے بارے مین کچھ

شکوک پیدا ہو گئے - جب انصاف کرنے والا ہی ملزم کی سفارش کرنے لگے تو انصاف کی کیا امید ہو سکتی ہے ؟ مسٹر بشمبر داس نے پہلے ہی کہا تھا کہ مقدمہ دائر کرنا فضول ہے انگریزی عدالتوں سے کوئی ہندوستانی کسی انگریز کے مقابلہ مین انصاف حاصل نہیں کر سکتا تو اب کیا کیا جائے ؟

مجسٹریٹ پھر بولا "اس مقدمہ سے بڑی سنسنی پھیلے گی - نسلی جذبات بھڑک اٹھین گے آپ جانتے ہین آجکل گورنمنٹ اور رعایا کے تعلقات کیسے کشیدہ ہو رہے ہین - اس مقدمہ سے دونون کے دلون مین کدورت اور بھی بڑھ جائیگی - کیا آپ اپنے ملک کے فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مقدمہ کو واپس نہ لےلین گے

اب بابو صاحب اڑ نہ سکے - ملک کے فائدہ کے سامنے وہ اپنی عزت کو بھی نہین سمجھتے تھے - اور ساتھ ہی ملزم معافی بھی مانگتا تھا - آپنے فوراً کہا - اگر ملزم غیر مشروط طور پر معافی مانگ لے تو مجھے مقدمہ واپس لینے مین کوئی اعتراض نہین -

اُسی وقت معافی نامہ تحریر کیا گیا اور کپتان نے دستخط کر دیے -

بابو صاحب اور بیرسٹر لاہور چلے آئے -

. . . .

ایک ماہ بعد بابو رام لال اور سبھدرا کی شادی ہو گئی - مسٹر بشمبر داس اور سبھدرا کی کوششون سے تمام جہیز کھدر کا تیار ہوا - تمام براتی کھدر مین ملبوس تھے - بابو صاحب نے بھی سبھدرا کو خوش کرنے کے لیے کھدر پہن لیا

تمام شہر مین دھوم مچ گئی -

(۶)

سختی کا دور شروع ہو گیا - گرفتاریان زور شور سے ہونے لگین - ہر گرفتاری پر بابو رام لال کو سخت صدمہ پہونچتا تھا - لیکن خاموش رہتے تھے - کرتے کیا ؟

آخر ایک دن سخت تنگ آکر آپ نے ایک لمبا چوڑا آرٹیکل تحریر کیا - اور لیڈر الہ آباد مین شائع ہونے کے لیے بھیج دیا - اسمین لکھا تھا "ناڈریٹ ملک مین امن و امان

کے ویسے ہی خواہشمند ہیں جیسی کہ گورنمنٹ۔ وہ بھی گورنمنٹ کی طرح قانون کی عزت دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اسوقت ایک طرف جبریہ قوانین ہیں اور دوسری طرف گورنمنٹ کی ہستی کا سوال۔ روز بروز لوگون کے دل گورنمنٹ سے متنفر ہوتے جاتے ہین لیکن اسکا علاج سختی نہین بلکہ نرمی ہے۔ ہمارے خیال مین اسوقت بہتر یہی ہے کہ گورنمنٹ تمام جبریہ قوانین و اعلانون کو واپس لے لے۔ اور انکے تحت مین سزا پائے ہوئے لوگون کو فوراً رہا کر دے۔ جھوٹے وقار کے خیال مین پھنس کر گورنمنٹ کی ہستی کو خطرہ مین نہین ڈالنا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔

اسی مضمون کے اور بھی کئی آرٹیکل دوسرے ماڈریٹون نے اخبارون مین نکلوائے لیکن گورنمنٹ کی پالیسی پر انکا کوئی اثر نہ پڑا۔ گرفتاریان اُسی طرح ہوتی رہین پرامن ہجوم پر پولیس کے ڈنڈے برستے ہی رہے۔

اب تھے مین چارون طرف سے مطالبہ ہونے لگا "ایک طرف ہو جاؤ"،

گورنمنٹ نے کہا۔ وفادار ثبوت وفاداری دین۔ باغی میدان مین نکل آئین۔ قوم پرستون نے کہا "ہمین چمگادڑون کی ضرورت نہین۔ اب وقت امتحان آگیا ہے یا تو ہماری طرف سے قربانی کرو۔ میدان مین سینہ سپر ہو کر ڈٹ جاؤ۔ گولیان کھانے کے لیے چھاتیان ننگی کر دو۔ یا دلیری کے ساتھ گورنمنٹ کی مدد کرو۔ خاموش بیٹھے رہنا یا چپکے چاپکے کرنا انسانیت سے بعید ہے۔

بابو رام لال اپنے آپ کو عجیب مشکل مین پھنسا پاتے تھے۔ انکی نہ گورنمنٹ سُنتی تھی نہ قوم۔ گورنمنٹ طاقت سے جبریہ قوانین منوانے پر اُتر آئی تھی اور قوم پرست ہر ناواجب قانون کو نہ ماننے پر تلے بیٹھے تھے۔ گورنمنٹ جوش اور گھبراہٹ مین فرمانون کو جیل مین بھیج رہی تھی۔ اور لوگ بندے ماترم اور مہاتما جی کی جے کے نعرے لگاتے ہوئے خالی جگہون کو پُر کر رہے تھے۔

ایک طرف ہو جاؤ۔ ایک طرف ہو جاؤ۔ ہر طرف سے یہی مطالبہ ہو رہا تھا!

اب کیا کرون؟ ایک طرف ہو جاؤن؟ ایک طرف ہو جاؤ! کدھر ہو جاؤن؟ کسکا

...ساتھ دوں؟ گورنمنٹ تو آجکل صرف انکو اپنے ساتھ ملانے کو تیار رہے جو اُس کی
...اں میں ہاں ملا دیں - جو اُسکی ہر بات پر صاد کریں ... تو پھر میں کیا کروں؟..."

سبھدرا نے کہا: "قوم کا ساتھ دو"

"قوم کا ساتھ دوں؟ تمھارا مطلب یہ کہ عدم تعاون کا حامی ہو جاؤں؟"

"ہاں"

"لیکن اگر عدم تعاون سے ملک میں بدامنی پھیل گئی؟ اگر فساد کی آگ مشتعل ہو گئی"

"اور اگر بالکل امن و امان رہا؟"

"تب البتہ کچھ ہو سکتا ہے - پُرامن خاموشی سے ظلم سہنے والے مظلوم پر ظالم کب تک ظلم روا رکھے گا؟ آخر کو اُسے اپنا ہاتھ روکنا پڑے گا - لیکن یہ ہونا مشکل ہے بدامنی کی تمام طاقتوں کو قابو میں رکھنا ناممکن ہے"

"لیکن اپنی طرف سے کوشش تو کرنی چاہیے - اور کچھ نہیں تو آپ ملک میں پُرامن اور بلا تشدد رہنے کا ہی پرچار کریں - شراب اور غیر ملکی کپڑے کے برخلاف کام کریں - آپ کی تقریریں پُراثر ہوتی ہیں - آپ کے الفاظ میں جادو بھرا ہوتا ہے"

"مگر میری سنے گا کون؟"

"سبھی سنیں گے - قربانی کرنیوالے کی کون نہیں سنتا؟ امیرانہ طرز معاشرت آپ کو اُن سے جدا رکھے ہوئے ہے - آپ کوشش کر کے اپنے آپ کو اُنہیں سے ایک ثابت کریں تب آپ کی بات سبھی سنیں گے"

(نہ ہاں اور نہ انکار) "اچھا سوچوں گا" کہکر آپ خاموش ہو گئے -

اور پھر چند روز بعد ڈلہوزی سے سنتر بشمبر داس کا تار آیا جسنے جلتے پر تیل کا کام دیا - صبر کا پیمانہ آگے ہی لبریز ہو چکا تھا - تار نے ٹھوکر لگا کر چھلکا دیا - تار میں لکھا تھا میرا ارادہ یہاں کوئی لیکچر دینے کا نہیں تھا - لیکن گورنمنٹ کو خدا جانے کہاں سے خبر مل گئی کہ میں لیکچر دینے والا ہوں - میرے نام زیر دفعہ ۱۴۴ حکم جاری کیا گیا ہے کہ میں کوئی لیکچر نہ دوں - میں بیمار ہوں لیکن مجھے جسمانی صحت سے انسانی حقوق زیادہ

عزیز ہیں۔ میں انسان کے پیدائشی حق یعنی آزادی کی تقریر کو پامال ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ میں آج شام کو ایک جلسہ میں لیکچر دونگا۔ اور اُمید ہے کہ جس چیز کی مجھے مدت سے تمنا تھی۔ وہ آج مل جائے گی۔

سبھدرا کا چہرہ جوش مسرت سے چمک اُٹھا۔ بابو رام سے پوچھنے لگی " اب آپ بتائیں۔ آپ کا کیا ارادہ ہے ؟ "

کیا بتاؤں ؟ میری طبیعت بہت پریشان ہے۔ اب میں خاموش نہیں رہ سکتا۔ مجھے اب مجبوراً میدان عمل میں اُترنا پڑے گا۔ مجھے بھی اب وہی کام کرنا پڑے گا جسکے سبب ہندوستان کے تقریباً تمام برگزیدہ رہنما شاہی ہوٹلوں میں قیام کر رہے ہیں لیکن مجھے تمہارا خیال ہے "

" میرا خیال " سبھدرا کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ بابو جی کے قدموں پر گر پڑی اور خوشی کے آنسو اُسکی آنکھوں سے جاری تھے

اس طرح گورنمنٹ کا ایک جو از بروست خیر خواہ اُسکا مخالف ہو گیا۔

گوپال کرشن پاس

نتیجہ فکر جناب جگر مرادآبادی

بربادی یا پرس از ان سینہ فگارے
در عین بہارے کہ جدا شد زبہارے

دیدم بہ دروبر عجب شعبدہ کارے
بخانہ بدوشے دگلستان بکنارے

یک داغ ز تمنا تپ عشق بہ سینہ
این ہست خزانے وہم این ہست بہارے

بلبل ہمہ تن خون شد وگل شد ہمہ تن چاک
اے وائے بہارے اگر این ہست بہارے

اغیار بہ دل خندہ زن و دل بتو مشغول
خلقے بہ پس و پروانہ و دیوانہ بکارے

اے خسرو خوبان نظرے کن ز سر مہر
افتادہ بکوہت جگر سینہ فگارے

سرلا

(از کالی شنکر بھٹناگر۔ پروفیسر ڈی اے وی کالج کانپور)

سرلا کو جب مین نے پہلی بار دیکھا تھا وہ ایک سیدھی سادی الھڑ لڑکی تھی۔ اُسکی شادی ایک برس پہلے ہو چکی تھی، اُسمین وہ متانت سنجیدگی اور خودداری نہ جو شادی ہو جانیکے بعد عموماً لڑکیون مین پیدا ہو جاتی ہے بدرجۂ غائت موجود تھی، مین نہین کہہ سکتا کہ اُسوقت سرلا کی برق خرامی کا مجھپر کیا اثر ہوا، وہ گھر بھر کا کھلونا تھی، ماں باپ اُسے نور نظر اور زندگی کی سب سے بڑی خوشی سمجھتے تھے اور بھائی اور بھابیان اُسکو گھر کا اُجالا جانتے تھے، غیر ممکن تھا کہ مین اس سحر عام سے محفوظ رہتا۔ ابھی تک سرلا کی محبت کا جادو ایسا نہ تھا جو سر پر چڑھکر بولے، وہ شراب ناب کے جام اولین سے پیدا ہونیوالے سرور کی طرح تھا جو خود تو زیادہ پر کیف نہین لیکن آیندہ کے لیے تمہید بدمستی ہوتا ہے۔ اُسکا حسن عشق کے جوش وخروش سے بالکل بیگانہ تھا مگر قوس قزح کی رنگارنگ نمود کی طرح اسقدر دلکش تھا کہ اُسکا اثر دل ودماغ پر چاندنی کی روشنی کی طرح متانت بخش اور روح افزا ہوتا تھا۔ وہ مہر نیمروز کی طرح آنکھون کو چوندھیاتا نہ تھا نہ شاعرون کی مشہور شراب عشق کی طرح پاگل بناتا تھا۔

دو برس بعد سرلا کو مین نے پھر دیکھا، وہ زمانہ بھی ایک یادگار ہے، موت کا بازار گرم تھا فرشتۂ اجل نے ایسے ایسے خوبصورت نقشے مٹادئے جو صناع ازل کے بہترین نمونے تھے اور جسے دُنیا دیکھ دیکھکر خوش ہو رہی تھی۔ اسی ہنگامہ وبا نے سرلا کی زندگی کا بھی ستیاناس کر دیا۔ وہ اب بیوہ ہو گئی تھی، سسرال مین بیوہ ساس کے سوا اور میکے مین بہن کے سوا اُسکی دلجوئی کرنیوالا کوئی نہ تھا۔ بھابھی نے اُسکو اپنے پاس بُلا لیا۔ اور وہ ہمارے گھر رہنے لگی۔ اب اُسکی اگلی زندہ دلی خواب وخیال معلوم ہوتی تھی۔ سموم قضا نے اُسکی جوانی کے لہلہاتے ہوئے سبزہ زار کو خس وخاشاک بنا دیا تھا۔ جن لبون پر ہنسی آٹھون پہر

بجلی کی طرح چمکا کرتی تھی وہ اب شاید خواب میں بھی تبسم سے نا آشنا ہوتے تھے۔ وہ چہلیں جو ایک خوشی کا نغمہ ہر وقت الاپتا رہتا تھا اب نہ معلوم کہاں چلا گیا تھا۔ سرلا کا ہنس مکھ چہرہ کبھی جلوہ گاہ مسرت تھا لیکن اب حادثات زمانہ نے اُسے رنج و غم کا مرقع بنا دیا تھا۔

اُسکو بیوگی کی سفید ساری پہنے دیکھکر میرے دل کو ایک دھکا سا لگا۔ آنکھیں اسکو دیکھتے ہی رہ گئیں جو چہرہ پہلے دلی جذبات کا ایک آئینہ تھا وہ اب رنج و افسوس، صبر و توکل کی ایک تصویر بنگیا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ یا الٰہی اس نازک کلی پر یہ ستم؟ دماغ بار بار اسی خیال کو دُہراتا لیکن کوئی کافی جواب نہ پاتا۔ ایسے وقتوں میں فلسفہ کام نہیں دیتا۔ ممکن ہے کہ کرم کی فلاسفی شکایت کا دروازہ بند کردے لیکن ہماری تکلیفوں کا کوئی کافی و شافی جواب نہیں دیتی۔ اب سرلا کی موجودگی میں نہ مجھے اور کسی بات کا دھیان ہی نہ آتا۔ مکان میں اگر میرے لیے کوئی کشش تھا تو وہ سرلا کی ہستی تھی۔ گھر میں جاتا تو آنکھیں اُسی کو تلاش کرتیں اور باہر ہوتا تو اُسی کا خیال دامنگیر رہتا۔ میں سوچتا تھا کہ سرلا کی زندگی میں اب خوشی کی کوئی چمکدار کرن رنج بیکسی کی عمیق تاریکی کو روشن کر سکتی ہے؟ کیا اب کسی طرح بھی اسکی طمانیت قلب اور بیفکری اُسے واپس مل سکتی ہے؟ یہی خیالات میرے دماغ میں چکر لگاتے لیکن اس اہم سوال کا حل کرنا دشوار تھا۔ ایک راستہ نظر آتا تھا لیکن سوسائٹی نے مدت دراز سے اُسکا سدباب کر رکھا تھا۔ بیوہ کی شادی سوسائٹی کی نظروں میں گناہ کبیرہ سے بھی بڑھکر تھی ایسا نہ بھی ہوتا تو بھی کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ سرلا خود ابھی تک اپنی مٹی ہوئی اُمیدوں کے منظر کو تازہ غم کی کسوٹی کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

زمانہ گزر گیا اور رفتہ رفتہ سرلا کی یاد میری زندگی کا ایک جزو بنگئی۔ وہ ایک مقناطیس تھی جس سے میری زندگی کی ہر حرکت متعلق تھی۔ میں نے کسی پر حتیٰ کہ خود اپنے آپ پر بھی، کبھی یہ ظاہر ہونے دیا کہ میرے دل کا کیا حال ہے لیکن مثل ہے کہ ہانسی اور کھانسی چھپتی نہیں۔ سرلا کو میرے جذبات کا علم ہو جانا کچھ تعجب کی بات نہ تھی، کیونکہ مجھے یقین تھا کہ بھابی کو بھی ان باتوں کا علم ہے، بہرحال میں نے کسی کو شکایت یا ناراضگی یا انگشت نمائی کا موقع نہیں دیا گھر میں آنا جانا صرف اشد ضرورت پر منحصر رکھا۔ سرلا سے بات چیت بھی کم کرتا حالانکہ دل و دماغ میں ہر وقت اُسی کی آواز گونجا کرتی۔ اس محبت میں اخلاقی کمزوریوں کا شائبہ بھی نہ تھا

لیکن میرا خیال تھا کہ جو مجھے زندگی اور زندگی بھر کی تمام خوشی سے بھی زیادہ عزیز ہے اُسے کسی طرح کا الزام یا رنج نہ پہونچے۔ ہم دونون سوسائٹی کے توہمات اور خود ساختہ قانون سے مجبور تھے۔

مین نے ابھی تک یہ نہین کہا کہ سرلا کا برتاؤ میرے ساتھ کیا تھا۔ ہان! کچھ تبدیلی تھی مگر اتنی ہی کہ اب میرے ساتھ اُسکے تعلقات اتنے آزادانہ نہ تھے جیسے کہ پہلے۔ اسکے لیے مین ہی ذمہ دار تھا کیونکہ اپنا راز چھپانے کے لیے مین نے اپنے اور اُسکے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر لی تھی۔ پھر مین جھجکتا تھا اور وہ مجھ سے زیادہ۔ کھانا کھانیکے بعد مجھے اور بھائی صاحب دونون کو وہی اب بھی پان دیتی لیکن نہ میری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتی اور نہ کوئی بات کہتی، اس تبدیلی کا بھی میرے اوپر عجیب اثر ہوا، اسکو دیکھکر میرے دل مین ایک خلش ہوئی لیکن پھر مین اُسے غنیمت سمجھتا۔ ناکامی محبت ہی میرا حصول مدعا تھی۔ جو آگ میرے دل مین لگی ہوئی تھی اُس سے مین سرلا کی معصوم ہستی کو ہر طرح محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ اور باہمی تعلقات مین اسکی سرد مہری ہی مجھے اپنی سب سے زبردست معاون معلوم ہوتی تھی۔ عورتون کو ان جذبات و احساسات کا مجموعہ کہا گیا ہے لیکن جہان مرد جذبات کے اثر سے پاگل ہو جاتے ہین عورتین شاذ ہی عنان عقل کو ہاتھ سے چھوڑتی ہین۔ یہ سب کچھ درست لیکن سرلا کو اپنی طرف سے کھنچا ہوا دیکھکر میرے دل مین ایک درد پیدا ہو جاتا اور مایوسیون کی ایک دُنیا میرے سامنے آجاتی۔

رفتار زمانہ رفتار وقت کی رنگینیون سے بے نیاز رہتی ہے۔ اُسکو کیا اگر سرلا غم سے پامال اور مین ایک ناامیدی کے سمندر مین غوطہ زن تھا۔ مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ سرلا کی ظاہری خاموشی اور بیرخی جوش محبت کا ایک سمندر چھپائے ہوئے ہے۔ اُسکی افسردگی پہاڑون کی اُن برفیلی چوٹیون کی طرح ہے جنکے نیچے زمین کی قدرتی اور ازلی حرارت پوشیدہ ہے۔ اسلیے مجھے یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ جس کشمکش نے میرے دل و جگر کو ہلا دیا تھا اُسکا سرلا کے نازک جسم پر کیا اثر ہوگا۔ سرلا کی بیماری نے میری آنکھین کھولدین۔ وہ دن بدن نحیف و لاغر ہونے لگی، تیسرے پہر پہلے ذرا تجھر۔ پھر ذرا تیز بخار رہنے لگا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ تپ دق کا نامراد حملہ اب اس مرجھائے ہوئے

پھول کی ناکام ہستی کا بھی شاید خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔ پنڈت دوارکا ناتھ ہمارے خاندانی حکیم تھے۔ تقریباً ایک ماہ اُنکا علاج رہا۔ لیکن کہان اس جسم خاکی کے معمولی مصائب اور کہان مرض الموت! ڈاکٹر بلائے گئے اور انجام کار میرا اندیشہ ٹھیک نکلا۔ سرلا کو پہاڑ بھیجنے کی تجویزین ہونے لگین اور یہ خدمت میرے سپرد ہوئی۔

اپریل کا مہینہ تھا جب ہم کاٹھگودام اسٹیشن پر بھوالی جانے کیلیے پہونچے۔ پہاڑیون کے دامن مین قدرت اپنی فرط نمود سے بدمست ہو رہی تھی۔ پہاڑی چشمون کا دلکش راگ اور اُنمین سورج کا عکس اُس ازلی خوشی کا پیغام دے رہے تھے جو انسان کا حصہ نہین۔ اُنکی ہستی خوشگوار تھی جسمین پھول۔ پہاڑ۔ بادل چشمہ سب ہی شامل تھے۔ سرلا کی آنکھون مین بھی اس منظر کی تھوڑی سی جھلک دکھلائی دی لیکن عارضی طور سے۔ وہ حسرت و یاس کا آئینہ تھین۔ اُنمین قدرت کے ہنگامۂ شادی کے منعکس ہونے کی جگہ کہان؟ چشمۂ آبحیات شاید کسی کو مل بھی جائے مگر سرچشمۂ مسرت نہ معلوم کہان پنہان ہے؟ ساری دُنیا اسکی جستجو مین پریشان ہے۔ سرلا نے اُس سے ناامید ہوکر دُنیائے فانی کی مٹ جانیوالی دلچسپیون سے مُنھ موڑ لیا تھا۔ مین نے بھی اُسکی تلاش سے ہاتھ اُٹھا لیا تھا اور ناامیدی کی رہی سہی لذت بھی میری آنکھون کے سامنے سرلا کی زندگی کے ساتھ تتر بتر ہو رہی تھی۔ مگر ہمارے چارون طرف بےفکری، مسرت اور زندگی کا ایک طوفان برپا تھا!۔

ہم بھوالی پہونچے اور تجویز شدہ بنگلہ مین قیام کیا۔ سرلا کی تیمارداری مین مجھے آٹھون پہر اُسی کے پاس رہنا پڑتا۔ تھوڑے دن تک اُسکی حالت رو بصحت معلوم ہوئی لیکن ہفتہ عشرہ کے بعد ہی مُنھ سے خون آنے لگا۔ نقاہت بڑھ گئی۔ بخار تیز رہنے لگا۔ ڈاکٹر دو ایک دن تو مجھسے ان نئی علامات کے معنی چھپاتے رہے مگر آخر کار اُنھون نے کہدیا کہ مریضہ کو فائدہ ہونا ممکن نہین ہے البتہ بھوالی کی آب وہوا مین زندگی زیادہ دنون تک قائم رہ سکتی ہے۔

سرلا کی نامراد زندگی کا خاتمہ عجیب حیرت انگیز تھا۔ آہ! وہ آخری سین ابھی میری نظرون کے سامنے ہے۔ مین اُسکے کمرہ مین بیٹھا ہوا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا اور وہ حسب معمول کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ نیچے کے کسی بنگلہ مین ہارمونیم پر کوئی گا رہا تھا۔

میرے من اتنی شُول رہی ۔

دے بتیاں چھتیاں لکھ راکھین ۔ جے نندلال کہی ۔ میرے من .....

سورداس پربھو کے بچھڑے تین ، بتھا نجات سہی ۔ میرے من .....

الاپ نہایت دلکش تھی ۔ مضمون بہت پُرسوز ۔ مین بالکل راگ مین ہی کھو گیا ۔ سرلا بھی خاموش سُن رہی تھی کہ یکایک ایک سسکی کی آواز آئی ۔ مین نے مُنھ پھیر کر دیکھا تو سرلا زار زار رو رہی تھی ! موسیقی نے اُسکے کمزور دل کو پگھلا دیا تھا ۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اُسکا سر سینہ پر آرہا ۔ مین نے دوڑکر اُسکا سر سیدھا کیا لیکن وہ بالکل غش کی حالت مین تھی ۔ گود مین اُٹھا کر اُسے پلنگ پر لٹا دیا اور دو ایک دوائیاں جو ایسی حالت مین دینے کیلیے بتلائی گئی تھین اُسکے مُنھ مین ڈال دین ، تھوڑی دیر بعد اُسنے ایک دفع آنکھین کھولین ۔ مصرائن بھری وغیرہ کو (جو خاموش فرش پر بیٹھی تھین) دیکھا اور مجھ سے یہ کہکر " ننھے بابو ! مجھے یاد رکھنا ، اور جیا سے پالاگن کہنا ، ہمیشہ کے لیے آنکھین بند کرلین ۔

اسطرح میری پہلی اور آخری محبت ہمیشہ کیلیے چتا کے پاک کرنیوالے شعلون کے سپرد ہوئی لیکن کیا ہماری زندگی کے ارمان و مدعا اسی طرح ہمارے ہاتھون سے نکل جاتے ہین ؟ کون جانے مگر محبت کی آگ ہماری گناہ آلودہ زندگی کو پاک کرکے دقیق سے دقیق مسئلون کو حل کردیتی ہے ۔ سرلا میری زندگی کی روح روان تھی اور اُمید ہے کہ آیندہ بھی وہی اُسکی سب سے پاک اور سب سے مُنوّر خوشی ہوگی ۔

کالی شنکر بھٹناگر

آزادانہ خدمت کے لیے دماغی دلیری کی سخت ضرورت ہے ۔ ہر شخص مین جو اپنے آپکو قابو مین رکھنا چاہے کافی جرأت ہونا چاہیے ۔ یہ نہین کہ وہ دوسرون کی آواز اور سایہ بنکر رہے ۔ اُسے اپنے ہی قوے اور خیالات سے کام لینا چاہیے ۔ اپنی ہی رائے کا اظہار کرنا چاہیے اور اُنھین کے بموجب عمل کرنا چاہیے ۔

فطرتِ حُسن

حُسن کیا ہے ہستی کونین کا آئینہ ہے
معدن جذبات ہے اور عشق کا گنجینہ ہے

قلب عالم پر نہو کیونکر حکومت حُسن کی
جذب مقناطیس سے بڑھکر ہے فطرت حُسن کی

زندگی ہے حکم اسکا موت ہے اسکی رضا
اسکے اطمینان کو عالم ہوا آسپر فدا

سادگی کے ساتھ آرایش ہے جانِ دلبری
اسکا ہر انداز ہے شایان شانِ دلبری

بادۂ عیش اسکا پانی خوشدلی اسکی غذا
بیر‌ہمی اسکا لباس اور عاشقی اسکی ہوا

جستجو مین یون نگاہِ عشق کی بیتاب ہے
مضطرب دل کی طرح اِک معدنِ سیماب ہے

شوخی و انداز و رعنائی ہے چہرے سے عیان
برقِ جذباتِ نہان کی روح رگ رگ مین دوان

ذرۂ احساس ہین اسکے لہو مین اسقدر
قوت تخئیل سے بھی کھینچ لیتے ہین اثر

روح صافی سے ہی اسکے جسم کی نشو و نما
زہر قاتل کیا ہے اسکے واسطے؟ غم کی ہوا

حسن کی فطرت مین ہی رنج و محن سے احتراز
اسکی ہستی کو مجرد روح سے ہے سازباز

حسن کا جلوہ ہے ہر جا دیکھنے والا تو ہو
پردہ پوشی قابل نفرت ہے طبع حسن کو

سینۂ بیتاب عاشق بھی ہی اک ابر نحیف
جذب ہونیکے لیے تاثیرِ حسن آب لطیف

عشق ہے اسکا خدا!! اور دہر ہے اسکا غلام
جنبش ہستی بغیر اسکی رضا کے نا تمام

جذب ہستی کیا ہی؟ اِک برقی اثر ہے حسن کا
ارتقاے دہر منظور نظر ہے حسن کا

علم کی بنیاد بھی اِک حسن کی بنیاد ہے
جہل کی حالت مین مٹی حسن کی برباد ہے

کیمیا و ریمیا و ہیمیا و سیمیا
انفعالِ حسن کے سب ہین یہ جلوے جابجا

آگ مین ہی آگ اور پانی مین پانی حسن ہی
عالم حیرانی بہزاد و مانی حسن ہے

حسن کی فطرت ہی جو کچھ ہستی عالم مین ہے
رازِ ایجاد جہان مضمر اسی کے دم مین ہی

رحم علی الہاشمی، سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر انڈیپنڈنٹ الہ آباد

آنسو

جب سہتے سہتے رنج و غم انسان کا جی بھر آتا ہے — تب دل کا خون اور جوش الم ہوتا ہے نمایاں آنسو میں
گو دیکھنے میں اک قطرہ ہے اک بوند ہے پانی کی لیکن — جذبات کی دنیا رکھتا ہے پوشیدہ اپنے پہلو میں

جو لب پہ نالے آ نہ سکے وہ آنکھوں سے بہ نکلے ہیں — جو درد نہیں ممنون تپش یہ اشک ہی اسکی کرتی ہے
یہ سوز و گداز و درد و اثر حرمان و یاس و رنج و الم — تم چشم حقیقت بین سے اگر دیکھو تو سب اس میں مخفی ہے

مظلوم تھا یا بیکس کوئی، یا کوئی مصیبت کا مارا — مغلوب ہوا تھا جوش سے وہ لیکن نہ زبان نے کام کیا
تھی لب پہ مہر سکوت لگی، وہ جوش کو ظاہر کر نہ سکا — لیکن اک آنسو بہ نکلا اور اس نے یہ کام انجام دیا

دکھ درد کسے اپنا جو کوئی جھٹلانا اسکو ممکن ہے — ہاں آنکھ سے ٹپکے جو قطرہ تصدیق میں اسکے کافی ہے
ملزم کو مجرم باور کر لینے میں تردد ہوگا اگر — تو شاہد اسکے صفائے دل کی یہ چھوٹی سی ہستی ہے

بے وجہ کسی نے بیٹکے صد و نقصان مجھے گر پہنچایا — اور اسکے طرز عمل نے مجھکو بدلے پر مجبور کیا
پھر طالب عفو ہوا جب وہ اور آنکھ سے آنسو بہ نکلے — تو میں نے اسکی رنج دہی کو اپنے دل سے دور کیا

برسوں سے عداوت تھی جس سے مدت سے کاوش تھی جس سے — جب آنکھ سے اسکی آنسو نکلے میں نے اسکو معاف کیا
آپس میں جو کچھ جھگڑے تھے اور باہم جو کچھ شکوے تھے — اس آنسو کے اک قطرے نے ان سب کو دھو کر صاف کیا

میں جسکی الفت کا بندہ اور جسکے حکم کا تابع ہوں — غمنامۂ الفت جس نے اسے جب جوش جنوں میں لکھا تھا
تھا شوق کا دفتر دل میں نہاں اور دریا دیدۂ تر سے رواں — جو آنسو خط پہ ٹپکتا تھا، بن جاتا تھا اک مہر وفا

یہ کاشف کیفیات دل، یہ جوہر حسیات درون — یہ ریزہ اک الماس کا ہے، دل جس سے ٹکڑے ہوتا ہے
ہاں فتح ممالک ممکن ہے تیروں سے اور تلواروں سے — مسحور مگر دل ہوتا ہے جب کوئی بیکس روتا ہے

سید محمود اعظم فہمی ترمذی (بھوپال)

لطفِ سخن

جناب مرزا جعفر علیخانصاحب اثر لکھنوی

جذبۂ الفت میں کیسا یہ اثر پیدا ہوا
ایک عالم دیکھکر مجھکو ترا شیدا ہوا

قطرہ قطرہ ایک بحر بیکران عشق ہے
ذرہ ذرہ دیدۂ مشتاق میں صحرا ہوا

اِک نگاہِ مست ساقی میں وہ چکنا چور تھا
دل کا پیمانہ شرابِ شوق سے چھلکا ہوا

تجھسے کہتے تھے کہ اے دل ہجر میں آنسو نہ پی
قطرہ قطرہ جمع ہو کر موجزن دریا ہوا

کم نگاہی سے تری اب سرد ہے بے نور ہے
ورنہ دل تھا آفتابِ حشر سے ملتا ہوا

اِک زمانہ تھا کہ پھولوں سے رہیں سرگوشیاں
خشک پتی کی طرح اب دل ہے مرجھایا ہوا

بات کی نالہ ہوا، گرچپ رہا رنگ اڑ گیا
جسقدر میں نے چھپایا رازِ دل افشا ہوا

گو بظاہر فرق ہو لیکن حقیقت ایک ہے
حسن بھی رسوا ہوا جب عشق کا چرچا ہوا

مسجدوں اور خانقاہوں کا تماشا دیکھکر
میں پھرا دل کی طرف شکرِ خدا کرتا ہوا

کھینچ لا منزل کو اے دل جذب کامل ہے اگر
راستہ دیکھا نہیں کبتک پھروں بھٹکا ہوا

اشک آنکھوں میں بھرے تکتے ہیں منھ سب کا اثر
کوئی پوچھے تو سہی حضرت یہ آخر کیا ہوا

جناب محشر لکھنوی

یہ کہنے سے مرے وہ کسقدر مسرور ہوتا ہے
پکار اٹھتا ہوں تجھکو دل اگر مجبور ہوتا ہے

حقیقت مختصر سن لیجئے رازِ محبت کی
چھپایا جائے جتنا اتنا ہی مشہور ہوتا ہے

ہمارے ولولے کیا اور ہماری حسرتین کیا ہین
وہی ہوتا ہے جو کچھ آپ کو منظور ہوتا ہے

کہین کن لفظون مین حسنِ قبول اسکی اداؤن کا
ستم بھی جسکا اہل شوق مین شکور ہوتا ہے

تعجب کیون ہو سدرہ کو اگر مین نے قیامت کی
بشر سے کیا نہین ہوتا ہے جب مجبور ہوتا ہے

نگاہِ ناز کے پھرنے مین بھی کیا کیا خوشی دیکھی
ہنسی آتی ہو دل مین جب کوئی ناسور ہوتا ہے

فروغِ جذبِ باطن کی اثر کی حد نہین باقی
خدائی بھر مین ابتک ذکرِ کوہِ طور ہوتا ہے

شناسائے ادا ہو کر اٹھائین زحمتین کیا کیا
سمجھ جاتا ہون مین جو کچھ تجھے منظور ہوتا ہے

الٰہی خیر اس سے حالِ غم کہنے کو جاتا ہون
مجھے رونا ہوا جو دیکھکر مسرور ہوتا ہے

مریضِ غم کے تیور وقت آخر دیکھتے رہنا
تمھارا ظلم تھوڑی دیر مین مشہور ہوتا ہے

شہیدانِ وفا کی خوش نصیبی دیکھنا محشر
زمانے بھر مین شورِ "سعیکم مشکور" ہوتا ہے

جناب مرزا احسان احمد صاحب بی اے ایل ایل بی

نہ کوئی آرزو اپنی نہ کوئی مدعا اپنا
بس اک ذوقِ جنون ہو اور دلِ شورش ادا اپنا

منور کر دیا ہے یون تری شمعِ تجلی نے
دلِ پُر داغ ہے گویا شبستانِ حرا اپنا

ہزارون نغمہ ہائے آرزو تھے موجزن اسمین
جو سن لیتا کوئی یہ نالۂ بے مدعا اپنا

رگون مین دوڑتی پھرتی ہو برقِ وادیِ ایمن
ضیا گستر ہے یون سوزِ دلِ درد آشنا اپنا

دہن مین کے اب لبِ نازک سے شاید یہ ادا ہوگا
عجب اک کیف مین ڈوبا ہوا ہے مدعا اپنا

فقط اک ذوقِ نظارہ لیے پھرتا ہون عالم مین
نہ کوئی اپنی منزل ہے نہ کوئی رہنما اپنا

زمین سے آسمان تک ہو نہ کیونکر رقص کا عالم
ترنم ریز ہے سازِ دلِ شورش ادا اپنا

سناؤن تجکو کیا اے ہمنشین رازِ محبت مین
حدودِ لفظ و معنی سے ہے باہر مدعا اپنا

لگی ہر سمت ہونے رحمتِ حق کی گہر باری
اٹھا کچھ اس ادا سے حشر مین دستِ دعا اپنا

عجب اک رازِ سربستہ ہی کارِ حسن و الفت بھی
یہ اندازِ ستم انکا یہ آئینِ وفا اپنا

جناب جگر مرادآبادی

وہ بزم تماشا بھی کیا بزم تماشا ہے — جو جلوہ ہے پردا ہے جو پردا ہے جلوا ہے

آغاز محبت کا انجام بس اتنا ہے — جب دل مین تمنا تھی، اب دل ہی تمنا ہے

دُنیا یہ اُسی کی ہے عالم یہ اُسی کا ہے — جو آپ ہی مجنون ہے، جو آپ ہی لیلا ہے

ہم خاک کے تبلون نے جو کچھ تجھے سمجھا ہے — تو اس سے بھی برتر ہے، تو اس سے بھی بالا ہے

بھر دو انھین جلوون سے، یا آگ لگا دو تم — آنکھین بھی تمھاری ہین، سینہ بھی تمھارا ہے

بیکار ہے اے مجنون، یہ پردۂ آب و گل — اُس چیز کا طالب بن جو اصل مین لیلا ہے

کیون حسن کا افسانہ محدود ہو لفظون مین — آنکھین ہی کہین اُسکو، آنکھون نے جو دیکھا ہے

کہنے کیلیے کہہ لین سب کچھ اسے اہلِ دل — خود دوری محبت بھی اک طرح کا پردا ہے

اس دور مین مجنون ہی کوئی نہ رہا ورنہ، — اب تک وہی محمل ہے اب تک وہی لیلا ہے

جناب تسکین سوروئی

دفن کرنے لیچلے تھے جب مرے گھر سے مجھے — کاش تم بھی جھانک لیتے روزنِ در سے مجھے

کچھ نہین اسکے سوا شکوہ مقدر سے مجھے — موت آخر کیون نہ آئی چھٹکے دلبر سے مجھے

سانس پوری ہو چکی دُنیا سے رخصت ہو چکا — تم اب آئے ہو اُٹھانے میرے بستر سے مجھے

آگے آگے مین مرے پیچھے بگولے گرد کے — یون نکالا تھا جنون نے کوے دلبر سے مجھے

کیون اُٹھاتا ہے مجھے میری تمنا کو نکال — تیرے در تک کھینچ لائی تھی یہی گھر سے مجھے

دیکھ لی مین نے شب غم کی درازی دیکھ لی — اب نہین کچھ خوف طولِ روز محشر سے مجھے

ہجر کی شب کچھ یہی مونس تھا میرا اے قضا — اِک ذرا رو لینے دے مِل مِل کے بستر سے مجھے

یاد ہے تسکین اب تک وہ زمانہ یاد ہے
جب چھڑایا تھا فلک نے میرے دلبر سے مجھے

زمانہ

جلد ۳۸ — جون سنہ ۱۹۲۲ء — نمبر ۶

میزنی اور اُسکی تعلیم

(ایک مسلم گریجوایٹ کے قلم سے)

مثل مشہور ہے کہ انسان کی قدر مرنے کے بعد ہوتی ہے - بعینہ یہی حالت اٹلی کے مشہور و معروف قوم پرست جوزف میزنی کے ساتھ گزری - جب تک زندہ رہا حکمران جماعت اُسے سازشی اور باغی کے القاب سے یاد کرتی رہی - لیکن وفات کے بعد دنیا کے بہترین آدمیون مین اسکو جگہ دی گئی ہے - اُس وقت لوگ اسکے مضامین پڑھنے سے ڈرتے تھے مگر مسٹر جونز (جنھون نے میزنی کے مضامین کی تمہید لکھی ہے) اب یہ نصیحت کرتے ہین کہ "بزدل سے بزدل اور وفادار سے وفادار شہری کو اس کے مضامین پڑھنے سے خوف زدہ نہ ہونا چاہیئے" - میزنی زمانۂ طالب علمی ہی سے غور و خوض کرنیکا عادی تھا اور اُس زمانہ کی حکومت ایسے نوجوانون کو نفرت اور دہشت کی نظر سے دیکھتی تھی - میزنی اس جرم مین گرفتار کیا گیا تھا کہ وہ اپنے دماغ سے کام لیتا ہے - جنوآ کے گورنر نے اس کے باپ سے صاف صاف کہدیا تھا کہ "آپ کا لڑکا غور و فکر کرتا ہے اور رات کے وقت تنہا ہوا خوری کرنے کا عادی ہے" در حقیقت وہ اطالویون کو متحد کرنے کی تدابیر سوچا کرتا تھا - اُسکی خواہش تھی کہ ملک مین ایک ایسا سیاسی اور اخلاقی اتحاد پیدا ہو جائے جسکی بنیاد کسی بڑے مرکزی خیال پر ہو، ملک کی محبت لوگون کے دلون مین موجزن ہو، سب کے سب ارمتہ الکبریٰ کی پرستش کرنے لگین - اور اُس "دورِ نشاط افزا"

کا مطمح نظر اپنے سامنے رکھین جو بالآخر اُنکے لیئے آنیوالا ہے" وہ اپنی زندگی کو مقدس مشن سمجھتا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے فرائض کی ادائیگی کو سب سے ضروری شے خیال کرتا تھا۔ وہ سازشی نہ تھا اس لیئے کہ سازش کرنیکے لیئے جس قسم کی قابلیت اور دماغ کی ضرورت ہوا کرتی ہے وہ اُسمین بہت کم تھی۔ اسے علم ادب سے قلبی محبت تھی۔ اُس نے ڈینٹے، شیکسپیر، بائرن، گیٹے اور شلر کی تصنیفات کا نہایت غور سے مطالعہ کیا تھا۔ اُسکا طرز گفتگو زوردار تھا۔ اسکی تحریر و تقریر مین سوامی ودیکانند اور سید جمال الدین افغانی کی طرح کوٹ کوٹ کر جوش بھرا ہوا تھا۔ جس کا اثر عوام پر پڑتا تھا اور لوگ سمجھتے تھے کہ وہ جادو کرتا ہے۔ کارلائل اس کا دوست تھا اور وہ میزنی کی قابلیتون کا حسب ذیل الفاظ مین اعتراف کرتا ہے:۔" وہ قابل اور نیک آدمی ہے۔ وہ نہایت سچا ہے۔ شرافت قلب اور بنی نوع انسان کی محبت اسکے دل مین بدرجۂ اتم موجود ہے۔ وہ ان عجیب و غریب آدمیون مین سے ہی جو شہید روحون کے القاب سے یاد کیئے جانے کے قابل ہین" اسے پورا یقین تھا کہ کوئی قوم آزادی کے ثمرات سے اسوقت تک بہرہ مند نہین ہوسکتی جب تک کہ وہ خود اپنی کوششون سے اُسے حاصل نہ کرے وہ آسٹریا کی طرز حکومت کی خرابیون کا آخر وقت تک مقابلہ کرتا رہا۔ لیکن سب سے بڑھکر اُسے اس بات کا افسوس تھا کہ" میری قوم اسقدر جاہل اور بے پروا ہے۔ جو اپنی قوت باہمی لڑائی جھگڑون مین صرف کرتی ہے گویا وہ نامرد بن گئی ہے" وہ کہا کرتا تھا کہ اگر میری قوم کو قوم بننے کی آرزو ہے تو اسے سب سے پہلے اپنے مین اخلاقی برائیون سے پاک و صاف کر لینا چاہیئے" اسکے بغیر اسکا مشن ہرگز پورا نہوگا۔ قیدخانہ سے وہ مبسوط پروگرام مرتب کر کے نکلا تھا اور مرتے وقت بھی اسکے ذہن مین اپنے ملک کو ترقی دینے کی اسکیمین تھین۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ" تم کہتے ہو کہ مین بیمار ہون ایسے زمانہ مین جبکہ قوم حصول آزادی کی کشمکش مین مبتلا ہو تمھین بیمار ہونے کی فرصت کس طرح سے مل گئی؟" واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے ملک کا نہایت ہی خیرخواہ تھا۔ اور اگرچہ ڈینٹے وغیرہ نے بھی حب الوطنی کے خیالات ظاہر کیئے ہین۔ مگر میزنی کی حب الوطنی مین سیاسی جھلک تھی اور یہی امتیاز ہے ان دونون مین۔ میزنی کی حالت یہ تھی کہ" تم میرے قلب کو چیرو تو تمھین اسکے اندر" اٹلی ہی" لکھا ہوا نظر آئیگا"+

میزنی کی تعلیمات عجیب و غریب ہین۔ جس شدومد سے اس نے اُن امور پر زور دیا ہے جو

خود ہمین بجالانے چاہئین وہ حیرت انگیز ہے - انسان قدرتی طور پہ یہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ تو اپنے فرائض بجالاتے رہین لیکن وہ خود اپنے فرائض کی ذمہ داری سے بچا رہے - یہ حالت اسوقت اور زیادہ نمایان ہو جاتی ہے جبکہ ایک قوم کسی دوسری قوم کی غلامی مین اپنی زندگی بسر کر رہی ہو اپنے زمانہ کی بداخلاقیون کی جڑ کاٹنے اور خود کو آسٹرولین سے بڑھ چڑھکر ثابت کرنے مین جو عظیم الشان کام اُس نے انجام دیا ہے وہ اسی کے شایان شان تھا - حضرت مسیحؑ نے اپنے زمانہ کی برائیون کے خلاف جس بیباکی سے نکتہ چینی کی تھی وہ صفت عیسائیت کے اس فرزند مین بدرجۂ اتم موجود تھی اس نے جو کچھ کہا، علانیہ اور نہایت صاف گوئی سے کہا - اسنے حقوق کا ذکر نہین جو بطور انسان ہمین حاصل ہونے چاہئین، بلکہ اس نے ان فرائض کا ذکر کیا ہے جو انسان ہونیکی حیثیت سے ہمین بجالانے چاہئین - وہ کہتا ہے:-

"جب مین یہ کہتا ہون کہ محض اپنے حقوق کی واقفیت بنی نوع انسان مین نمایان یا دیرپا ترقی پیدا کرنے کے لیئے کفایت نہین کرتی تو اسوقت مین تم سے یہ کہنا نہین چاہتا کہ تم ان سے دست بردار ہو جاؤ - مین صرف یہ کہنا چاہتا ہون کہ بذاتِ خود ان کا کوئی وجود نہین - اور اگر وہ قائم رہ سکتے ہین تو محض فرائض کی بجاآوری کے نتیجہ کی حیثیت سے - اور اسلیئے قبل الذکر چیز کو حاصل کرنے کی غرض سے مؤخر الذکر شئے کو حاصل کرنے کا کام شروع کر دینا چاہیئے - اور جب مین یہ کہتا ہون کہ خوشی، راحت اور مادّی فوائد کو زندگی کا مقصد قرار دینے مین یہ خطرہ ہے کہ لوگ خود غرض بن جائینگے تو اسوقت میرا مطلب یہ نہین ہے کہ تم ان کے لیئے جد وجہد کرنا چھوڑ دو - میرا خیال یہ ہے کہ اگر محض مادّی فوائد کے حصول کی کوشش کیجائیگی اور انہین ذریعہ قرار دینے کی بجائے مقصد شمار کر لیا جائیگا تو اس کا نتیجہ نہایت تباہ کن نکلے گا ...... مادّی ترقی ضروری ہے اور ہم اسکے حصول کی کوشش کرینگے لیکن اسلیئے نہین کہ انسان کی ضرورت صرف یہ ہے کہ اسے اچھا کھانا مل جائے یا رہنے کو اچھا مکان میسّر آجائے بلکہ اس لیئے کہ جب تک تم موجودہ زمانہ کی طرح ضروریات زندگی کے حاصل کرنے کی کشمکش مین لگے رہوگے اسوقت تک تم کو اپنی شان اپنے وقار اور اپنی عظمت یا کسی اخلاقی نشو ونما کا علم نہین ہو سکتا .... اخلاقی حیثیت سے ترقی کرنے کے لیئے مادّی حالات مین تبدیلی کرنیکی سخت ضرورت ہے ...... تمہین اس تبدیلی کے لیئے کوشش کرنی چاہیئے اور تم بالضرور اُسے حاصل کروگے لیکن تمہین اس کے

حصول کی ذریعہ کے طور پر کوشش کرنی چاہیئے نہ کہ اصلی مقصد کی حیثیت سے فرض کے نقطۂ خیال سے اسکے لیئے سعی کرو۔ مادّی طور پر خود کو خوشحال بنانے کے بجائے اپنے تئین بہتر بنانے کے خیال سے اسکے حصول کی کوشش کرو۔...... اپنے تئین اخلاقی حیثیت سے بہتر بنانا انسانی ہستی کا مقصد اولین ہونا چاہیئے۔...... جو لوگ تم سے اونچے ہین ان کے روبرو اپنے فرائض ادا کرنے کا وعظ کہو اور حتی الامکان اپنے فرائض بھی ادا کرتے رہو نیکی، ایثار اور محبّت کا وعظ کہو اور ساتھ ہی خود بھی نیک، بے غرض اور ہمدرد بن جاؤ۔"

فرض کے متعلق میزنی کا جو تخیّل ہے وہ نہایت مقدّس ہے۔ تہذیب اسلام کی طرح جو فرائض منصبی کے متعلق تیرہ سو سال سے یہ وعظ کر رہا ہے کہ اسلامی احکام خدائی ہین اور انکی بجا آوری اور عدم بجا آوری کے لیئے سب خدا کے روبرو جوابدہ ہین، میزنی بھی ادائیگی۔ فرائض مین خدائی عظمت کے خیال کو اپنے پیش نظر رکھتا ہے کیونکہ "اسکے بغیر احساسِ فرایض کس طرح سے ہو سکتا ہے؟" ایسی ہی قوت کے ماتحت رہ کر ہم نیک اور رعایا کے غمگسار بن سکتے ہین اور بجائے حاکم کے اسکے خادم رہ سکتے ہین۔ وہ لکھتا ہے:-

"خدا کے بغیر ہم کہان سے احساسِ فرض حاصل کر سکتے ہین؟ خدا کے بغیر تم دیکھو گے کہ (خواہ تمھری حکومت کے کسی نظام سے بھی تم اپنا تعلق وابستہ کر لو) اُسکی بنیاد اندھی، وحشیانہ اور ظالمانہ قوت کی نمایش پر ہوگی۔ اس کلیہ سے تمھارے لیئے بچ کر جانا ناممکن ہے۔...... یا تو ہمین خدا کی اطاعت کرنی چاہیئے یا بنی نوع انسان کی (خواہ وہ ایک شخص ہو یا ایک سے زائد، اسکا کچھ مضائقہ نہین) لیکن اگر تمام بنی نوع انسان کے دماغون پر ایک اعلیٰ دماغ حکومت کرنے کے لیئے موجود نہو تو کون ہے جو ہمین اپنے ہم جنسون کے مظالم سے نجات دلا سکتا ہے؟...... مین اپنے گہرے عقیدہ کی بنا پر تم سے کہتا ہون کہ خدا کے بغیر کسی قانون پر اعتماد کیئے بغیر اور اخلاق کے بغیر اور ایثار کا اظہار کیئے بغیر تم کبھی کامیاب نہین ہو سکتے۔"

مزدوری پیشہ طبقہ کی مشکلات و مصائب کا حال بیان کرتا ہوا کہتا ہے:-

"مزدورون کی فلاکت حالت مین کوئی تبدیلی پیدا نہین ہوئی وہ جنکے پاس کچھ بھی سرمایہ موجود نہین، وہ جو اپنی روز کی کمائی مین سے کچھ بھی پس انداز نہین کر سکتے اور اسلیئے کسی تجارتی کاروبار کی ابتدا کرنیسے قاصر رہتے ہین، ایسے لوگون کے لیئے مقابلہ کی آزادی ان لوگون کے لیئے جھوٹ سے زیادہ وقعت نہین

رکھتی جو تعلیم و تربیت، مواقع اور وقت کے نہونے کے باعث اپنے حقوق کا استعمال نہین کر سکتے"

میزنی کا خیال ہے کہ "اس قسم کی زندگی (بشرطیکہ وہ ممکن ہو) بچوؤن کی زندگی ہوگی نہ کہ آدمیون کی۔...... ممکن ہے کہ جسمانی زندگی کو اس سے اطمینان حاصل ہو جائے لیکن اخلاقی اور ذہنی زندگی تباہ و برباد ہو جائیگی اور اسکے ساتھ ترقی، آزاد کاروبار، آزاد تعلقات، پیداوار کی بیشی، خوشحالی کی قدرتین اور ترقی کی تمام تحریکین خود بخود مردہ ہو جائینگی" وہ کہتا ہے کہ اسکا علاج یہ ہے کہ مزدور اور کارخانہ دار دونون متفق ہو کر کام کرین اور محنت کے ثمرات باہم تقسیم کر لیئے جائین اور برادرانہ زندگی بسر کیجائے۔

میزنی کے متعلق اسکی زندگی مین اکثر اشخاص کا یہ خیال رہا ہے کہ وہ صرف قیاسات سے کام لیتا ہے اور موہوم باتون کا خواب دیکھا رہتا ہے اور یہ کہ عملیات اور حقائقِ زندگی سے اسکو کچھ تعلق نہین وہ اپنے مخالفین کو۔ الزام ثابت کرنے کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ "ہر انقلاب خواہ معاشرتی ہو یا سیاسی یا کسی اور قسم کا (یہ ضروری نہین کہ وہ لانے مین شورش کا پہلو ہی رکھتا ہو) تخریب و تعمیر پر مشتمل ہوتا ہے۔ تخریب مروجہ نظام کی اور تعمیر جدید نظام کی جو پہلے کا نعم البدل ہو نیوالا ہے" اسکا مقصد صرف یہ نہین کہ محض تباہ کن نکتہ چینی کی جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ عوام کے سامنے جدید نصب العین پیش کیا جائے۔ وہ اخلاقی قوت کو ترقی کا غالب عنصر قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اسی روح کے ذریعہ ہم جس اصول کو جس قالب مین ڈھالنا چاہین ڈھال سکتے ہین:-

"اصولون کے مرد میدان بنو۔ لوگون کو جو اسوقت تاریکی مین مبتلا ہین، ترقی انسانیت اور خدا کے قانون کی دعوت دو۔ ان مین اخلاقی حس پیدا کر دو۔ اُن مین فرض شناسی کا جذبہ ابھارو۔ :..... نوجوانون کے سامنے جدید مطمح نظر پیش کرو اسلیئے کہ وہ شک و شبہہ اور ناکامی سے جلد بددل ہو جاتے ہین۔ جوش، مذہب اور محبت کے ذریعہ لوگون مین نئی اخلاقی زندگی پھونکدو"

ہمارے ملک مین کیا ہر سرزمین مین ایسے اشخاص ملینگے جو دنیا کو عارضی شئے سمجھ کر اسکی دلچسپیون اور ترقیون کی جانب متوجہ ہونا گناہ سمجھتے ہین۔ وہ کہتے ہین کہ یہ زندگی صرف آزمائشی ہے، ہم یہان جلاوطن ہو کر آئے ہین اور اسلیئے ہمین اسکو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے اور تمام خیالات کو خدائے برتر کی جانب منعطف کر دینا چاہیئے۔ میزنی ایسے مایوس اشخاص کو جو خواہ

نخواہ اپنے تئین قیدخانہ مین دیکھتے ہین، نہایت سختی سے یہ جواب دیتا ہے:-

"جو لوگ تم سے دوسری دنیا کا ذکر کرتے ہین اور بتاتے ہین کہ وہ اِس زمین سے الگ کوئی مقام ہے تو اُن سے تمہین یہ کہنا چاہیئے کہ راستہ اور منزل کی مانند وہ دونون ایک ہی شئے ہین۔ زمین خدا تعالیٰ کی ہے۔ خدا نے اسے اسلیئے پیدا کیا تھا کہ ہم اسکے ذریعہ اس تک پہنچین۔ یہ جگہ ہماری ترقی کے لیئے مقرر کی گئی ہے اور نیز اس لیئے کہ ہم زندگی کے اعلیٰ مدارج تک پہونچ جائین۔ خدا نے ہمین عبادت کرنے کیلیئے پیدا نہین کیا بلکہ عمل کے لیئے۔ ..... "تیری بادشاہت زمین پر بھی قائم ہو جیسی کہ آسمان مین ہے"۔ اے میرے بھائیو! تمھارا عقیدہ ان الفاظ پر مبنی ہونا چاہیئے۔ ان الفاظ کو بار بار دہراؤ۔ اُن لوگون کی باتون پر دھیان مت دو جو تمہین ترک دنیا سکھاتے ہین، دنیا دی حکومت کی اطاعت کرنے کی تلقین کرتے ہین جبکہ وہ آمادۂ ظلم ہو اور تم سے یہ کہتے ہین کہ 'جو حق بادشاہ کا ہے وہ بادشاہ کو ادا کرو اور جو حق خدا کا ہے وہ خدا کو ادا کرو'۔ بادشاہ کا کوئی حق نہین ہے سوائے اس حق کے جو قانونِ الٰہی کے مطابق ہو۔ شہری حکومت ایک خاص مدت کیلیئے مشیئت ایزدی کی حکمبرداری کی نااہل ثابت ہو تو مین یہ نہین کہونگا کہ تمھارا حق ہے بلکہ تمھارا فرض ہے کہ تم اسے تبدیل کر دو۔"

ہمیشہ ہمیشہ ماضی پر نظر رکھنا اور مستقبل کی طرف سے بے پرواہ رہنا۔ میزنی کے نزدیک ایک طفلانہ حرکت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ماضی سے ہمین اپنے مستقبل کی ترقی کے لیے مواد حاصل کرنا چاہیئے اور یہی ایک طریقہ ہے جس سے حال کے جمود کو رفع کیا جا سکتا ہے۔ بقول مسٹر ایسکوئتھ کوئی قوم محض اپنی شاندار روایات کی یاد پر زندگی نہین بسر کر سکتی۔ یہ زرین مقولہ کم سے کم مسلمانون کی تمام سرگرمیون کا رہنما ہونا چاہیئے اسلیئے کہ اُن مین اب بھی بہت سے اشخاص ایسے ہین جو یہ سمجھتے ہین کہ مسلمانون نے جسقدر ترقیان کی تھین، اُن سے زیادہ ممکن نہین اور یہ کہ کسی مسئلہ پر جو کچھ وہ لکھ گئے ہین یا کہ گئے ہین اسمین سر مو فرق نہین آ سکتا۔ اگر مسلمان اپنی ضرورت سے زیادہ خوش عقیدگی کو بالائے طاق رکھدین تو وہ دیکھ لینگے کہ موجودہ علوم وفنون کی اب وہ حالت نہین جو سولھوین اور سترھوین صدی عیسوی مین تھی۔ اِس امر سے کوئی انکار نہین کرتا کہ یورپ نے زانوئے شاگردی مسلمانون کے سامنے طے کیا تھا لیکن بقول مسٹر بھونگ اس نے یہ کام بے فائدہ نہین کیا کیونکہ ہم اپنی آنکھون سے

دیکھ رہے ہین کہ آج اسکے علوم وفنون حیرت انگیز درجہ تک ترقی کر گئے ہین - اس قسم کے تنگ خیالات مسلمانون کو موجودہ علوم وفنون سیکھنے مین سخت مانع آرہے ہین - اسکے علاوہ ہم مین ایک اور گروہ ہے جو سرے سے اپنے بزرگون کے کارنامون کو جھٹلاتا ہے اور انہین بیوقوف بناتا ہے - ہر جدید شئے کا اچھا ہونا اور ہر قدیم شئے کا برا ہونا ان کے نزدیک مسلمہ حقیقت ہے - اس قسم کی افراط وتفریط قوم کے نوجوانون مین غلط خیالات پیدا کرنے کا سبب ہوگی جو بجائے خود خوشگوار نہین کہلائی جاسکتی - میزنی کے ارشادات سے ہمین اپنے مستقبل کو ماضی سے زیادہ شاندار بنانے مین تقویت حاصل کرنی چاہیئے اور ساتھ ہی اپنے بزرگون کی جائز عظمت کو بھی نظرانداز نہ کرنا چاہیئے - وہ لکھتا ہے :-

" اپنے بزرگون کی تقلید کرتے وقت ہم یہ بات فراموش کر جاتے ہین کہ ہمارے بزرگون نے کسی کی تقلید نہین کی تھی - اور اسی مین ان کی عظمت مضمر ہے - انھون نے جو کچھ کیا، عوام کی ضروریات یا اپنے گردوپیش کے حالات واثرات کو مدنظر رکھکر کیا - اور صرف اسوجہ سے کہ اُنکے کارنامے انکے مطمح نظر کے مطابق تھے - اُنھون نے درحقیقت اعجاز کر دکھایا - کیا وجہ ہے کہ ہم بھی ان کی طرح سے کام نہ کرین ؟ کیا وجہ ہے کہ گزشتہ روایات کا مطالعہ اور احترام کرتے ہوئے ہم آگے کی جانب نہ بڑھین ؟ ہمین اپنے بزرگون کی عظمت کی پرستش کرنی چاہیئے - ہمین ان کے مقبرون مین مستقبل کے لیئے راہ ہدایت ڈھونڈنے کی کوشش کرنی چاہیئے - مستقبل ہمارے سامنے موجود ہے اور صرف خداتعالی ہی جو تمام الہامون اور زمانون کا سرچشمہ ہے، نہ ختم ہونیوالے راستہ کی جانب ہماری رہنمائی کرسکتا ہے - لہذا تم آگے بڑھو اور اپنی باری سے بڑا بننے کی کوشش کرو ...... ہمارے بزرگ مقبرون مین اپنے کارنامون پر جائز فخر کرتے ہوئے آرام کی نیند سو رہے ہین - وہ جنگ کے بعد سپاہیون کی مانند خوابِ استراحت مین ہین جو اپنے جھنڈے کے سایہ مین لیٹے پڑے ہین - ...... لیکن اب اللہ کا نام لیکر ہمین آگے قدم بڑھانا چاہیئے - اسکے بعد ہم واپس ہونگے اور اُن قبرون پر جہان ہمارے آباد اجداد خوابِ شیرین مین لیٹے پڑے ہین، کامیابی کے پھول چڑھائین گے جنھین ہم نے اپنی محنت سے حاصل کیا ہے ...... دَورِ قدیم اپنے اصلی مقصد کو صرف دورِ جدید ہی کے بتیسمہ سے حاصل کرسکتا ہے "

میزنی کہتا ہے کہ "سیاسیات کی غایت یہ ہے کہ قوم کے سول نظام پر اخلاقی قانون جاری ہو، یعنی اسکے داخلی اور خارجی دونوں معاملات پر۔" یہی تعلیم موجودہ زمانہ میں ہندستانی کا سب سے بڑا فرزند گاندھی دے رہا ہے۔ مہاتما کی تلقین یہ ہے کہ سیاسیات کو روحانی بناؤ اسلیئے کہ اسکے بغیر سچی ترقی ناممکن ہے۔ میزنی کا قول ہے کہ ہم اسوقت تک کوئی فرض بھی سچائی کے ساتھ ادا نہین کر سکتے۔ جب تک کہ ہم اخلاقی زیور سے مزین نہ ہونگے۔

میزنی خاندان کو بنی نوع انسان کا گہوارہ کہتا ہے۔ اسکے بعد ملک کا درجہ ہے۔ عورت کو گھر کا فرشتہ قرار دیتا ہوا لکھتا ہے:-

عورت سے محبت کرو۔ عورت کا ادب کرو۔ اس سے صرف تسکین ہی حاصل نہ کرو بلکہ اپنی ذہن اور اخلاقی قوتوں کے لیئے طاقت بھی۔ صدیوں کے تعصبات نے غیر مساوی تعلیم اور خود ساختہ قوانین کے ذریعہ عورتوں مین جو ذہنی کمی پیدا کر دی ہے، اسے تم آج اپنے ظلم کو برقرار رکھنے کے لیئے دلیل کے طور پر استعمال کر رہے ہو۔ لیکن کیا تمام جور و تشدد کی تاریخ تمہین یہ سبق نہین سکھاتی کہ ظالم اپنے تشدد کو حق بجانب ثابت کرنے کی غرض سے ہمیشہ اپنے ہی قائم کردہ قوانین کو پیش کیا کرتے ہین؟ .... پچاس سال سے موجودہ حکمران خاندان کے موئیدین یہ کہہ رہے ہین کہ ہم (یعنی اطالوی) آزادی حاصل کرنے کے قابل نہین ہین اور اس اثنا مین وہ قوانین اور کرایہ کے سپاہیون کی وحشیانہ طاقت کے ذریعہ ہر ایک دروازہ اسلیئے بند کر رہے ہین کہ شاید ہم (بشرطیکہ ہم مین مفروضہ ناقابلیت کا وجود ہو) خود بخود اسکو مغلوب نہ کرلین، گویا کہ ظلم و تشدد بھی آزادی کی تعلیم بھی قرار دیا جا سکتا ہے .... آج نصف انسانی آبادی (وہ نصف جس سے ہم طاقت اور خیالات حاصل کرتے ہین، وہ نصف جو ہمارے بچون کی ابتدائی تعلیم کی نگہبان ہے) عجیب و غریب تناقص کے باعث تمدنی سیاسی اور معاشرتی حیثیت سے مردون سے ہر حیثیت مین کم قرار دی گئی ہے اور سر رشتۂ وحدت سے علیٰحدہ کر دی گئی ....

عورت کی آزادی مردون کی آزادی کے ساتھ عمل مین آنی چاہیئے۔"

خاندان کے بعد ملک کا درجہ ہے:-

"ملک سے محض ارضی رقبہ مراد نہین، مخصوص زمین صرف اسکی بنیاد ہے۔ ملک سے مراد محبت اور ہمدردی کے جذبات ہین جو اس علاقہ کے رہنے والون کو ایک زندگی مین مربوط کیئے رہتے ہین ...... ملک تعلقات کا نام ہے۔ مساوات کے بغیر کوئی ملک سچے معنون مین ملک نہین بن سکتا۔ جہان ذات پات، خاص حقوق اور عدم مساوات کے وجود نے مساوات کا خاتمہ کر دیا ہو، جہان بہت سے افراد کی طاقتین یا تو دبائی جاری ہون یا خوابیدہ پڑی ہون، اس پر سچے معنون مین ملک کا اطلاق نہین ہو سکتا ...... ان حالات مین افراد قوم نہین بن سکتے بلکہ انھین بھیڑ بھاڑ اور اژدحام یا مجمع کے لقب سے پکارا جائیگا جو بعض موافق حالات کے سبب ایک جگہ جمع ہو گیا ہے اور مختلف حالات کے پیدا ہوتے ہی ایک دوسرے سے جدا ہو جائیگا ...... تمہارا ملک تمہاری عبادتگاہ ہونا چاہیئے جسکا کلس خدا ہو اور جہان سب آدمیون کا درجہ برابر ہو،

لیکن دوسری اقوام سے تعلقات قائم کرنے اور ان سے رشتۂ اتحاد پیدا کرنے سے پیشتر ہمین قوم بن جانا چاہیئے۔ میزنی کہتا ہے کہ:-

"مساوی درجہ کے آدمیون کے سوائے اور کسی سے تعلقات قائم نہین ہو سکتے۔ ملک کے بغیر تم بے نام ونشان ہو، تمھاری کوئی آواز نہین ہے، تمھارے حقوق صفر کے برابر ہین اور تم بنی نوع انسان کی برادری مین داخل نہین ہو سکتے۔ تم بنی نوع انسان کے نزدیک راندۂ درگاہ ہو ...... تم ایسے سپاہی ہو جسکے پاس کوئی جھنڈا نہین۔ تم یہودیون کی مانند ہو[1]۔ نہ تمھارے دھرم کی عزت ہو سکتی ہے اور نہ تمھین کہین پناہ مل سکتی ہے۔ تمھاری ضمانت کوئی نہین کرے گا"

میزنی لوگون کو بنی نوع انسان کا خدمت گذار بننے کی تعلیم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ "ان کا مذہب اقوام کی برادری اور بنی نوع انسان کا اتحاد" ہونا چاہیئے۔ اسکی رائے مین "یہ اصول وہ ہے جسے اگرچہ نظریہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے مگر عملی طور پر اسکی تکذیب کی جاتی ہے"

---

[1] یہ الفاظ پچاس ساٹھ سال پیشتر لکھے گئے ہین لیکن موجودہ حالات مین دو وجون کے تو ن یہودیون پر منطبق نہین ہو سکتے۔ اب انگریزونکی فیاضی (جسمین ترکی حکومت کی شکست کو بہت بڑا دخل ہے) کے سبب انہین فلسطین مین بناگزین ہونیکی اجازت ملگئی ہے۔ مالدار یہود غریب یہودیونکو دوسرے ملکون سے اکسا اکسا کر فلسطین مین لارہے ہین تاکہ جلد سے جلد یہودیونکی آبادی اس ملک کی عرب آبادی پر غالب آجائے۔ امید ہے کہ رفتہ رفتہ یہودیونکو ہندوستان کی کسی دیسی ریاست کی بادشاہت بھی نصیب ہو جائے گی۔

میزنی انسان کے چند بنیادی حقوق کی تشریح کرتا ہے اور اُن مین سب سے بلند درجہ دہ اول پر آزادی کو دیتا ہے:-

"بغیر آزادی کے اخلاق قائم نہین رہ سکتے۔...... بغیر آزادی کے کوئی جماعت سچے معنون مین زندہ نہین رہ سکتی اسلیئے کہ آزاد آدمیون اور غلامون مین باہمی تعلقات قائم نہین ہو سکتے بلکہ چند اشخاص کی حکومت دوسرون پر ہوگی۔ آزادی ہر متنفس کے واسطے ایک مقدس شے ہے اسلیئے کہ وہ اسی کی زندگی کی نمایندگی کرتی ہے۔ جہان آزادی موجود نہین ہوتی وہان زندگی محض مادی مشین بن کے رہ جاتی ہے۔ جو آدمی اپنی آزادی کی توہین کرتا ہے وہ اپنی فطرت سے دغا کرتا ہے اور وہ خدائی فرمان کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔..... شخصی آزادی، نقل و حرکت کی آزادی مذہبی اعتقادات کی آزادی، ہر مسئلہ پر رائے دینے کی آزادی، ملنے جلنے کی آزادی تاکہ تم دوسرون سے مل جل کر اپنے خیالات کو نشو و نما دیتے رہو، اُن تمام چیزون کی تجارت کرنے کی آزادی جنھین تمہارے دماغون یا ہاتھون نے پیدا کیا ہے - یہ سب ایسی چیزین ہین جنھین کوئی شخص بھی تمھارے ہاتھ سے نہین چھین سکتا۔..... خدائے برتر نے تمہین خیالات دیئے ہین۔ کوئی شخص ان پر قابو نہین پا سکتا اور خیالات کا مطلب یہ ہے کہ تمھاری روحین اپنے بھائیون سے بات چیت کر رہی ہین اور یہی ترقی کا ایسا ذریعہ ہے جس سے ہم واقف ہین۔ پریس کلیتہً آزاد ہونا چاہیئے - دماغی حقوق مین کوئی قوت مداخلت نہین کر سکتی۔ ہر قسم کی سنسر شپ (احتساب) ظلم ہے۔ سوسائٹی صرف ان لوگون کو سزا دے سکتی ہے جنھون نے اپنے قلم کے ذریعہ جرائم کا ارتکاب کیا ہے، مثلاً خلاف اخلاق امور کی کھلم کھلا تعلیم دینا۔ اور اس کے لیئے ویسی ہی سزا مقرر ہونی چاہیے جیسی کہ دوسرے جرمون کے لیئے مقرر ہے۔ جو سزا سنجیدہ رائے عامہ کے ذریعہ دی جائے وہ انسانی ذمہ داری کا بیّن نتیجہ ہے اور ہر مداخلت جو پیشتر سے کیجائے وہ آزادی کی نفی پر دلالت کرتی ہے"

دوسرا بنیادی حق تعلیم کا حق ہے میزنی کے خیالات ملاحظہ ہون:-

"تعلیم کے بغیر تم ٹھیک طور سے نیکی اور بدی مین تمیز نہین کر سکتے تم اپنے حقوق کا بھی صحیح طریقہ سے اندازہ نہین لگا سکتے۔ تم سیاسی زندگی مین وہ حصہ حاصل نہین کر سکتے۔ جسکے بغیر تم حصول آزادی مین کبھی کامیاب نہین ہو سکتے۔ اسکے بغیر تمہاری دماغی اور جسمانی قوتین خوابیدہ اور بیکار رہین گی۔

اسلیئے تمہارا حق ہے کہ تم لازمی اور مفت قومی تعلیم کے نظام کے قیام کا مطالبہ کرو اور بالآخر اسے زبردستی حاصل کرلو۔"

الحاصل اسکی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی کے تمام افعال و اقوال خدائی قانون کے ماتحت ہونے چاہئین۔ دنیاوی نظام روحانی اور اخلاقی قوت کے ماتحت رہنا چاہیئے اور یہ کہ جب کبھی کوئی حکومت اس نظام کو توڑنے یا اسکی خلاف ورزی کرنے کی کوشش کرے تو جماعت کا حق ہے کہ وہ اسکی مدافعت مین سینہ سپر ہو کر لڑے۔ وہ انسان کی آزادی پر بیحد زور دیتا ہے اور چونکہ وہ خود غلامی کے مزے لے چکا ہے اسلیے وہ نہایت شد و مد سے غیر ملکی حکومت کے خلاف یہ کہکر آواز بلند کرتا ہے کہ آقا اور غلام مین مساوی تعلقات قائم نہین ہوسکتے۔ وہ عورتون کو مساوی حقوق دینے کی تائید کرتا ہے اور ان کے موجودہ دماغی نقائص اور ذہنی جمود کو مردون کے تعصب اور ظلم کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ وہ بنی نوع انسان کو ایک خاندان تصور کرنے اور برادرانہ زندگی بسر کرنے کا مشورہ دیتا ہے اور کہتا ہو کہ کسی قوم کو کسی دوسری قوم پر ظلم کرنے یا اسے اپنے سے کمتر سمجھنے کا کوئی حق نہین اسکی خواہش ہو کہ دنیا مین تعلیم عام ہو جائے تاکہ سب لوگ نیک و بد مین تمیز کرسکین۔ وہ مزدورون کا حقیقی رفیق تھا اور ان کی جماعت کے متعلق اسکے خیالات نہایت اعلیٰ اور شریفانہ تھے۔

همدردی

پیاری مان " اگر مین تمہارا بچہ نہوتا، بلکہ ایک پرند ہوتا، اور اگر مین تمہارے کھانے مین حصّہ لینے کی کوشش کرتا، تو تم کیا منع کرتین اور کیا تم یہ کہکر ہٹا دیتین،

بھاگ جا! اے شریر پرند!!

پھر اماں جان، مین تمہارے پاس کبھی واپس نہ آتا اور تمکو آرام سے کھانیکی اجازت دیتا

پیاری مان، اگر مین تمہارا بچہ نہوتا بلکہ ایک سبز پوش طوطا ہوتا، تو کیا تم مجکو محفوظ رکھنے کے لیئے قفس مین بند رکھتین، کیا تم اپنی انگلی سے اشارہ کرتی ہوئی کہتین "کس درجہ ناشکرگزار پرند ہے، شب و روز قفس کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے،

پھر اماجان، مین جنگل مین اُڑ جاتا اور تمہاری آغوش میں ہرگز واپس نہ آتا۔

ترجمہ از ٹیگور تماشائی بریلوی

میر مونس و سلطان عالیہ

محاکمہ

جناب افضل حسین ثابت لکھنوی نے حیات دبیر میں میر مونس اور سلطان عالیہ کے دو ہمطرح سلاموں کا تقابل کرکے میر مونس کے سلام پر چند اعتراضات وارد کردیے ہیں۔ سلطان عالیہ مرزا دبیر مرحوم کی شاگرد تھیں اسلیے پیروان انیس و مونس اس ادبی حملے کو برداشت نہ کرسکے۔ چنانچہ اُسکے جواب میں عبدالرسول صاحب شاکی نے ایک رسالہ شائع کیا جسمیں میر مونس کے سلام کی بیحد تعریف و توصیف کی اور سلطان عالیہ کے کلام میں جا و بیجا نقائص نکالے، کچھ دنوں بعد جناب معجز حسین صاحب خبیر شاگرد مرزا اوج لکھنوی نے جواب الجواب میں سلطان عالیہ کے کلام کو ترجیح دی اور میر مونس کے سلام پر از سر نو حملے کردیے،

اول اول تو یہ ادبی بحث تھی لیکن آخر میں صرف سخن پروری اور تعصب کی شان باقی رہ گئی، یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ اس قسم کی بحثیں کبھی ختم نہیں ہوتیں لیکن جناب اثر نے ان تمام مباحث پر جو محاکمہ کیا ہے وہ درحقیقت قابل قدر ہے، ناظرین زمانہ مضمون پڑھیں اور فاضل انشا پرداز کے منصفانہ طرز تحریر اور بے لاگ فیصلے کی داد دیں۔

ایڈیٹر

پہلے جناب شاکی نے ایک مضمون لکھا جسمیں مونس مرحوم و سلطان عالیہ مرحومہ کے ہمطرح سلاموں کا موازنہ کیاہے اور بالعموم جناب مونس کو ترجیح دی ہے، اسکا جواب جناب خبیر نے تحریر فرمایاہے۔ جناب شاکی کے برخلاف اُنھوں نے سلطان عالیہ کے کلام کو مجموعہ محاسن قرار دیا ہے اور کلام مونس کے معائب دکھانے کی کوشش کی ہے۔ جناب شاکی و جناب خبیر دونوں نے

ذاتیات پر بھی حملے کیے ہین جنسے مجھے کوئی غرض نہین - میری یہ کوشش ہوگی کہ مونس و سلطان عالیہ کے سلامون پر نیک نیتی سے تنقید کرون اور اپنی راے ظاہر کرون کہ جناب شاکی و جناب خبیر کے کون کون اعتراضات بجا ہین اور کون بیجا - جو مزید محاسن یا معائب دونون شاعرون کے کلام مین نظر آئینگے وہ بھی درج کرون گا اس قلم فرسائی سے میرا منشا صرف ادبی دلچسپی ہے - مین جناب شاکی کا طرفدار یا جناب خبیر کا مخالف نہین -

سلطان - اب ہمارے یے بیک ہوئی اے سلطان کربلا ہند سے جاتے ہین خراسان ہوکر

اس مقطع پر جناب شاکی کو یہ اعتراض ہے کہ (۱) اسوقت یا کسی وقت کربلا جانے کا وہی ایک راستہ نہ تھا جو بتایا گیا - اسلیے غلط اور ایسی تخصیص فضول ہے (۲) اگر اس مصرع (کربلا ہند سے جاتے ہین خراسان ہوکر) کا یہ ظاہر مطلب لیا جائے کہ لبیک ہوئی اور اب ہم جاتے ہین یعنی عنقریب جانیوالے ہین یا بس اب جائینگے تو ہر موقع پر نظر کر کے ہند کا لفظ خلاف بلاغت یعنی بے محل سمجھا جائیگا - سلطان عالیہ ہند مین تو بیٹھی ہی ہوئی ہین - ظاہر ہے کہ یہین سے جائینگی - اسلیے ہند کا نام و ذکر برمحل نہین -

مونس - رہبری کی جو مقدر نے تو ہم اے مونس روضۂ شاہ پہ جائینگے خراسان ہوکر

جناب خبیر کا پہلا اعتراض لفظ رہبری پر ہے - آپکے نزدیک اسکے بجاے یاوری مناسب تھا - دوسرا اعتراض لفظ "اے" پر ہے - فرماتے ہین کہ اسکے بجاے "بھی" زیادہ چست تھا - نیز یہ کہ شعرا اکثر تخلص بغیر لفظ "اے" کے مقطع مین لاتے ہین - ہان کبھی کبھی ضرورت شعری سے "اے" کا استعمال کرتے ہین - "بھی" سے ایک شان غبطہ کی اس مقطع مین پیدا ہو جاتی یعنی اور تو جا رہے ہین ہم بھی جائینگے -

جن لوگون کے کان سدھے ہوے ہین اور ذوق سلیم رکھتے ہین وہ فوراً محسوس کرینگے کہ جو شکوہ الفاظ - جوش و خروش مونس کے مقطع مین ہے سلطان کے مقطع مین نہین پایا جاتا وہ پست اور بھاہوا ہے - یہ سوال انتخاب و تناسب و نشست الفاظ کا ہے اور اسکا تعلق دونون اشعار کی ظاہری خوبیون سے ہے - مونس کے شعر مین یہ راز پہلے مصرع کے لفظ ہم اور دوسرے مصرعے کے لفظ شاہ مین سربستہ ہے کیونکہ یہی الفاظ اہمیت رکھتے ہین اور پڑھنے مین اسپر زور دیا جاتا ہے - جسکے سبب سے لفظ "ہم" مین معنوی بوقلمونیان پیدا ہوگئین - استعجاب ظاہر ہونے لگا یعنی "ہم" جو مفلس ہین

نادار ہین، محتاج ہین، ہمارا منھ نہین جو ایسے عالی دربار مین گذر ہو۔ جناب خبیر فرماتے ہین کہ لفظ بھی سے شان غبطہ پیدا ہو جاتی مین عرض کرتا ہون کہ شعر کی خوبیان خاک مین مل جاتین اور یہ زور جاتا رہتا۔ اور لوگ کربلا جاتے ہین ہم بھی جائینگے اسمین کیا خوبی ہے۔ چونکہ سفر کی اہمیت اور اُسی کے ساتھ اُسکی سمتون اور مشکلون کا دکھانا مقصود تھا اسلیئے رہبری ہی مقدر کے ساتھ اس موقع پر مناسب ہے نہ کہ یاوری۔ ایک خوبی لفظ رہبری سے یہ بھی پیدا ہوئی کہ مقدر جسکی برگشتگی مشہور ہے اگر مولا کا حکم ہوا تو رہبر ہو جائیگا۔

سلطان عالیہ کے شعر مین لفظ اب وغیرہ کی جو خوبیان جناب خبیر نے بیان کین اُنسے مجھے انکار نہین۔ مگر اُنکا یہ فرمانا کہ میر مونس مقام بیم ورجا مین ہین اور سلطان عالیہ مقام قرب مین یہ انکی بزرگی ہے۔ اگر دونون شاعرون نے کیفیت حال بیان کی تو یہ ماننا پڑے گا کہ سلطان عالیہ سفر کربلاے معلی کی تیاری کر رہی تھین اور میر مونس کو اُسوقت سفر کا مقدور نہین تھا یا اور موانع احق تھے۔ شوق زیارت دونون کو تھا۔ اگر یہ بات نہین تھی بلکہ محض ارادہ واشتیاق کا اظہار ہے تو سلطان عالیہ کے شعر مین امر خلاف واقع بیان کیا گیا جو اشتیاق کو دیکھتے ہوے شاعرانہ یثیت سے مذموم نہین اگرچہ تصنع ہے۔ میر مونس نے واقعیت کو ترک نہین کیا۔ لفظ لبیک کی بی استعمال پر جناب خبیر نے بہت زور دیا ہے۔ اسمین کلام نہین کہ برجستہ صرف ہوا مگر اُنکا یہ فرمانا یح نہین کہ اس لفظ نے میر مونس اور سلطان عالیہ کے مقطع مین زمین آسمان کا فرق پیدا کر دیا ہر

میر مونس کا مضمون پامالی کا نمونہ ہے تو یہ مضمون جدت و معنویت کی بے نظیر مثال ہے۔ سلطان عالیہ ے شعر سے صرف اشتیاق زیارت ظاہر ہوتا ہے۔ میر مونس کے شعر سے اسکے علاوہ اپنی بے سر و سامانی سے کی مشکلین۔ روضۂ اقدس کی عظمت بھی ٹپکتی ہے۔ اگرچہ سلطان عالیہ کے شعر مین بھی لفظ ہند ے تقابل سے کربلا کی عظمت ظاہر ہوتی ہے مگر اس خوبی اور قوت سے نہین جیسی کہ میر مونس کے ہے۔ نہ یہ امر ضروری تھا کہ ہند سے نفرت کا اظہار کیا جائے۔ جب منزل مقصود کربلا ہے تو وہی تیاق ہوگا خواہ انسان ہند مین ہو یا کعبہ مین مگر اس سے یہ نتیجہ مستنبط نہین ہوتا کہ ہند (یا کعبہ ماذ اللہ) قید خانہ ہے۔

میری ناقص راے مین جناب شاکی کے اعتراضات سلطان عالیہ کے شعر پر اور جناب خبیر کے

مونس کے شعر پر بیجا ہین۔ دونون شعر معائب سے پاک ہین۔ اگرچہ مونس کے شعر کو آن وجوہ سے
مین نے عرض کیے ترجیح ہے۔

سلطان عالیہ لب و دندان پہ سرشاہ کے دیکھی جو چھڑی بیبیان رنگین انگشت بدندان ہوکر

جناب شاکی اس شعر کے متعلق فرماتے ہین :- اول تو اس مصرعہ (لب و دندان پہ سرشاہ کے دیکھی جو چھڑی)
سے وہ کیفیت ظاہر نہین ہوتی جو قایل (شاعر) کا اصل مقصد ہے جب تک قبل سے علم نہو محض یہ مصرع
مین بتا سکتا کہ کسنے چھڑی رکھی۔ وہ تھا کون اور اُسکا یہ فعل کیسا تھا جب تک اُس بے ادب کا کنایۃً
شارۃً ہی سہی نام و نشان نہ بتایا جائے دل پر اثر نہین پڑتا اور اسیلیے مقصد پورا نہین ہو سکتا ایسے
موقع پر شاعر کا تخاطب عام ہونا چاہیے یعنی وہ خواہ مخواہ یہ فرض نہ کرے کہ ہمارے مخاطب صرف
وہ خواص ہین جو ہمارے بیان کردہ واقعے کا قبل سے اتنا علم رکھتے ہین کہ المعنی فی بطن الشاعر کو
فوراً سمجھ لین۔ اگر کوئی کلام عام دلون کو بھی فوراً متوجہ نہ کر سکا تو مطلب بھی فوت ہوا اور وہ اپنے
رتبہ سے گر کر بلاغت سے بہت دور جا پڑا اس مصرع (لب و دندان پہ سرشاہ کے دیکھی جو چھڑی)
مین اسی بلاغت کی وہ کمی ہے جسنے اس شعر کو ردی کر دیا۔ یہ مصرعہ اول ہے جسکے دندان ظاہر ہین
اب دوسرے مصرعے (بیبیان رنگین انگشت بدندان ہوکر) مین پھر وہی دندان نمایان ہوگئے
یہ بھونڈی صورت ہمارے قبلہ کو مرغوب ہو تو مبارک مگر ہمارا مذاق تو یہ دیکھتے ہی اسطرف
سے منھ پھروا دے گا۔

لب و دندان اول تو ان دو لفظون (لب و دندان) مین سے کوئی ایک لفظ دونون معنی
پر حاوی ہوتا اور مطلب و مفہوم کو روشن کر سکتا ہے یعنی اگر صرف لب کی لفظ لیجائے جیسے لب
پر چھڑی رکھی تو مطلب ادا ہو جائے گا اسی طرح اگر خالی دندان بیان مین آئے یعنی دندان پر چھڑی
رکھی تو مطلب پورا ہو جاتا ہے اسیلیے لب اور دندان دونون کا بہ یک وقت اجماع بیکار اور
کمزوری کلام کی دلیل ہے۔

لب و دندان پہ سرشاہ کے۔ یعنی شاہ کے سر کے لب و دندان پر۔ معنی کیا ہوئے۔ شاہ کے سر کا
لب و دندان۔ شاید ذہن مین ہے کہ لب و دندان جسم انسان کے کسی اور مقام پر بھی نمایان ہین
جب تو سر کی قید کی جاتی ہے افسوس پھر زبان اور اُردو کس درجہ درست ہے۔ لب و دندان

سر شاہ بھی کہا ہوتا تو خیر زبان ہی فصاحت اور فصیح ہو جاتی۔

لب و دندان پہ سرِ شاہ کے دیکھی جو چھڑی

اس لفظ دیکھی سے واقعہ کا وقت معلوم نہین ہوتا یعنی چھڑی کس گھڑی رکھی گئی۔ آیا اہل حرم کے دربار (یزید) مین آنیکے قبل سے وہ چھڑی لب و دندان پر تھی اور ان مخدرات نے وہان پہونچکر یہ سمان دیکھا، یا ان بزرگوار کے دربار مین تشریف لانے پر انکے چھیڑنے کے لیے ایسی بے ادبی کی گئی۔ واقعہ تو یہ ہے۔ اسلیے شاعر کو واقعہ کے لحاظ کے علاوہ ایسے احساس کی تمیز ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن بیان کی کمزوری اور عجز طبیعت کے سبب اور اس لفظ "دیکھی" کے گرے ہوئے انداز کی وجہ سے اصل واقعہ کا پتہ نہین چلتا۔

اسکے متعلق جناب خبیر فرماتے ہین۔

صرف لب کہنے سے وہ معنی ادا نہ ہوتے جو لب و دندان کہنے سے ادا ہو گئے۔ ایک تو روایت بغیر مسخ ہوئے نظم ہوئی دوسرے ایک لطیف اشارہ اہل نظر کے لیے اور پیدا ہوا اور وہ یہ کہ نقاد معترض بھی جانتا ہے کہ حسینؑ پر تین دن آب و دانہ بند رہا۔ آلات دغا کے چرکے دیتی ہوئی گرمی اثر کر چکی تھی۔ . . . . مجھے تو صاف نظر آتا ہے کہ ایسی حالت مین سوکھے ہوئے ہونٹ بند نہ رہ سکے ہونگے۔ چھڑی رکھی گئی تو ایک ساتھ لب و دندان تک پہونچ گئی۔ . . . .

نقاد معترض ہے کہ لب و دندان سر شاہ، کیا معنی۔ انکو کون بتائے کہ ہان ہان لب و دندان حصۂ سر ہی ہوتے ہین مگر ع "سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست"، سلطان عالیہ نے لب و دندان سر شاہ کہکر ذہن سامع کو دلخراش و صبر گداز منظر کی طرف متوجہ کر دیا جو حد ظلم انتہائے شقاوت کی تصویر کا آئینہ ہے۔ شاہ کے لفظ سے جلالت و قدر امام حسینؑ کی طرف اشارہ ہے۔

اب دیکھی اور رکھی کا جھگڑا رہ گیا۔ یہ واقعہ ہے کہ رکھی سے برجستگی بڑھ جاتی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ محل کسکا متقاضی ہے۔ اور کونسا لفظ یہان وسیع المعنی ہوتا ہے۔ رکھی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے اسیران اہلبیت کی دل آزاری کے لیے ایسا کیا اور دیکھی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا جانے کب سے یہ حالت تھی اور اہل حرم کو دربار شام مین اپنی فطری غیرت تعلیم رسول معاشرت خانہ سیدہ کے اثر نے کب اسکا موقع دیا کہ یزید اور افعال یزید پر انکی نگاہین پڑ سکین

پھر سیدانیون کو اپنی بلند فطرتی کی وجہ سے اپنے ان دشمنوں سے بھی یہ توقع نہ تھی کہ رسول اللہ کی بوسہ گاہ کے ساتھ ایسی سخت بے ادبی کرینگے جب خلاف امید ذرا طوق سنبھال کر ذرا گردن اُٹھا کر یہ ظلم دیکھا تو ع

بیبیان رنگہیَن انگشت بدندان ہوکر

رنگہیَن کا لفظ فصاحت کی جان بلاغت کا ایمان ہے۔

تکرار لفظ دندان کے جواب مین جناب خبیر نے خود میر مونس اور مرزا غالب کے اشعار پیش کیے ہین جناب شاکی کی اصلاح "لب و دندان سر شاہ پہ دیکھی جو چھری"، مین جو ذم کا پہلو (ہیے) پیدا ہوتا ہے اُسکی طرف اشارہ کیا ہے۔

میر مونس نے اسی مضمون اور اسی قافیہ کو یون کہا ہے۔

لب شبیر پہ رکھی جو چھڑی حاکم نے　　لوگ رونے لگے انگشت بدندان ہوکر

(مگر جناب شاکی نے دوسرا مصرع لفظ بلفظ وہی رکھا ہے جو سُلطان عالیہ کا ہے۔ یعنے "بیبیان رنگہیَن انگشت بدندان ہوکر"، اور پہلے مصرع مین بجاے حاکم کے ظالم لکھا ہے۔ چونکہ شعر جسطرح اوپر نقل ہوا مطبوعہ ہے لہذا مین فرض کرتا ہون کہ میر مونس نے اسی طرح کہا)

جناب خبیر کا یہ اعتراض ہے کہ اگرچہ مصرع ثانی مین دو کیفیتین دکھائی ہین مگر خلاف واقع ضرور ہے۔ ابن زیاد و یزید کے دربار مین رونے والے کون تھے، ایک بیچارے ابو برزہ اسلمی نے یزید کو اور زید ابن ارقم نے ابن زیاد کو منع کرنا چاہا تھا تو اُن دونون صحابیون کو مجلس سے بڑی طرح نکلوا دیا۔

اب پہلے مصرع کی طرف آیئے۔ لب شبیر کہدینے سے جلالت قدر امام حسین کی طرف کوئی اشارہ نہین۔ قیامت یہ ہے کہ لفظ حاکم سے (معاذ اللہ) یزید کے جبروت پر نگاہین پڑنے لگتی ہین جو کسی طرح میر مونس (مرحوم) کا مقصود نہین ہوسکتا۔ مگر بشریت کا کیا علاج آخر خدا اور بندے مین کوئی امتیاز چاہیے یا نہین۔

میری راے مین دونون صاحبون نے دونون اشعار کو بلا رو رعایت سمجھنے کی کوشش نہین کی۔ دونون شاعرون نے ایک خاص واقعہ کو نظم کیا ہے اور جیسا جناب خبیر نے فرمایا

یہ دیکھنا چاہیے کہ روایت کے کن اجزا کو جو اہمیت رکھتے ہین اور جن سے اصل واقعہ پیش نظر ہو جائے۔شاعر نے منتخب کیا اور کسنے نظر انداز کیا۔

سُلطان عالیہ کہتی ہین

لب و دندان پہ سر شاہ کے دیکھی جو چھڑی بیبیان رنگیین انگشت بدندان ہوکر

میر مونس کہتے ہین

لب شپیر پہ رکھی جو چھڑی حاکم نے لوگ رونے لگے انگشت بدندان ہوکر

دونون اشعار کی تخئیل مین اتنا فرق ہے کہ سُلطان عالیہ نے یہ دکھا کر اثر پیدا کرنا چاہا کہ یزید کی اس شقاوت و بے ادبی سے اہلبیت اطہار کو کیا صدمہ پہونچا۔میر مونس نے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ یہ اس حد کی بے ادبی تھی کہ تمام حاضرین دربار باوجودیزید کے رعب کے اُسکے اس فعل سے اسقدر متاثر ہوے کہ عارضی طور پر اُسکا خوف دلون سے جاتا رہا بے اختیار رونے لگے اور حیرت و اظہار تنفر مین دانتون کے تلے اُنگلی دبالی۔ظاہر ہے کہ جب مخالفین کا یہ حال ہوا تو اہلبیتؑ اطہار کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔جب اُنھون نے اپنے والی کے سر بریدہ کے ساتھ یزید کو ایسی گستاخی کرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔

میرے نزدیک تو یہ شعر جسطرح سُلطان عالیہ نے ادا جسطرح میر مونس نے کہا خوب کہا۔ایسے موقع پر اہلبیت اطہار کے دل کو وہ صدمہ عظیم پہونچا کہ وہ انگشت بدندان رنگیین۔رقت سلب ہوگئی جو اپنے نہین ہین اُنھین بھی صدمہ ہوا۔لیکن اسقدر گھرا نہین لہذا وہ انگشت بدندان ہوکر رونے لگے۔

دونون اشعار فلسفہ جذبات کی بے نظیر مثال ہین۔نہایت سچی مصوری ہے۔البتہ سلطان عالیہ کے شعر مین ردیف کمزور ہے۔بیبیان انگشت بدندان رنگیین سے پورا مطلب ادا ہو جاتا ہے ہوکر کی ضرورت نہین رہتی۔

جناب شاکی کے اعتراض کو مین نے بغور پڑھا۔کسی مین قوت نہین (۱) لب و دندان حسین پر چھڑی رکھنے والا کوئی بھی ہو یہ بے ادبی ایسی ہے کہ جو اُنکے رتبے سے واقف ہے متاثر ہوگا۔بے ادبی کرنے والے کی تخصیص سے سامع کے دل پر اثر مین کمی بیشی نہین ہوسکتی۔علاوہ برین

جسے اس واقعہ کا علم ہے فوراً سمجھ جائے گا کہ بے ادبی کرنے والا کون ہے۔

(۲) دوسرا اعتراض لفظ دندان کی تکرار پر ہے۔ ایسی تکرار بعض موقعوں پر کلام کی زینت کو بڑھا دیتی ہے اور بعض جگہ مانع فصاحت ہے۔ اسکے فیصلے کا اُصول یہ ہے کہ شعر کی نثر کی جائے اگر اُس لفظ کا خاص دُہرانا ضروری ہو تو درست ہے ورنہ غلط۔ اب سلطان عالیہ کے شعر کی نثر کیجئے تو معلوم ہوگا کہ لفظ دندان کی تکرار بُری نہین معلوم ہوتی۔

سرشاہ کے لب و دندان پہ جو چھڑی دیکھی بیبیان انگشت بدندان (ہوکر) رہگئین۔

اگر کہین سے لفظ دندان نکال دیجئے تو لطف جاتا رہتا ہے۔ بلکہ اگر صرف سرشاہ کے لب یا سرشاہ کے دندان کہیے تو کانون کو بُرا معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح جناب شاکی کا یہ اعتراض بیجا ہے کہ سر کی تخصیص کی کیا ضرورت تھی کیونکہ لب و دندان سوا سر کے اور کسی حصہ جسم مین نہین ہوتے۔ سرشاہ کہنے سے سلطان عالیہ نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سر پرنور جسم مطہر سے جدا ہوچکا تھا اس سے ایک دنیا جگر گداز واقعات کی پیش نظر ہوگئی۔ جناب خبیر نے اس خوبی کی طرف اپنے جواب مین توجہ دلائی ہے مگر ضمناً۔

جناب شاکی کا یہ اعتراض بھی درست نہین کہ لفظ رکھی دیکھی سے بہتر ہے شعر جسطرح نظم ہوا دیکھی ہی چاہیے تھا۔ واقعہ کا وقت ایسی صورت مین معلوم کرنے کی ضرورت نہین نہ کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ جسوقت بھی مخدرات عظمیٰ نے لب و دندان مبارک پر چھڑی دیکھی دل پاش پاش ہوگیا تلمیح مین سب اجزا ظاہر نہین کیے جاتے نہ کیے جاسکتے ہین بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کمی قوت متخیلہ پوری کرتی ہے۔

جناب خبیر کے جو اعتراضات میر مونس کے شعر پر ہین وہ بھی میرے نزدیک درست نہین۔ دوسرے مصرع کے متعلق فرماتے ہین (لوگ رونے لگے انگشت بدندان ہوکر) کہ اگرچہ دو کیفیتین دکھائی ہین مگر خلاف واقع ضرور ہین کیونکہ اُس دربار مین اہلبیت اطہار کا کوئی دوست ہی نہین تھا جو روتا۔ مگر میر مونس مرحوم نے یہ دکھایا ہے کہ اہلبیت رسولؐ کی بیکسی کی یہ حالت تھی اور ایسے ایسے مظالم ہوے کہ دشمن تک رو دیے۔ اور ظاہر ہے کہ یزید کے بھرے دربار مین دشمنون کی کمی نہین تھی۔

انکا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ صرف لفظ شبیر سے جلالت قدر امام حسینؑ کی طرف کوئی اشارہ نہین ہوتا۔ مین کہتا ہون کہ کوئی ضرورت اشارہ کی نہین خود لفظ شبیر مین شان و شوکت صبر و استقلال کوٹ کوٹ کے بھرا ہے۔ اور اس خاص موقع پر امام مظلوم کی بیکسی دکھانی تھی۔ سطوت و جلالت کا محل ہی نہین تھا۔ جناب خبیر کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ لفظ حاکم سے (معاذ اللہ) یزید کے جبروت پر نگاہین پڑتی ہین۔ اس لفظ سے دوسرے مصرعے کے اثر مین بستی ہوتی ہے اور دونون مصرعے دست و گریبان ہو جاتے ہین۔ باوجودیکہ فعل ایسے شخص سے سرزد ہوا جو برسر حکومت تھا لوگ اسکے خوف کو بھول گئے اور امام مظلوم کی بیکسی پر رونے لگے۔ یزید کے قہر و غصہ کی پروا نہین کی۔ یزید کو حاکم اسوجہ سے کہا کہ امام کی مظلومی پوری قوت سے پیش نظر ہو نہ کہ معاذ اللہ یزید کا جبروت دکھانے کو۔

سلطان عالیہ۔

مجرئی کہتے تھے انصار یہ خندان ہوکر   عید قربان کی کرو، شاہ پہ قربان ہوکر

جناب شاکی کا یہ اعتراض ہے کہ عید قربان کی غلط عید قربان کہنا چاہیے

جناب خبیر اسکا یہ جواب دیتے ہین کہ مطبوعہ سلام مین دوسرا مصرع یون ہے

عید مقتل مین کرو شاہ پہ قربان ہوکر

ایسی صورت مین محض نزاع لفظی رہ جاتی ہے۔ مگر جناب خبیر نے اسپر قناعت نہین فرمائی بلکہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عید قربان کی صحیح ہے۔ آپ فرماتے ہین کہ اگر بجائے فارسی اضافت کے ہندی اضافت دیدی تو کیا ستم ہوا۔ ایسا اکثر ہوتا ہے اور جائز ہے۔ افسوس کہ اردو کی صرف و نحو مرتب نہین ہوئی لہذا اصول پر بحث نہین ہوسکتی۔ مگر میری راے مین فارسی کے ایسے الفاظ مین جو محاورے کا حکم رکھتے ہین رد و بدل جائز نہین۔ مثلاً آفتاب لب بام۔ چراغ تہ دامن۔ کیا لب بام کا آفتاب۔ تہ دامن کا چراغ کہنا درست ہوگا۔ اسطرح اہل زبان و شعرا نے عید قربان کہا ہے نہ کہ عید قربان کی۔ لہذا یہ تحریف جائز نہین۔ جب تک اسکی مثال مین کوئی شعر یا قول کسی مستند استاد کا پیش نہ کیا جائے۔ عید قربان کی کرو۔ اسمین کی کرو، کا قرب فصاحت مین خلل ڈالتا ہے۔ عید مقتل مین کرو شاہ پہ قربان ہوکر۔ اسطرح عید قربان کی طرف اشارہ بھی ہوگیا اور

تمام سقم دور ہوگئے۔ خواہ مصرع اس صورت مین سلطان عالیہ کا ہو یا کسی صاحب نے اصلاح دی ہو۔ عید قربان کی کر والخ سے بہتر ہے۔

یہان تک جناب شاکی کے اعتراضات اور جناب خبیر کے جوابات پر محاکمہ تھا۔

جناب خبیر نے اسکے علاوہ میر مونس و سلطان عالیہ کے پورے سلامون کی (باستثنائے چند اشعار) تنقید کی ہے۔ اب مین تنقید پر ایک نظر ڈالون گا۔

سلام سلطان عالیہ مرحومہ

(۱) مجرئی کہتی تھی زینب یہی گریان ہوکر کیون بہن مر نہ گئی بھائی پہ قربان ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ سیدھا سادہ مطلع ہے مگر سلام (اور مرثیہ) کے خصوصیات سے مالامال اسکا گریہ خیز ہونا ظاہر ہے۔

مین اس مطلع مین لفظ یہی کی خوبیون کی طرف توجہ دلاتا ہون۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ یہ صرف نہ ہو سکا لہذا یہی موزون کر دیا اگر غور کیجئے تو "یہی"، کا یہ مفہوم ہے کہ حضرت زینب پیہم یہی فرماتی تھین کہ کیون بہن مر نہ گئی بھائی پہ قربان ہوکر جس سے ماتم کی شکل پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ تصویر کھنچ جاتی ہے کہ حضرت زینب سر و سینہ کوٹ کر دو ہتڑ مار مار کے یہ بین کر رہی ہین کہ کیون بہن مر نہ گئی بھائی پہ قربان ہوکر مگر اسی کے ساتھ یہ ضرور ہے کہ "مر نہ گئی"، کا ٹکڑا یا "قربان ہوکر"، زائد ہے۔ نثر مین صرف اسقدر کافی ہوتا کیون بھائی پر بہن قربان نہ ہوگئی۔

(۲) مجرئی کہتے تھے انصار یہ خندان ہوکر عید مقتل مین کرو شاہ پہ قربان ہوکر

اسکے متعلق جو کچھ لکھنا تھا لکھ چکا۔ یہان صرف یہ عرض کرون گا کہ جناب خبیر کی یہ توجیہ بھی سراسر غلط ہے کہ اگر وہ عید قربان کہدیتین تو یہ مفہوم ہوتا کہ امام حسین پر قربان ہوکر عید قربان کرو حالانکہ یہ بیموقع بات تھی۔ یہ مفہوم کسی صورت مین پیدا نہین ہوتا کیونکہ عید قربان کے اہل شعور مجازی معنی لین گے یعنی خوشی نہ در اصل بقر عید منانا۔

زعفر جن نے کہا شہ سے جو تم پر ہون نثار حشر کو جاؤن مین جنت مین سلیمان ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ "معمولی شعر ہے رعایت کی جگہ جن اور سلیمان کی رعایت موجود اور واقعیت بھی تاراج نہین ہوئی۔ اس شعر مین بھی ایک لطیف معنی ہین۔ زعفر جنکے جوش خلوص کی طرف اشارہ

ہے۔ اُسے اسقدر جان نثاری کا شوق تھا کہ حضرت سے عرض کرتا تھا کہ مین آپ کی نصرت کرکے آپ کو زیر بار احسان کرنا نہین چاہتا بلکہ اپنی عاقبت درست کرنا چاہتا ہون۔ جان نثاری مین میری غرض شامل ہے، ابتو اجازت دیدیجئے۔

(۴) لب و دندان پہ سرشاہ کے دیکھی جو چھڑی — بیبیان رنگئین انگشت بدندان ہو کر

اسکے متعلق لکھ چکا۔

(۵) اب تلک مرقد زینب سے یہ آتی ہے صدا — ہائے مین شام گئی بے سروسامان ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ سلام کے لیے ایسے شعر سرمایۂ ناز ہوتے ہین۔ اسی شعر سے اُنکے اس اعتراض کا جواب ہوتا ہے کہ میر مونس نے امور خلاف واقع نظم کیے۔ کیا دراصل مرقد زینبؑ سے صدا آتی ہے؟ بات یہ ہے کہ شاعری مین جب تک جذبات کی چاشنی نہو وہ شاعری ہی نہین۔ البتہ جذبات صادق اور مناسب حال ہونا چاہئین۔

(۶) شمر سے کہتے تھے یہ گبر و نصارا افسوس — قتل سید کو کیا تو نے مسلمان ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہین:۔ جناب فنا کی مسلمان کا قافیہ اس زمین مین یون باندھا جاتا ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۹

صفحہ ۹ مین میر مونس کا یہ شعر ملتا ہے

فوج اعدا سے کہا حُر نے زہے دینداری — قتل کرتے ہو مسلمان کو مسلمان ہو کر۔

اسپر جناب خبیر کا اعتراض ہے کہ قاتل و مقتول ایک درجہ مین ہو گئے۔ جو مرتبہ وان حسینؑ تھے یہ بے ادبانہ کلام اُنکے منسوب کرنا کوئی معمولی گناہ نہین۔ عجب نہین حضرت حُر قبر مین تڑپ اُٹھے ہون اور یہی چھڑی کلام خاندان میر انیس مین مایۂ ناز ہے۔

مین نہایت ادب سے عرض کرونگا کہ یہ جناب خبیر کی سمجھ کا پھیر ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اے اہل کین تمھین مسلمان ہونے کا دعوی ہے۔ اسلام مین مسلمان کا قتل گناہ عظیم ہے اور حسینؑ تو پیشوائے اُمت ہین اگر انھین اپنا سردار نہین جانتے تو معمولی مسلمان ہی سمجھو اور اُنکے قتل سے باز آؤ۔ یہ موقع لعینون کو شرم اور غیرت دلانے کا تھا اور یہ مطلب اس اسلوب سے بہت خوب نظم ہوا سلطان عالیہ کا شعر ہرگز اس پایہ کا نہین۔ بالکل سیدھا سادہ ہے۔

(۷) لائے جبریل جو محضر تو یہ زہرا نے کہا قتل شپیر پہ مین مہر کرون مان ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ یہ شعر جب میر مونس مرحوم کے شعر سے جسمین مان کا قافیہ بندھا ہے ملا کر دیکھے گا تو زمین آسمان کا فرق نظر آ رہا

میر مونس کا یہ شعر ہے۔

کہتی تھی بانوے بیکس کہ بتاؤ لوگو صبر کیونکر غم اکبر مین کرون مان ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ شعر معنون کے اعتبار سے اچھا ہے مگر شاعر نے لفظ بیکس سے کوئی فائدہ نہین اُٹھایا۔ سلطان عالیہ کا شعر اس سے کہین اچھا ہے۔ ارے صاحب! لفظ بیکس سے فائدہ کیون نہین اُٹھایا۔ جب شاعر اتنی صدیان گذر جانے پر بھی حضرت بانو کی مصیبت پر انھین بیکس کہکر اظہار تاسف کرتا ہے تو اُسوقت اُنکے بین سننے والون کا کلیجہ شق ہوتا ہوگا یا نہین دونون شعر اثر مین ڈوبے ہوئے ہین مگر چونکہ سلطان عالیہ کے شعر مین روایت کی طرف بھی اشارہ ہے لہذا مین اُسے ترجیح دیتا ہون مگر اس سے یہ مراد نہین کہ میر مونس کا شعر اُس سے پست ہے یا برا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ ہے کہ دونون مین زمین آسمان کا فرق ہے۔ دونون نے خوب کہا۔

(۸) خود غلط۔ قول پر اپنے نہ رہے ثابت آہ پہ زے تن شہ کا کیا قائل قرآن ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین۔ قرآن کا قافیہ اس مضبوطی سے کہنا میر صاحب (مونس مرحوم) کو نصیب نہین ہوا۔

میر مونس کا شعر یہ ہے۔

سینۂ شہ پہ رکھا شمر نے زانو ہیہات پاس قرآن نہ کیا قائل قرآن ہوکر

اسکے متعلق جناب خبیر فرماتے ہین کہ سینہ، زانو، ہیہات مین رعایت ہے مگر شعر کی یہی کائنات ہے۔ مین عرض کرونگا کہ دونون قرآن، اور قائل مین بھی رعایت ہے اور شعر کی محض یہی کائنات نہین بلکہ اسمین درد بھی ہے۔ انسان پڑھکر ہاتھ سے زانو پیٹ لیتا ہے۔ اب سلطان عالیہ کا شعر سمجھیے۔ اسمین بھی رعایت لفظی کی ہجنات ہے جو اُس زمانے کا رنگ تھا اور اُسی شوق مین بجاے قائم کے ثابت (پہ زے کی رعایت سے) استعمال کیا گیا۔ حالانکہ قول کے ساتھ لفظ قائم بہ نسبت ثابت کے زیادہ موزون ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بھی خیال ہو کہ شعر مین صرف ق سے شروع

ہوئے واسطے نئی الفاظ جمع ہوئے جاتے ہین جو فصاحت سے خارج ہین مگر مجھے تو یہ عیب نہین محسوس ہوتا بلکہ ایک خوبی پیدا ہوجاتی ہے پہلے مصرع مین قول پر قائم ہوا اور دوسرے مصرع مین اُسکا مقابل قائل قرآن -

میر مونس کے دوسرے مصرع مین لفظ قرآن کی تکرار بھی کتنی پر لطف ہے -

اسکا فیصلہ مذاق طبیعت پر منحصر ہے کہ کس شعر کو ترجیح ہے - مجھے میر مونس کا شعر اچھا معلوم ہوتا ہے ممکن ہے بہت میرے ہم خیال ہون بہت جناب خبیر کے - مگر یہ ارشاد کہ میر مونس کو قرآن کا قافیہ اس خوبی سے کہنا نصیب نہین ہوا ہٹ دھرمی ہے -

(۹) اب تلک گنج شہیدان مین یہ کہتی ہے تبول   پھر نہ آباد یہ گلشن ہوا ویران ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین ویران کا قافیہ میر مونس مرحوم سے سنبھل نہ سکا سارے گھر ڈھیگئے کہکر ایک زبان کا خوبصورت لفظ ضرور رکھدیا مگر معنویت کا کعبہ ڈھادیا میر مونس کا شعر یہ ہے -

جانبے خاک مین بیٹر کے بسلنے والے   سارے گھر ڈھیگئے سادات کے ویران ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین لفظ یہ ستی کا بھلا ہو سارے گھر ڈھیگئے فرمانے کی ضرورت نہ تھی -

پہلا مصرعہ کڑی کمان کا تیر ہے "

جناب خبیر کے مذاق سخن سے مجھے حیرت ہوتی ہے - اُس شعر کے متعلق جسپر زبان اُردو کو ناز ہونا چاہیے کیا فرماتے ہین - اور کیا قدر کرتے ہین - گھر ویران جب ہوئے جب مکین نہ رہے صرف یہی نہین کہ عارضی طور پر مکان خالی کیے بلکہ ہمیشہ کے لیے سدھارے کسی نے سکانونکی خبر نہ لی اور مکان منہدم ہوگئے - پہلا مصرع بجائے خود ایک مرثیہ ہے اور تعریف سے مستغنی ہے - آپ فرماتے ہین کہ میر مونس سے قافیہ سنبھل نہ سکا - مین کہتا ہون کہ شاید اس سے بہتر اس قافیہ کو کوئی کہہ نہین سکتا - اسکے مقابلے مین سُلطان عالیہ کا شعر لکھتے ہوئے شرم آنا چاہیے تھی - جسکا پہلا مصرع تو بالکل سُست ہے - گنج شہیدان کا گلشن سے استعارہ کیا ہے - گنج شہیدان کا ویران ہونا کیا اور ویران ہوکر آباد ہونا کیسا - گنج شہیدان کے ویران ہوکر آباد نہونے مین کون لطف اور کیا جدت ہے -

ننگی تیغین یے سے خیمے مین جو آئے اعدا   جا بجا چھپتے تھے اطفال ہراسان ہوکر

خوب ہے دراصل واقعہ کی تصویر کھینچی ہے۔

(۱۱) اس غریبی سے نہو قتل مسافر کوئی جیسے شہ ذبح ہوئے بے سروسامان ہوکر

بیشک گریہ خیز ہے

قطعہ

(۱۲) لاش اصغر سے پکاری یہ لپٹ کر بانو شاد مجھکو نہ کیا تمنے خرامان ہوکر

(۱۳) دودھ جو خشک ہوا ہوگئے دائی سے خفا باپ کا ساتھ دیا کشتۂ پیکان ہوکر

(۱۴) اب یہ حسرت ہے جو کوفہ کو نہ لیجائیں لعین بیٹھوں واری ترے لاشے پہ نگہبان ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں۔

اس قطعہ کا اثر اہل دل سے پوچھیے۔ پہلا مصرع لاش اصغر سے پکاری یہ لپٹ کر بانو،، ماں کی بیقراری کا نقشہ۔ دوسرا مصرع ماں کی امیدوں اور تمناؤں کی تصویر۔ دوسرے شعر سے محلات شاہی کی زبان۔ شریف زادیوں کا طرز گفتگو چمک چمک کر نمایاں ہو رہا ہے۔ تیسرا شعر عجب حسرت بھرا ہے۔ مصرع اول غیرت داروں کے لیے نشتر۔ مصرع ثانی اولاد والوں کے لیے خنجر ہے ،،

قطعہ کے پہلے مصرع میں تعقید ہے جو یوں نکل سکتی تھی۔ لاش اصغر سے لپٹ کر یہ پکاری بانو تیسرے شعر میں یہ نہیں سمجھ میں آتا کہ کوفہ کیوں نظم کیا گیا۔ سامان تو شام لیجانے کا ہو رہا تھا مگر روایات پر مجھے عبور نہیں۔ میں نے محض اپنے شبہ کا اظہار کیا ہے۔

(۱۵) حال سادات پہ بیساختہ رو دیتا تھا گر نکلتا تھا کوئی جانب زندان ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں۔ ایسے شعر جنت کا مول ہوا کرتے ہیں۔ نقط نہیں رکھے ہیں انمول ہیرے جڑے ہیں۔ بیساختہ کا لفظ اس محل پر اپنا جواب ہی نہیں رکھتا۔ مجھے بالکل اتفاق ہے مگر جناب خبیر لفظ گر،، کی بلاغت نظر انداز کر گئے۔ ہاے لوگ زندان کی طرف سے گذرتے ہوے حذر کرتے تھے۔ وہ ایسا دار محن تھا۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا جا نکلا تو اُسکے آنسو ٹپک پڑتے تھے۔

(۱۶) جو گدا بیٹھ گیا شاہ نجف کے در پر در دولت سے پھر اٹھا وہ سلیمان ہوکر

جناب خبیر کہتے ہیں یہ شعر ویسا ہی معمولی ہے جیسا کہ میر مونس کا یہ شعر

دی یہ سائل نے صدا لیکے علی سے خاتم لو گدا آتا ہے مسجد سے سلیمان ہو کر

اس شعر مین لفظ "پھر" پر جناب خبیر کو توجہ نہین ہوئی۔ اس سے یہ معنی پیدا ہوتے ہین کہ جو گدا ادر شاہ نجف پر بیٹھ گیا وہان سے نہین اُٹھا (بے نیاز ہو گیا) اگر اُٹھا تو سلیمان ہو کر اُٹھا یعنی ایک جلیل القدر پیمبر کا رتبہ حاصل کر کے۔ جب بھی اس در کو نہ چھوڑتا اگر شان و شوکت دنیوی پر مغرور نہو جاتا۔ جیسا کہ حضرت سلیمان کے متعلق مشہور ہے کہ اپنا جاہ و حشم دیکھکر مسرور ہوے فوراً حکم خدا سے روح قبض کر لی گئی۔ لہذا یہ خوبی بھی پیدا ہوئی کہ در سے اُٹھا تو مر کر اُٹھا

(۱۷) اب ہمارے لیے لبیک ہوئی اے سلطان کربلا ہند سے جاتے ہین خراسان ہو کر

مین اسکے متعلق اپنی راے ظاہر کر چکا۔

اب وہ تنقید ملاحظہ ہو جو میر مونس کے سلام پر جناب خبیر نے کی ہے۔

(۱) مجرئی بہتے ہین آنسو دُر غلطان ہو کر آبرو پائی ہے کیا چشم نے گریان ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ گریان اور غلطان قافیہ نہین ہو سکتے ایطا ہے آپ یہ تسلیم کرتے ہین کہ اگلے لوگ اسکا خیال کم کرتے تھے مگر جب میر مونس کے کلام مین بھی یہ عیب ہو تو دوسرن مین اور اُنمین وجہ امتیاز کیا رہی۔ یہ اعتراض صرف اُن لوگون کا مُنھ بند کر سکتا ہے جو میر مونس کو دنیا بھر کے شعرا سے بہتر سمجھتے یا کہتے ہون۔ مین ایسی بحث کو فضول سمجھتا ہون ایطا عیب ضرور ہے مگر شان اُستادی کے منافی نہین کیونکہ وہ بھی اُستاد ملنے جاتے ہین۔ جنکے کلام مین ایطا موجود ہی

دوسرا اعتراض جناب خبیر کا یہ ہے کہ دُر غلطان ہو کر بہنا کیا معنی۔ بہکر دُر غلطان ہو جاتے ہین۔ صحیح۔ ڈھلنا۔ گرنا یا کچھ اور درست ہو سکتا ہے۔ مگر دلفریبی سے ہم آغوشی اب بھی نظر نہین آتی۔ مین عرض کرتا ہون کہ آنسو کے لیے بہنا درست ہے۔ پھر وہ دُر غلطان ہو کر بہے یا محض آنسو کی شکل مین۔ اسمین کونسا زبان کا نقص پیدا ہوتا ہی بلکہ جسطرح مصرع نظم ہوا اسمین یہ خوبی پیدا ہوتی ہے کہ آنکھ سے بہنے کے بعد نہین بلکہ آنکھ ہی مین آنسو موتی بن جاتے ہین گویا آنکھون سے اشک نہین ٹپکتے موتی برستے ہین۔

(باقی آیندہ)

مرزا جعفر علیخان اثر لکھنوی

اقتصادیات مین ہندوستانی نقطۂ نظر

(گزشتہ سے پیوستہ)

ہمارے ملک اور دیگر ممالک مین فرق ہے، دوسرے ملکون مین گرانی فارغ البالی کی دلیل ہے۔ وہان کے ماہرین علم الاقتصاد کہتے ہین کہ گرانی نرخ سے پیداوار مین اضافہ ہوتاہے، اسکا سبب یہ ہے کہ یہ ممالک زیادہ تر صنعتی ہین اور صنعتی پیداوار جتنی زیادہ مقدار و تعداد مین تیار کی جائے۔ آئینی مشینون کے استعمال کی وجہ سے صرفہ کم پڑتاہے اور نفع کی زیادہ امید ہوتی ہے، اور مقدار و تعداد مین اضافہ کا خیال اسوقت پیدا ہوتا ہے جب نرخ گران ہوتاہے پس صنعتی ممالک کے لیے گرانی نرخ فائدہ مند ہے لیکن ہندوستان مین گرانی کا اثر نہایت خوفناک ہوتاہے کیونکہ یہان صنعتی پیداوار کے بجائے زراعتی پیداوار زیادہ ہوتی ہے، اور زراعتی پیداوار مین اضافہ کرنے سے صرفہ زیادہ ہوتاہے جسکا اثر نرخ پر پڑتاہے، اور گرانی بڑھتی جاتی ہے، اور غلے کی گرانی کا اثر خوراک پر پڑتاہے، خوراک کی کمی سے باشندون مین روز بروز جسمانی ضعف کے آثار نمایان ہوتے جاتے ہین۔

تقسیم دولت | علم الاقتصاد کے صیغہ "تقسیم دولت" پر جب ہم نظر ڈالتے ہین توہمکو معلوم ہوتا ہے کہ یہان کی تقسیم پیداوار یا دولت کا مسئلہ دیگر ممالک کے اس قسم کے مسائل سے بالکل مختلف ہے۔ دیگر ممالک مین سرمایہ اور مزدوری دو متضاد چیزین ہین۔ وہان مسئلہ یہ درپیش ہے کہ موجودہ دولت یکسان طور پر سب مین تقسیم نہین ہے۔ کوئی حد سے زائد امیر ہے تو کوئی حد سے زیادہ مفلس مفلسی اور تونگری مین جو حد فاصل وہان ہے یہان نہین۔ اسکے کئی وجوہ ہین مگر سب سے بڑا انکا سوشل نظام ہے جو انفرادی ہے جماعتی نہین جیسا کہ ہندوستان مین۔ یہان قانون وراثت اور جوائنٹ فیملی یا خاندان مشترکہ کی وجہ سے دولت کبھی چند افراد کے ہاتھون مین مجتمع نہین ہوسکتی۔

کبھی جمع بھی ہوئی تو خاندان مشترکہ مین جو تقسیم ہو سکتی ہے۔ پس یہان تقسیم دولت کے ضمن مین سوال صرف یہ ہے کہ جو دولت پیدا وار کی شکل مین ہوتی ہے وہ کیونکر تقسیم کیجائے کہ پیداوار کا ہر فیکٹر جتنا اسکو ملنا چاہیے حاصل کر سکے۔ اسی کے ساتھ دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیونکر تقسیم مین وہ نقصان نہ اٹھانا پڑے جو بیشمار دلالون اور تاجرون کی تقسیم مین حصہ لینے سے سب کو اٹھانا پڑتا ہے مبادلہ کی جو مشینری یہان ہے اور جو لاتعداد درمیانی لوگون پر مشتمل ہے وہ بہت ہی مضر او نقصان دہ ہے۔ اس معاملہ مین ہندوستانی تمنا یہ ہے کہ یہان بھی دیگر ممالک کی طرح امداد باہمی کی انجمنون کے ذریعہ مبادلہ اور تقسیم اشیا کا کام کیا جائے۔ ایک انجمن کے ممبر تھوک فروشون یا مال کے پیدا کرنیوالون سے مال خرید کر آپس مین لے سکتے ہین اور اسطرح جو بچت ہو اسکو جسطرح چاہین صرف کر سکتے ہین۔ اگر درمیانی تاجرون کا منافع مال کی بازاری قیمت سے نکال دیا جائے تو نرخ مین کماحقہ ارزانی ہو سکتی ہے۔ مگر ایسی انجمنون کے لیے ضروری ہے کہ امداد باہمی کے اصولون سے خوب واقف ہون انپر عمل کرنا اپنا عین فرض سمجھین اور انجمن کی ترقی مین اپنی ترقی خیال کرین۔ جو چیز خریدین وہ انجمن کے ذریعہ سے اور جو چیز فروخت کرین وہ بھی انجمن کے ذریعہ۔ اسطرح کاشتکارون کی انجمنین انکو بیحد فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہین کیونکہ جہان انکو خرید کیا ہوا مال بازار سے ارزان قیمت پر ملے گا وہان فروخت کیے ہوے مال کی موجودہ سے زائد قیمت ملے گی کیونکہ ابھی تو انکو مال ایسے وقت مین ایسے لوگون کے ہاتھ فروخت کرنا پڑتا ہے جنکے وہ بے دام کے غلام سے ہوتے ہین۔

سرکار کا صنعت سے تعلق | آخری اہم مسئلہ یہ ہے کہ سرکار ہند کا صنعت سے کیا رشتہ ہونا چاہیے ہندوستانیون کا خیال ہے کہ ہندوستانی صنعتون کو جانکاہ مقابلون سے محفوظ کرنا چاہیے۔ موجودہ رائے کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۲۰ء کی امپیریل لجسلیٹو کونسل نے بہت زور سے یہ رائے دی تھی کہ ہندوستانی صنعتون کے بچانے کیلیے محفوظ تجارت کا اصول برتنا ضروری ہے جسمین صرف یہ استثنا ہو کہ برٹش ایمپائر کی تجارت کے ساتھ ترجیح کا اصول کام مین لایا جاوے گا۔ جدید فارم اسکیم جسپر سرکار کاربند ہے ظاہر کرتی ہے کہ ہندوستان کو مالی معاملات مین یہ حق ملا ہے کہ اپنا نرخنامہ جنگی بحری جسطرح چاہے مرتب کرے۔ گذشتہ کونسل نے انگریزی کپڑے پر

محصول بڑھا دیا - اسپر سرکار اور پبلک کے نمایندے دونون متفق تھے مگر لنکاشائر والون نے بڑا واویلا مچایا جسپر پارلیمنٹ مین انکو یہ جواب دیا گیا کہ رفارم کی روسے گورنمنٹ انگلستان اس معاملہ مین دخل دینے سے معذور ہے - سکریٹری آف اسٹیٹ ہند نے بھی لنکاشائر اور مینچسٹر کے وفود کو اسی طرح کے دندان شکن جواب دیے - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان کا اسمین فائدہ ہے کہ کسی مال پر محصول لگائے اور پبلک اور گورنمنٹ دونون اس بات پر متفق ہین تو سکریٹری آف اسٹیٹ ہند یا برٹش پارلیمنٹ کسی کو دخل دینے کا حق نہین - ابھی تک لنکاشائر والون کی راے سے روئی کے کپڑے پر محصول لگایا جاتا تھا اور سرکار ہند اپنی مرضی کے خلاف بھی کارروائی کرنے پر مجبور ہوتی تھی اور کئی دفعہ ایسا ہوا مگر اب ایسا ناممکن ہوگیا ہے اور یہ رفارم کی سب سے بہتر قسط ہے -

اسکے بعد صنعتون مین سرکاری امداد کا سوال ہے ہندوستان کو جو امید ہے اسکو سکریٹری آف اسٹیٹ ہند نے اپنے مراسلہ مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۱۹ء مین بہت خوبی سے ظاہر کیا ہے - اُنکے الفاظ یہ ہین کہ بلا شبہہ گورنمنٹ ہند کو ملک کی صنعتی ترقی مین پرجوش حصہ لینا چاہیے - سرکاری مدد مختلف صورتین اختیار کرسکتی ہے مثلاً تحقیق اور تجسس کا کام - قدرتی ذرائع و وسائل کی جانچ ٹکنکل اور سائنس کے اصولون پر صلاح و مشورہ - تعلیم کے وسائل بہم پہونچانا - تجارتی اور صنعتی معلومات بہم پہونچنے کا انتظام کرنا - کارخانے اس منشا سے قائم کرنا تاکہ عوام کو کسی خاص صنعت کی طرف رجحان ہو اور اسکو کامیابی کے ساتھ چلانے کا عینی ثبوت ملے

گورنمنٹ کو جن چیزون کی ضرورت ہوتی ہے اُنکا ہندوستان ہی مین خرید کرنا - چاہے یہ معمولی طریقہ مین ہو یا چاہے اس بات کی گارنٹی کرکے ایک مدت مقررہ تک مال لیا جاویگا - غالباً مالی تجاویز بھی مثلاً محصول درآمد و برآمد لگانا اسمین شامل ہین - اسکی کئی مثالین ابتک مل چکی ہین - ایک تو شکر پر محصول کا اضافہ - دوسرے خام چمڑے کی برآمد پر ۱۵ فیصدی کا محصول جانا کہ اسمین ایک بات یہ ہے کہ اگر چمڑا برٹش ایمپائر کے ممالک کو جائے تو ۱۰ فیصدی کی واپسی ہو - اسکے علاوہ گزشتہ بجٹ مین شکر کے محصول مین اور اضافہ ہوا ہے - اسکے علاوہ سگرٹ اور شراب وغیرہ کے محاصل پر بھی بیشی ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہمارے نمایندے

کونسلون مین اپنا فرض ادا کرین تو ہندوستان کی صنعتی ترقی مین کوئی رکاوٹ حائل نہین ہوسکتی

مغرب کی تقلید یا اپنی تائید | اقتصادیات ہند کی تحت مین یہ بات بھی غور طلب ہے کہ ترقی کیونکر ہوسکتی ہے - مغرب کی تقلید مین یا اپنے پرانے طریقون کی تائید مین - ایک طرف تو یہ حال ہے کہ کام چھوٹے پیمانہ پر ہوتا ہے چھوٹے چھوٹے کارخانے ہین جسمین کہ صرف خاندان یا گھر کے آدمی اور چند مزدور پیشہ شامل ہین - دستکاری یعنی ہاتھ سے کام کرنے کا طریقہ رائج ہے - سرمایہ بہت کم ہے اور کام کرنے والے خود ہی بناتے ہین اور خود ہی اُسکو فروخت کرتے ہین - دوسری طرف یعنی مغرب مین حال یہ ہے کہ کام بہت اعلی پیمانہ پر ہوتا ہے - مشینری سے مدد لیجاتی ہے سرمایہ لاتعداد لگایا جاتا ہے - بڑے بڑے کارخانے ہین جنمین ہزارون کی تعداد مین مزدور کام کرتے ہین - ہر کام مشین سے ہوتا ہے اور صرف مشین کی نگرانی یا چند مختصر کام مزدوران کے ہوتے ہین - مہتمم کارخانہ تیار شدہ مال کو ایجنٹون کے ذریعہ سے فروخت کرتا ہے - انکے یہان ت نئے طریقے ایجاد ہوتے ہین اور کل دنیا کا سازوسامان خام مال کی شکل مین انکو بہم ہونچ سکتا ہے اور انکا تیار کردہ مال دنیا کے چپے چپے مین پہونچتا ہے اسلیے وہ مال کو ت زیادہ مقدار مین تیار کردیتے ہین اور شرح منافع کم لگانے پر بھی لاکھون کے وارے بارے کرتے ہین - نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت سمٹتی چلی آتی ہے اور مفلس اور تونگر طبقہ مین ش مکش بڑھتی چلی جاتی ہے -

ہندوستان مین ایک طبقہ کا خیال ہے کہ اگر ہندوستان صنعتی لحاظ سے ترقی کرسکتا ہے یورپ کا طریقہ اختیار کرکے جسمین کام بڑے پیمانہ پر کیا جاتا ہے - ایک لحاظ سے یہ خیال ..ی ہے کیونکہ جب ہم دیکھتے ہین کہ ہم مفلس ہین اور مغرب تونگر تو ہمارا یہ خیال ہونا واجبی ہے کہ اس تونگری کی کنجی کچھ انکے طریقہ کار مین ہے اور اسی اصول پر ہندوستان سے افلاس ر ہوسکتا ہے دوسرا طبقہ جس نے مغرب کے طریقون کی نزدیک سے جانچ کی ہے - وہ کہتا ہے دولتمندی کے لحاظ سے چاہے مغرب کا طریقہ برتر ہو مگر اخلاقی خیال سے اسمین چند سخت ..ائیان پیدا ہوجاتی ہین - انکا ظہور ہندوستان مین بھی ہونا شروع ہوگیا ہے - یورپ اور

امریکہ مین سرمایہ وارون اور منتظمین صنعت ایک طرف اور مزدور پیشہ جماعت دوسری طرف انمین سخت ان بن ہے - یہی صورت یہان بھی پیدا ہو چلی ہے - ہمارا فرض ہے کہ ہم ٹھنڈے دل سے اسپر غور کرین کہ وہ کونسا طریقہ کار ہے جسکے ذریعہ سے افلاس بھی دور ہو سکے اور ہم ان برائیون سے بھی بچ سکین

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ پرانی صنعتون کو از سر نو زندہ کرنا اور پرانے انتظام کے طریقہ کی تجدید کرنا فیکٹری سسٹم کے مقابلے مین لوہے کی دیوار سے سر ٹکرانا ہے اسکا نتیجہ سوائے ناکامیابی کے اور کچھ ہو نہین سکتا - اسکے جواب مین صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب تک کوئی کام سر انجام نہ پاجائے اسکو ناممکن ہی کی فہرست مین شمار کرتا رہے - ہندوستان سے صنعتون کے لیے بھی سرمایہ مل سکتا ہے - اور بیشمار کمپنیون کے اجرا نے اسکو پایۂ ثبوت تک پہونچا دیا ہے - اسی طرح جب تک ہمکو انگریزی مال پر چنگی لگانے کے لیے آزادی نہ تھی اسوقت تک آزادی کا ملنا ناممکن خیال کیا جاتا تھا مگر جب سے ہمنے لنکا شائر کے مال پر اپنے یہان کے مال سے زیادہ چنگی لگادی یہ تسلیم کیا جانے لگا کہ رفارم نے ہندوستان کو فسکل آزادی عطا کر دی ہے اور چنگی کے معاملہ مین دست اندازی کرنا رفارم کو رد کرنیکے برابر ہوگا جبتک ہندوستانی گورنر نہین ہوا تھا اسوقت تک کسی ہندوستانی کا اس عہدہ پر متمکن ہونا خلاف عقل معلوم ہوتا تھا پس ناممکن کا تو سوال ہی فضول ہے - اگر باقاعدہ اور استقلال کے ساتھ کوشش کیجائے تو کوئی وجہ نہین ہے کہ چھوٹے پیمانہ پر کام ہوتے ہوئے بھی ہماری پرانی صنعتین از سر نو زندہ نہو جائین اور وہ اتنی مقتدر ثابت نہون کہ بڑے پیمانہ پر کام کا مقابلہ کر سکین - چھوٹے پیمانہ پر کام کرنیوالون کے نقائص یہ ہین - اول ان کو معلومات نہین ہوتی - دوم انکو مناسب تربیت نہین ہوتی کہ ترقی یافتہ طریقون پر کام کر سکین یا اسطور سے کام کرین کہ محنت کم پڑے اور کام کا ماحصل زیادہ ہو - سوم سرمایہ کی کمی اور چہارم پریس کے اصولون اور طریقون کی عدم موجودگی -

یہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے کہ گورنمنٹ ہند نے ہندوستانی صنعتی ترقی مین سرگرمی سے حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے یہ کیون ؟ یہ ایک دوسری بحث ہے مگر مجملاً یہان پر یہ عرض

کردینا ضروری ہے کہ دنیا کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے دوسری جنگ ہو جسمین سرکار کو بھی حصّہ لینا پڑے اور گزشتہ جنگ کی بہ نسبت ذرائع آمد و رفت مین ہندوستان اور انگلستان کے درمیان دشمنون کے بندش کامیاب ہو تو اس حالت مین ہندوستان کو ایسا ہونا چاہیے کہ کل سامان جنگ طیار کرنے کے قابل ہو تاکہ جنگ کو کامیابی کے خاتمہ پر پہونچا سکے اور بغیر صنعتی ترقی کے کسی ملک کو یہ بات حاصل نہین ہو سکتی - غرض ہندوستانی گورنمنٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ ہندوستانی صنعتی ترقی کی نشو ونما کیجائے پس اُسکے لیئے بہت آسان ہے کہ چھوٹی صنعتون کے مالکون اور کام کرنے والونکو جدید سے جدید طریقون اور اوزارون کا علم بہم پہونچائے اور جہان ضرورت ہو اُنکی ترتیب کے لیئے سہولتین پیدا کرے - چھوٹی صنعتون کی قومی اہمیت کو دیکھتے ہوئے گورنمنٹ سے یہ امید کرنا مصلحت وقت ہو اور اسطرح پہلا اور دوسرا نقص مٹ سکتا ہے - تیسرے اور چوتھے نقص بہت آسانی سے اسطرح دور ہو سکتے ہین کہ صنعتون کو امداد باہمی کے اصُول پر چلانیکا بندوبست کیا جائے - یہ اغلب ہے کہ ہندوستان مین جہان مزدوری اور ملکونکے مقابلہ مین سستی ہے ممکن ہے کہ امداد باہمی کے اُصولون پر کام کا انتظام کرنیسے چھوٹی صنعتین بڑے صنعتونکے مقابلہ مین اور انسانی طاقت بمقابلہ مشین کی طاقت کے سربر ہون اگر مناسب رہبری اور گورنمنٹ کی مدد شامل حال رہے - اگر ہم بجائے انسانی طاقت کے کام کرنے کے اپنے مزدورون اور پیشہ ورونکو مناسب قیمت کے موٹر مہیا کر سکین جنمین نقصان کا کم امکان ہو تو بڑے بڑے سرمایہ دارون اور بڑے بڑے اسٹیم انجنون کا مقابلہ کر سکتے ہین اور نہ صرف ہمارے دیہی اور گھریلو صنعتین بار آور ہو سکتی ہین بلکہ ہم اس قابل ہو سکتے ہین کہ بڑے پیمانہ پر صنعتون کے بجائے چھوٹے پیمانہ پر کامیابی کے ساتھ صنعتین چلا سکین اور بڑے پیمانہ والی صنعتون کا مقابلہ کر سکین - مغرب ہی مین اس کامیابی کا راز کھلا ہے - وہان تیل یا گیس یا بجلی کے ایسے انجن موجود ہین جنکی مدد سے چھوٹی صنعتین بام کامیابی پر قدم رکھ سکتی ہین اور جو ہمارے یہان کے صنعتون کے مناسب حال کام دیسکتے ہین -

اقبال بہادر سکسینہ

روح ادب

اگر شاعر کو ہم کسی تاویل سے (اصطلاحات فلسفہ کا تمام احترام ملحوظ رکھتے ہوے) مُدرک کہہ سکتے ہین تو یقیناً شعر کو مظہر ادراک و نتیجہ احساس ماننا پڑے گا۔ یا زیادہ سے زیادہ بلیغ انداز مین یہ کہنا پڑے گا کہ شعر نام ہے "بصارت کا بصیرت مین منتقل ہو کر الفاظ سے ظاہر ہو جانے کا" ہر چند یہ شاعر و شعر کی جامع حد نہین جسے کوئی فیلسوف بغیر کسی برہمی کے سُن یا دیکھ سکے۔ لیکن محض سمجھانے کے لیے اسقدر کہدینا غالباً مفید علم و یقین ہوگا۔

بہرحال وہ شخص جو مطالعۂ فطرت کا خوگر نہو، اور اس حالت انہماک و استغراق مین اپنی وجدانی کیفیت کا اظہار الفاظ کے ذریعہ سے نہ کر سکے۔ وہ یقیناً حقیقی شاعر نہین ہو سکتا۔

غرض یہی ہے وہ امر مابہ الامتیاز جو فطرت اور فن کی شاعری کو ایک دوسرے سے علٰحدہ کر دیتا ہے اور یہی ہے معیار جسکو پیش نظر رکھکر ایک شاعر کے کلام پر تنقید کی جا سکتی ہے۔ پھر ایک شاعر جسقدر زیادہ اپنے صحیح و عمیق جذبات فطرت سے متعلق کریگا اُسی قدر وہ مدارج شاعری کے لحاظ سے کامیاب، بالغ نظر، نکتہ شناس، یا حقیقی شاعر سمجھا جائے گا۔

یہ تو بیان ہوا غیر صنعتی شاعر کا جس سے شعر کی ابتدا ہوئی۔ اور غالباً اسی پر اختتام ہوگا۔ اب رہی آرٹ کی شاعری، اور اسکے اُصول، یقیناً وہ بھی بیکار چیزین نہین، البتہ صرف اُنکا حصول شاعری نہین اور نہ ایک شخص اُنکے وقوف سے شاعر بن سکتا ہے۔ جبتک قدرت خود اُسے شاعر نہین پیدا کرتی اور جب قدرت شاعر پیدا کر دیتی ہے تو اسمین شک نہین کہ پھر وہ اپنے کلام کو بہت بلند بنا سکتا ہے۔

جب انھین اصول کو پیش نظر رکھکر ہم روح ادب کا مطالعہ کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جوش واقعی فطرت کی طرف سے نہایت ذکی الحس۔ متاثر قلب اور ذہین دماغ لیکر

آئے ہیں۔ اور انھیں شاعر ہونے کی کافی اہلیت موجود ہے۔

روح ادب مجموعہ ہے جناب جوش کے نظم و نثر کا۔ یہ کتاب حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کی رائے سے شروع ہوئی ہے اور اسکے بعد جناب شرر کا تبصرہ ہے۔ میرے نزدیک اس نوع کا تبصرہ یا تقریب و تقریظ صرف اُن کتابوں کے لیے ضروری ہے۔ جنھیں اصول تجارت پر شائع کیا جاتا ہے یا پھر اُن مصنفین کو ضرورت ہوتی ہے جنھیں اپنی تصنیف پر اعتماد نہیں ہوتا۔ اور شاید جوش صاحب کے لیے ان دونوں میں سے کوئی بات اس تمہید و توصیف کی مقتضی نہ تھی۔ اور اگر واقعی جوش صاحب کا کلام ایسا نہیں ہے تو صرف حضرت اکبر الہ آبادی یا حضرت شرر لکھنوی کی تعریف اُسے مقبول نہیں بنا سکتی البتہ مقدمہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے مگر وہ بھی صرف اس حد تک کہ مصنف کی سیرۃ ضبط تحریر میں آجائے لیکن افسوس ہے کہ رفیع احمد صاحب اپنے حدود سے بہت متجاوز ہوگئے ہیں اور انھوں نے جناب جوش کے کلام پر تنقید کر کے مقدمہ کی حقیقی روح کو ضائع کر دیا۔

اس مقدمہ کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے اور سب سے پہلے انتساب کی عبارت نظر آتی ہے جسمیں جوش صاحب نے نظم کی سی نزاکت قائم رکھنے کی بہت کوشش کی ہے۔ الفاظ تو اچھے ہیں لیکن اظہار جذبات کے لیے موقع و محل کے لحاظ سے جن الفاظ کی ضرورت تھی وہ جوش صاحب فراہم نہیں کر سکے اور نہ بیان کا وہ عجز باقی رہ سکا ہے جو اس نوع کی تحریر اور مناظر فطرت سے تخاطب کے لیے ضروری ہے۔

نثر بمقابلہ نظم سے زیادہ وسیع ہے اور اسمیں ہر طرح کے جذبات و تاثرات کا آسانی کے ساتھ بیان ہوجانا ممکن ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نثر میں شاعری کرنا نظم سے زیادہ دشوار ہے وہ اسکے لیے غیر معمولی کیفیت اپنے اوپر طاری کر لینے کی ضرورت ہے جو بہت مشکل سے پیدا پیدا ہو سکتی ہے۔ تمہید کی عبارت یہ ہے۔

اے صبح صادق۔ اے عروس فطرت۔ میں اس ناچیز تصنیف کو تیرے نورانی قدموں سے مس کرنے لایا ہوں۔ اسے قبول کر۔ اگر تو نہ مسکرائی تو کارخانۂ قدرت میں فور

کرنے والا شاعر لوح محفوظ کا مطالعہ کبھی نہ کرسکتا۔ اور نہ شاہد معنی کا رخسار ہی دیکھ سکتا۔

اسمین صادق۔ ناچیز۔ کارخانہ۔ شاہد معنی۔ رخسار۔ وہ الفاظ ہین جنھون نے بہت عمومیت پیدا کردی۔ کاش جوش صاحب اس عبارت مین اور بلندی پیدا کرتے۔

نثر کے تمام مضامین مین جوش صاحب نے ٹیگور کا تتبع کرنے کی کوشش کی ہے اور غالباً اسی اکتساب لذت کے اصول پر جو غالب کو "سعی بے حاصل" سے ہو جاتی تھی۔

کتاب کی ترتیب اسطرح کی گئی ہے کہ سب سے پہلے نثر ہے۔ اسکے بعد نظم، پھر غزلیات اسکے بعد سیر گل۔ آئینے اور ستارے کے ماتحت اشعار ہین اور پھر تازہ پھول کے عنوان سے چند اوراق نثر کے ہین اور اسکے بعد پھر پانچ نغمہ کے تحت مین اشعار ہین۔ اسلیے یہ کہنا ذرا مشکل ہے کہ اس ترتیب مین کن اصول کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ نثر مین بعض بہا موتی خوب ہے

(۱) خوشی کے پھول کو زیادہ پیار نہ کر۔ ورنہ دب کر اسکی پنکھڑیون سے غم کا عرق ٹپک پڑے گا۔

(۲) مہ رخون کی سخت مزاجی اور حسینون کی سخت دلی نے یہ بات مجھپر واضح کردی کہ حسن کے نقش ونگار ہمیشہ پتھر ہی پر کھود دے جاتے ہین۔

اسکے علاوہ۔ عجیب شیرینی۔ شاید وہ آجائے۔ جنگ کا باعث۔ عقلین سلب، بدترین اذیت وہ ٹکڑے ہین جن سے جوش صاحب کے ذوق فطرت پرستی کی نسبت منصفانہ تبصرہ کرنے والا اچھی رائے نہ قائم کرسکے گا۔

نظم کا حصہ، ترانۂ بیگانگی سے شروع ہے اور برق عرفان پر ختم ہوا ہے۔ اس حصہ مین تمامتر وہ جذبات ظاہر کیے گئے ہین جنکا تعلق فطرت و مناظر فطرت اور اسکی حقیقت سے ہے اسمین اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ اپنی عدم دلچسپی اور فطرت کے دوام قیام کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار ہو جائے۔

گریۂ مسرت، ایک ہندی دوہے کا ترجمہ ہے۔ جوش صاحب کو فٹ نوٹ مین ظاہر کر دینا چاہیے تھا خیالات زرین بہت خوب ہے۔

ارمان بہت ہین کم کر دے ہستی یہ نہین اک غفلت ہے

آغاز سراپا دھوکا ہے، انجام سراسر عبرت ہے

کتنی اچھی تخئیل ہے اس سے جوش صاحب کے اس تعلق کا اظہار ہوتا ہے جو انکو فطرت کے ساتھ ہے
طوفان بے ثباتی کے عنوان سے ایک نظم ہے اسمین ایک شعر ہے

باغ عالم پر نظر کر غور سے — دوست کے پہلو سے آئی یہ صدا

ایسی صدا کاش جوش صاحب کے ہی پہلو سے آتی اور وہ خود ہی اس حقیقت کو سمجھ لیتے تو شعر بہت بلند ہو جاتا۔

آخری حصے مین پھر نظمین ہین۔ اور انمین ہماری سیر۔ رعشہ پیری خاص طور سے قابل ذکر ہین۔

وہ نظر ڈالتے ہین لہر دن پہ — اور ہم تہ مین ڈوب جاتے ہین
گھر پلٹتے ہین وہ ہوا کھا کر — اور ہم زخم کھاکے آتے ہین

پاکیزہ اشعار ہین۔

رعشہ پیری مین

نگہ بے نور ہو کر رات کا منظر دکھاتی ہے — تنفّس آہ بھرتا ہے قضا لوری سُناتی ہے
ضعیفی کا یہ رعشہ جس سے جنبش مین ہین سب اجزا — یہ ہے دراصل کیا کچھ عقل مین یہ بات آتی ہے
یہ ہے اک پالنا ڈوری ہلاتی ہین رگین جسکی — یہ اک جھولا ہے جسمین زندگی کو نیند آتی ہے

یہ ایک ہی بند مین ہے۔ اور حقیقت مین بہت خوب ہے۔ خاصکر آخری شعر تو قطعاً غیر فانی ہے۔
نظم کے دوسرے حصے مین غزلیات ہین۔ جوش صاحب نے انکو بھی نظم ہی کے رنگ مین پیش کرنا چاہا ہے مگر میرے نزدیک یہ ایک اُصولی غلطی ہے تغزل کا رنگ بالکل علیحدہ ہے۔ اور اسکو دوسری نوع کی شاعری مین شامل کر دینا کسی طرح مناسب نہین۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ جس حد تک تغزل کا تعلق ان اشعار سے ہے۔ جوش صاحب بہت کامیاب ہوئے ہین۔ بعض مقامات پر اُنھون نے نہ صرف سلیقہ سے کام لیکر دوسرون کے جذبات اپنے کر کے دکھا دیے ہین۔ بلکہ انمین ندرت وجدت بھی پیدا کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہون۔

وائے قسمت دل بھر آیا ہونٹھ تھرانے لگے — ہو چلا تھا کچھ اثر ان پر مری تقریر کا

کوئی آیا تری جھلک دیکھی — کوئی بولا سنی تری آواز

جب تم آتے ہو سامنے تو کوئی اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے
عزم اٹھتے ہوئے ہیں صبح کہ اب دل ارادہ سے کانپ جاتا ہے

کسطرح یہ دل کا رنج ہے، اللہ میں کیا تدبیر کروں آنسو ہیں کہ اُبلے پڑتے ہیں، دل ہے کہ وہ بیٹھا جاتا ہے

میری میت پہ کیوں تری تصویر دوستوں کو دکھائی جاتی ہے
لوگ مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں اُنھیں لاش میری اُٹھائی جاتی ہے

تیرے ملنے سے قبل بھی مجھکو تھا اگر اسقدر ملال نہ تھا

نہیں معلوم کیا کھوئی ہوئی شے یاد آتی ہے ہوا جب سرد چلتی ہے کلیجہ تھام لیتے ہیں

انکی صورت ذرا دکھا دینا منھ سے میرے کفن ہٹا دینا

چاندنی رات ہے سمندر ہے ہائے اُسوقت آپ بھی ہوتے

میرے رونے کا جسمیں قصہ ہے عمر کا بہترین حصہ ہے

ہر چیز کائنات کی لبریز یاس ہے دل کیا اُداس ہے کہ زمانہ اُداس ہے

یوں مسکرا رہے ہو کہ دل کو نہ کل پڑے کیا چاہتے ہو منھ سے کلیجہ نکل پڑے

کل شب کو چاندنی میں پھر اسکی یاد آئی ہم جانتے تھے دل سے وہ محو ہو گیا ہے

آ نکلے ہو تو تم بھی کچھ حال دل کا سن لو گذرا ہے جو ادھر سے کچھ دیر رو گیا ہے

جوش مر رہنے کی جی مین ٹھان لین ابتو اس دل ہی کا کہنا مان لین

خموشی دیکھکر دل زندگی سے ہٹ گیا ہوتا اگر تم ہنس نہ دیتے تو کلیجہ پھٹ گیا ہوتا

جس لطافت و پاکیزگی سے اپنے جذبات نظم کیے گئے ہین وہ یقیناً مستحق ستائش ہین ان اشعار مین کنایہ - انداز بیان - اور جذبات کی الگ الگ مثالین موجود ہین اور اُن سے ہر شخص لطف اُٹھا سکتا ہے - تغزل کے لیے جس خوبی کی ضرورت ہوتی ہے اور جتنی شیرینی اسمین ہونی چاہیئے وہ سب موجود ہے - کہین کہین کلام مین رنگینی و رعنائی بھی پیدا ہو گئی ہے اور بعض جگہ کمال یاس و ناامیدی کے جذبات اسطرح ادا ہو گئے ہین کہ جوش صاحب کا کلام یقیناً حضرت اکبر یا شرر کی تعریف سے بے نیاز ہو جاتا ہے -

جوش صاحب کا اکثر کلام اسی رنگ مین ہے لیکن کہین کہین اُنھون نے اتنا عامیانہ رنگ پیدا کر دیا ہے جسکو دیکھکر حیرت ہوتی ہے - مثلاً

ہر اسٹیشن پہ دو اک زخم کاری دل پہ کھاتے ہین سفر کرتے ہین یا ہم جنگ کے میدان مین جاتے ہین

رنگین رخون نے ذبح کیا دل کو ریل پر مرنے کو اور جائے پنجاب میل پر

یون ہم اس شوخ کو پہلو مین لیے بیٹھے ہین کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ پڑے بیٹھے ہین

آخری شعر کا پہلا مصرعہ - تو میرے نزدیک جوش صاحب کی شاعری کیلیے حقیقی معنی مین ننگ ہے

آپ اک جلوہ سراپا مین سراپا اک نظر اپنی حاجت دیکھیے - میری ضرورت دیکھیے

حضرت اکبر مرحوم کا شعر ہے

دنیا کی کیا حقیقت اعدم سے کیا تعلق وہ کیا ہے اک جھلک ہم کیا ہین اک نظر مین

میری حالت دیکھیے ان کی صورت دیکھیے ہر نگاہ ذرے سے قانون قدرت دیکھیے

خوب ہے۔معشوق کی لابہ گری اور عاشق کی جامہ دری۔گویا قانون قدرت کی مجمل تفسیر ہین داغ نے بھی صورت وقدرت کو لکھا ہے۔اور کسقدر حسن کے ساتھ۔

تیری صورت کو دیکھتے ہین ہم　　اُسکی قدرت کو دیکھتے ہین ہم

الجھن سی یکایک ہوتی ہے دم رکتا ہو دل بھر آتا ہے　　جب کوئی تسلی دیتا ہے کچھ اور بھی گھبراتا ہے

تسلی دینے کے بعد بھی جی کا گھبرانا۔وہ جذبات ہین جو میر کا مطمح نظر رہے ہین۔

دل کے معموری کی مت کر فکر فرصت چاہیے　　ایسے ویرانے کے ابسنے کو مدت چاہیے

ساری دنیا ہے ایک پردۂ راز　　اُف رے تیرے حجاب کے انداز

غالب کا فلسفہ کچھ اور ہے

محرم نہین ہے توہی نواہاے راز کا　　یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

کتاب کے شروع مین جوش صاحب کی تصویر ہے، اسکے علاوہ جابجا اور بھی دلکش تصویرین ہین مگر بعض توحد درجہ ناموزون ہین۔ اگر تصویرون کی ضرورت تھی۔تو انمین ایشیائی مذاق پیدا کرنا چاہیے تھا۔اُمید ہے کہ دوسرے اڈیشن مین یہ نقص دور کردیا جائیگا، جو جناب جوش کی سلیم المذاقی پر بدنما داغ ہے۔

قمر بھوپالی

ترانۂ عید

دنیا مین آج سب کو خوشی بیقیاس ہے
او غم نصیب آج بھی تو وقفِ یاس ہے
احسن یہ محویت یہ خموشی یہ بیخودی
کیا آج عید مین بھی ترا دل اوداس ہے

احسن سنبھلی

کلام نہال

نہال الدین صاحب نہال - موضع ڈہکیا - ضلع پیلی بھیت کے رہنے والے تھے تعلیم پرائیوٹ طور پر حاصل کی تھی - فارسی مین کامل دستگاہ رکھتے تھے - مبدء فیاض نے شاعرانہ دماغ عطا کیا تھا۔ عنفوان شباب مین "کسی" کے حسن کی کارفرمائیون اور سحر اثر نگاہون نے ایسا ازخود رفتہ بنا دیا کہ آخر عمر تک دیوانہ ہی رہے - چار ابرو کا صفایا اُنکی وضع خاص مین داخل تھا" خذ ما صفا اور دع ما کدر" کی قیود سے بالکل آزاد تھے - ناکامی جاوید نے عشق حقیقی کا راستہ دکھا دیا تھا - ان کا تمام کلام حقیقی جذبات اور وجدانی حسیات سے لبریز ہے جو چوٹ کھائے ہوئے دلون پر نوک نشتر کا کام دیتا ہے - شاعری مین اُنکو کسی سے "تلمذ" نہ تھا - جب دل مین درد اُٹھتا تھا - جب "کسی" کی یاد بیچین کر دیتی تھی جب کسی کا تخیل غمناک بنا دیتا تھا تو جذبات خود بخود دیوانہ وار شعر کی صورت مین ظاہر ہوتے تھے ، اور یہ جنون پرست شاعر کاغذ یا ٹھیکری پر اونھین لکھکر پھینک دیا کرتا تھا ، قدر دانان سخن انکے کلام کو چن چن کے حرز جان بنا لیتے تھے ، مجھے بھی ایک محترم دوست کی بدولت انکے کلام کا کچھ حصہ مل گیا ، پڑھتا ہون اور لطف اُٹھاتا ہون ، آج ان الہامات شاعری کو ناظرین زمانہ کی خدمت مین بھی پیش کرتا ہون ،

حقیقت یہ ہے کہ سوز گداز نہال کے کلام کا خاص حصہ ہے - کہین کہین شوریدگی کی جھلک بھی نظر آجاتی ہے ، بعض بعض الفاظ بیمحل استعمال ہوئے ہین ، لیکن تخیل مین جذبات کا رنگ غالب ہے -

اس کا علاج کیا ہے - تباہ چارہ گر مجھے | صحت مین یاد آتے ہین زخم جگر مجھے
دن رات ہے تو ہم وحشت اثر مجھے | جادو سا کر گیا ہے وہ جادو نظر مجھے
کچھ آرزوئے وصل ہے ، نے جستجوئے یار | وحشت پھرا رہی ہے یونہی دربدر مجھے

نے عمرِ بے ثبات نہیں اسپہ اعتبار — عبرت سکھا گیا یہ چراغِ سحر مجھے

تاریکیٔ لحد مین ذرا آگئی ہے نیند — اے خوابِ زلفِ یار پریشان نہ کر مجھے

محشر میں ہاتھ جوڑ کے ظالم نے ای نہال — کس لطف سے کہا ہے کہ رُسوا نہ کر مجھے

مطلع پڑھیے اور دل تھام کر رہجائیے - آخری شعر کو پڑھکر گھنٹوں وجد کیجیے - خدا جانے نہال نے یہ کیا کہدیا ہے - اِس غزل مین جذبات کے علاوہ تخیئل کی بلند پروازی اور زبان کی شستگی بدرجۂ اتم موجود ہے اور جب یہ خیال کرکے پڑھیئے کہ یہ اس دیوانے کی غزل ہے جو ہوش وحواس سے بیگانہ تھا، تو استعجاب کے ساتھ لطفِ کلام کی بھی حد باقی نہیں رہتی -

بال کھولے سرِ بالین نہ کوئی آبیٹھا — ہم نے مانا کہ طبیب آئے - دوا بھی آئی

مار ڈالیگی کسی کو یہ ادا بگڑی ہوئی — رنگ رُخ اُترا ہوا - زلفِ رسا بگڑی ہوئی

"بال کھولے" کو پڑھکر جذبات مین ہیجان پیدا ہو جاتا ہے - دونون شعر مذاقِ سلیم کے لیئے بہت زیادہ کیف انگیز ہین -

نہال کا فارسی کا کلام جذبات وتاثر - تخیئل بندش اور زبان کے اعتبار سے بہت بلند ہے اور میرا تو یہ خیال ہے کہ انکا فارسی کلام - اُردو کلام سے بلند تر ہے - کیا خوب فرمایا ہے:-

صبر و سکونِ عاشقان دیدنِ روئے خوبِ تست — عیش ونشاطِ زندگی ساقی دساغر وسبو است

اناالحق شورشِ دل بود - شب جائیکہ من بودم — خیالِ غیر - باطل بود - شب جائیکہ من بودم

ہمہ اسبابِ عالم - اینکہ پیشِ تُست دمے بینی — بہ اصلِ خویش مایل بود شب جائیکہ من بودم

ملائک بہر دربانی - من دیارم - بہ ایوانے — مرا این عیش حاصل بود شب جائیکہ من بودم

درآن وادی پُرحیرت - نہ کس یارے نہ غمخوارے — گر درد تو - در دل بود شب جائیکہ من بودم

تنِ پُرخون - نہالِ خستہ - پیشِ خاک درقصان — سرِ ششِ بہ پائے قاتل بود شب جائیکہ من بودم

شنیدم از پیکِ صبا میرسد — نوید آمدِ دل رُبا - میرسد

بآغوشم آمد کہ در خواب رفت — زانفاس سردم ہوا میرسد
قریب است آن مونسِ انس — کہ آواز قانو بلی میرسد

اے مزاجش بہ اعتدال نہ شد — بادۂ انگبین خمار آورد
اندرین وحشتِ خارزار جہان — مائی آمدیم یار آوردم
خلق ہمچو نسیم این کہنہ آل — دست بر قلب بیقرار آورد

نہال عالمگیر جنگی بخار کی دستبرد سے جانبر نہ ہو سکے۔ اور اب وہان پہونچ گئے ہین جہان ہماری آرزوئین رہا کرتی ہین۔ ہم نہال مرحوم کے اردو کلام کا کچھ حصّہ ناظرین زمانہ کی ضیافت طبع کے لیئے پیش کرتے ہین، ارباب نظر ان ادبی جواہر ریزون کی قدر کرین اور اور مرحوم کی روح پر دعائے خیر کے پھول برسائین۔

"مجنون۔ جو مر گیا ہے۔ تو جنگل اداس ہے"

تم جس طرح سے چاہو۔ روا ہے تمہین ستم — مین نامرادِ عشق ہون گلۂ جفا کا کیا
جل جائے کوئی۔ برقِ تبسم کو کیا غرض — بجلی گرے کہین۔ نگہ سرما سا کا کیا
جانے کے بعد آپ کے رویا بہت نہال — کہتا تھا۔ ہائے عشق۔ کسی بے نوا کا کیا

جب مستِ ازل نے خم و خمخانہ بنایا — عاشق کی مومی خاک سے پیمانہ بنایا
اصلاح ہوئی صنعتِ صانعِ ازل کو — مشاطہ نے۔ خالِ رخِ جانانہ بنایا
فرزانگیٔ عشق گئی۔ عقل کو زک دی — اس حسن نے آخر مجھے دیوانہ بنایا
مخلوط ہوا آج نہال آپ سے مل کر — اک جام مین ساقی اُسے مستانہ بنایا

شعور کے پردہ مین آنے لگا — ترا حسن جلوے دکھانے لگا
یقین ہے کہ خون ہو گیا۔ لختِ دل — جو اشکون مین مل مل کے آنے لگا
عجب طرح چھیڑا گیا سازِ عشق — کہ واعظ نیا راگ گانے لگا

یہ نہ پوچھ۔ اے بُتِ ناہوش۔ مرا حال فراق مین کیسا رہا
کہ عجب طرح سے مٹا ہون مین نہ فنا ہوا نہ بقا رہا

مرا دعویٰ عشق ہی خام تھا۔ مرے جذبۂ دل میں قصور تھا
جو مِلا تو تم سے نہ مِل سکا۔ جو جُدا ہوا تو جُدا رہا

کبھی آتشِ شوق بھڑک اُٹھی۔ کہ تمام جسم سُلگ گیا
کبھی دیدۂ تر سے مدد ملی کہ یہ آگ کا شعلہ دبا رہا

وان زلفیں سنواری گئین۔ اُنڈی ہین بیلائی تک — کس رُخ پہ پرستی سے گھٹا دیکھتے رہنا

یہ بھی کوئی انداز ہے۔ بیٹھے ہوئے پھر دن — آئینہ مین آپ اپنی ادا دیکھتے رہنا

کچھ ایسی ہی بیباک ہوئی ہین۔ وہ نگاہین — پردہ سے بھی آتی ہے حیا دیکھتے رہنا

تم آؤ تو میخانہ مین اک لطف ہے واعظ — پینا نہ سہی۔ مرد خدا دیکھتے رہنا

اک مایۂ صد نازنہ نہال۔ آپ کا دل ہے — لے جائیگی وہ زلف اڑا ہوتا۔ دیکھتے رہنا

شوخی تری رفتار کی۔ تجھسے بھی سوا مست — بیڈھب ترے انداز ہین۔ اے طرفہ ادا مست

ساغر پہ پڑا عکس ترے جوشش مین آئی — ہنسکر جو لیا جام۔ تو خمار ہوا مست

ہے اُترے ہوئے نشۂ الفت سے پریشان — فریاد ہے ساقی۔ کہ نہال اب نہ رہا مست

اے صبا۔ غیر کے گھر جانے کا دون خاک ثبوت — تو تو نقشِ کفِ پا۔ جاکے مٹا بھی آئی

بال کھولے۔ سرہانے نہ کوئی آ بیٹھا — ہم نے مانا کہ طبیب آئے دوا بھی آئی

اب کہان خانۂ دل مین مرے سامانِ نشاط — تیری الفت تو وہان آگ لگا بھی آئی

مشاطہ سے۔ اُس شوخ کا پوچھا تھا سراپا — ظالم نے بتایا۔ "دہن ایسا۔ کمر اتنی"

مین بیہوشش عزیزان بھی نہ ہوتا — اے واے ستم!۔ اے شوخیٔ برق نظر اتنی!

تم شام سے آجاتے تو ہوتی نہ قیامت — تکلیف نہ دیتا۔ مجھے درد جگر اتنی

تاثیر اجابت نہ سہی۔ کچھ تو قرین ہے — کا ہید گئی نالۂ عاجز اثر اتنی

"بسمل بریلوی"

تنقید کتب

حزنِ اختر

یہ مثنوی سُلطان عالم واجد علی شاہ جنت آرامگاہ کی یادگار ہے، اسمین وہ آنسو جمع ہین جو حالت اسیری مین اودھ کے آخری تاجدار کی آنکھون سے ٹپکے تھے، دائرۂ ادبیہ، نے ان سچے موتیون کو رشتۂ اشاعت مین پروکر دوبارہ ملک کے سامنے پیش کیا ہے۔

پہلی مرتبہ یہ مثنوی ۱۲۷۶ھ مین خود ظل اللہ جہان پناہ کے مطبع مٹیا برج مین چھپی تھی جہان گلزار اودھ کا یہ آخری پھول اپنی خزان اثر بہار کا تماشا دکھا رہا تھا، لیکن اب مدت سے اس کا کہین پتہ نہ تھا گویا اپنے مصنف کے ساتھ یہ بھی فنا ہوچکی تھی، خدا جانے مولانا محبوب علی نے کہان کہان کی خاک چھان کے اس گوہر گرانمایہ کو ڈھونڈھ نکالا، اور اُن آنسوؤن مین جو اس مثنوی کے ہر ہر شعر کے دامن مین اب تک پنہان ہین نئے سر سے ایک تازہ روانی اور ایک نیا سوز و گداز بھر دیا اودھ کے ڈوبتے ہوئے ستارے کی جھلملاتی ہوئی کرنوںکا نظارہ کرنا ہو تو حزن اختر، کا مطالعہ کرو، اسمین مظلوم بادشاہ اودھ کی وہ جگر خراش فریادین وہ جگر سوز آہین پنہان ہین جو حالت اسیری مین اُسکے مُنھ سے نکلی تھین، وہ کبھی کبھی اپنی بیکسی پر اس حسرت سے آنسو بہاتا ہے کہ آج بھی اُسکے اشک غم کا تصور ہیرے کی کنی بنکر دل مین اُتر جاتا ہے) وہ زندان کے مصائب یار آشناؤن کی بیوفائی، اپنی ناکردہ گناہی، اور قید فرنگ کی سختیان اس دردناک طریقہ سے بیان کرتا ہے کہ روح تڑپ جاتی ہے۔

حزن اختر کے شروع مین مولانا شرر لکھنوی کا زبردست مقدمہ ہے جسکی شان ہماری تعریف سے بالاتر ہے، اسکے بعد سلطان عالم حضرت واجد علی شاہ اختر فرمانروائے اودھ کا فوٹو ہے

پھر مثنوی کا آغاز ہے، حمد و نعت و منقبت کے بعد ایک پر درد ساقی نامہ ہے، ساقی نامہ کیا ہے گویا رندی و بیکسی کا ایک عبرتناک مرقع ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں،

پلا ساقیا وہ مئے سرخ رنگ — کہ ہو نشہ سے جس کے دلکو امنگ
کھنچے تاک انگور سے جو شراب — جو سونگھے سے دے بوئے عطر و گلاب
شراب مصفا کا اک جام دے — ذرا دخت رز کو یہ پیغام دے
کہ ہے طالب وصل اک بادہ خوار — ہے جام محبت کا اُن کو خمار
اکیلا ہے زندان میں اک مے پرست — شب و روز ہے خوف روز الست
مہینوں سے ہے طالب وصل یار — نہ زندان میں ہوگی نسیم بہار
نہ آتی ہے جان نہ نکلتا ہے دم — تجر ہو گئی رنج سے چشم نم
نہ تسکین کو ہو پر تو آفتاب — تماشے کو آتا ہے نہیں ماہتاب
ہوا بھی جو آتی ہے تو سہمگین — نہ یار و نہ مونس نہ کوئی قرین
رفیقوں نے چھوڑا اکیلا مجھے — سبھوں نے کنوئیں میں ڈھکیلا مجھے
عیال اور اطفال لوٹے گئے — جہان میں مرے لال لوٹے گئے
کوئی مضطرب ہے کوئی نالہ کش — کوئی پیٹتا ہے تو آتا ہے غش
بدن نار سطر سے مل مل گیا — کلیجہ مصیبت سے ہل ہل گیا
نہ کھانے کا اسباب ہو کچھ نصیب — نہ پانی کا ہے ذکر ہے کے قریب

دراصل یہ مثنوی، واجد علی شاہ کے مصائب کی سچی تاریخ ہے، جو خود انھیں کے خامۂ سحر آفرین کی ممنون نگارش ہے۔ یعنی جو جو واقعات انتزاع سلطنت سے لیکر، فورٹ ولیم کی قید، اور مٹیا برج کے قیام تک وقتاً فوقتاً پیش آتے رہے، اُن سب کو خود اُس محروم سلطنت نے نظم کا جامہ پہنا کر حزن اختر میں جمع کر دیا ہے،

تمہید، کے سلسلے میں جو اشعار لکھے ہیں، اُن کو پڑھکے اُنکی بیکسی کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ فرماتے ہیں،

وہ قصہ سنا جو سراسر ہو سچ — نہ اپنی طرف ہو نہ غیروں کی طرح

وہ قصہ سُنا جو گوا ہی رہے | فقیری مین بھی بادشاہی رہے
عجب وقت یہ داستان ہے لکھی | کہ تھا قید مین بخت بد خفتنی
قلم نہ سیاہی نہ کاغذ دوات | کہ نایاب ہو جیسے آب حیات
نہ قابو مین دل تھا نہ میرا دماغ | وہ کنج قفس یا کہ تھانے کا باغ

، قیدخانے کے حالات اسطرح لکھتے ہین ،

ہر انگلی کا عالم ہے جیسے قلم ، | دیا نار سطرے ہے وہ بھسم
یہ آنکھون کا عالم ہے فوارے ہین | دماغ و جگر رنج کے مارے ہین
بھرے تھے جو بازو مرے گول گول | بکین تو نہین اب وہ کوڑی کے مول
ہیتون ہوئے لگ گئے دونو پانو ن | نہ چلنے کی صورت نہ پھرنے کا داؤ ن
نہ گرمی کا رُخ سامنے کی وہ دھوپ | اڑا لی ہے ناطاقتی رنگ و روپ

اگرچہ بلحاظ طوالت ہم نے صرف چند شعر انتخاب کیئے ہین تاہم انہین سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ واجد علی شاہ کی بیکسی کا کیا عالم تھا، آگے چلکر، در صفت بیت الخلائے قیدخانہ، کے عنوان سے فرماتے ہین

پھر اُس پر غضب چار سنڈاس ہین | کہ مجھ دل جلے کے وہ سب پاس ہین
تعفن یہ جو ہوتی ہے برسات کی | یہ گھٹتی جو ہوتی ہے ہر رات کی
اُبھرتی ہے ہر غلط دان کی جو بو | کہ جیسے طرح مرچون کی ہو تند خو
سکتا ہے اس سے دماغ ضعیف | ہوا جاتا ہے اور بھی دل ضعیف

ان اشعار کو پڑھیئے، اور غور کیجیئے، کہ وہ شخص جسکے لیئے دنیا کی ساری آسائشین میسر ہون، اس بیکسی کے ساتھ قید مین زندگی بسر کرے تو اُسکے دل کی کیا کیفیت ہوگی، ایک مرتبہ لارڈ کیننگ نے خط لکھا تھا، کہ آپ زندان کے سزاوار نہ تھے، یہ سب مفسدون کی شرارت تھی، آپ چند دن کے لیے تبدیل مقام فرمائین — تاکہ فتنہ و فساد کا دروازہ بند ہو جائے، اسکے جواب مین واجد علی شاہ نے جو تحریر بھیجی تھی، اُسمین لکھتے ہین،

قسم اپنے قرآن کی اے جناب | یہ قرآن پر درج رسالت مآب
مین آگاہ اس شر سے ہرگز نہین | یہ بہتان ہوا ہے کہین کو کہد...

مجھے حکم ہو اپنے گھر مین رہون | جواب اطاعت جو دنیا سے دون
جہان مین رہونگا ثنا خوان ہون | گر قید غم مین پریشان ہون

لارڈ کیننگ کے التفات خاص پر واجد علی شاہ کو یہ حوصلہ ہوا کہ اپنی رہائی کی درخواست کرین اور انکی احتجاج بجانب بھی تھی لیکن انکی درخواست کا جو اثر ہوا اُسکو خود یون ظاہر فرماتے ہین،

نہ آیا مگر میرے خط کا جواب | نہ مجھسے کیا پھر کسی نے خطاب

قیدخانے مین ایک بدمست گورے نے انکو بُرا بھلا کہا، اُسکے متعلق لکھتے ہین،

خصوصاً ایک شب آنکھ میری لگی | نہ تھی نیند تھی بلکہ وہ اک غشی
کہ اک صاحب آکر زبان پر یہ لائے | خداوند کلمے نہ وہ بھی سنائے
جو کچھ جی مین آیا مجھے بک گئے | یہان تک بکے آخرش تھک گئے
کبھی کہتے تھے یہ ہی راجہ ہے واہ | ارے مل کے اسکو کرو سب تباہ
مرے بابا اور سیم مارے گئے | عزیز اس جگہ سے ہمارے گئے
کرون ایسے راجہ کی گردن حلال | نکھیڑا ہی جائے مٹے یہ وبال

اسوقت کا تصور کرو جب ایک عظیم الشان بادشاہ کو ایک معمولی گورا سپاہی ددیدہ دُرا بھلا کہہ رہا ہو، اور پھر وہ بیکس بادشاہ اتنا کہنے کا بھی اختیار نہ رکھتا ہو، کہ سامنے سے ہٹ جاؤ، اگرچہ اسی سلسلہ مین یہ بھی لکھا ہے، کہ مینے کرنیل سے شکایت کی اور اُنھون نے اُسے موقوف کر دیا لیکن اس سے اُس توہین کی تلافی نہین ہو سکتی۔

خاتمۂ کتاب پر ایک مناجات ہے جسمین نہایت سوز و گداز کیساتھ پُر اثر لفظون مین خدا سے اپنی مخلصی کی التجا کی ہے۔

اگر اُس کلی کی پژمردگی دیکھنا ہو جو گلزار اودھ کی آخری بہار مین کھلی نسیم عیش کے جھونکون مین جُھکی اور رنگینیون کے جھرمٹ مین مسکرائی، تو مثنوی حزن اختر کی سیر کرو۔

بلاشبہہ حُزن اختر کی اشاعت پر مولانا محبوب (ناظم دائرہ ادبیہ) کی ذات گرامی قابل رشک اور انکی سعی جمیل لائق تحسین ہے۔ خدا کرے وہ آیندہ بھی اس قسم کے جواہر پارے

دنیائے ادب کے سامنے پیش کرتے رہین جو زمانہ کے ہاتھون خاک مین مل رہے ہین۔

یہ کتاب، چھوٹی تقطیع کے ۹۴ صفحے پر شایع ہوئی ہے، شروع مین مولانا شرر لکھنوی کا مبسوط مقدمہ اور آخر مین، شکریہ کے عنوان سے مولانا محبوب کا قابل ضمیمہ شامل ہے کتابت وطباعت کی عمدگی کے علاوہ جلد نہایت خوشنما اور نظر فریب ہے، جسپر سنہرے حرفون مین بخط جلی حزن اختر لکھا ہے۔

قیمت مجلد عہ غیر مجلد ۸

" شائقین دائرۂ ادب محمود نگر لکھنؤ سے طلب فرمائین۔ "

نگار

یہ ادبی صحیفہ ہر مہینہ کے تیسرے ہفتہ مین آگرہ سے شایع ہوتا ہے، حضرت نیاز فتحپوری اسکے مدیر ہین۔ اس مین، علمی، تاریخی، ادبی، ہر قسم کے مضامین بالالتزام شایع ہوتے رہتے ہین حجلۂ نگار کا تیسرا پردہ اُٹھ چکا ہے جسمین عروس ادب فروکش ہے، یعنی نگار کا تیسرا نمبر شایع ہو چکا ہے اور وہی اسوقت ہمارے پیش نظر ہے، اسمین نظم و نثر کے چھوٹے بڑے سترہ مضامین شایع ہوئے ہین جسمین سے دس جناب نیاز فتحپوری کے قلم سے نکلے ہین،

ملاحظات مین جناب نیاز نے اپنی ادبی فطرت کے خلاف اعلان کردیا ہے کہ ٹیگور کے رنگ کا کوئی ایسا مضمون شایع نہین کیا جائیگا جسمین کچھ ندرت نہو، حالانکہ خود نیاز صاحب اس طرز تحریر کے دلدادہ ہین اور اکثر مضامین اسکے شاہد ہین جو دوسرے رسالوں مین چھپتے رہتے ہیں۔ ہمایون کے کسی گزشتہ پرچہ مین آپ کی طرف سے چند سطرین بطور فٹ نوٹ شایع ہوئی تھین، جو اسی رنگ مین ڈوبی ہوئی تھین، ہان اُسمین ندرت ضرور تھی کیونکہ اُسکا ایک فقرہ غالبًا یہ تھا، درآنحالیکہ اُسکی آنکھون سے عشق پرداز قہقہے چھلک رہے تھے، اگر ندرت اسی عشق پرداز قہقہے مین مخفی ہے تو کاش نگار اس ندرت سے ہمیشہ کے لیے محروم رہتا،

ابتدا میں دو تاریخی مضامین ہین جنکی خوبی مین کلام نہین، لیکن لالۂ رُخ کے عنوان سے جو ناتمام اور طویل افسانہ، بہ سلسلہ اشاعت ماسبق، شایع کیا گیا ہے، اسمین اردو ادب کے عجیب

غریب نمونے موجود ہین، صاحب مضمون ایک جگہ تحریر فرماتے ہین

" غریب لڑکی، اگر تو میرے پاس اسلیئے بھیجی گئی ہے کہ اپنے حسن کی تابناکیون، اور اپنی موسیقی کی لطافت باریون سے میرے دلکو غیر مقدس خواہشات لبریز کر دے ۔"

اسمین تابناکیون، لطافت باریون اور غیر مقدس، کا استعمال اسقدر بیموقع اور غیر فصیح ہی کہ اُردو زبان اس ثقالت کی متحمل نہین ہوسکتی، اسی طرح رقیق رقص، موسیقیت، سیّال، کوثر نگاہ، جاذب سامعہ وغیرہ نہایت غیر فصیح بلکہ مہمل ترکیبین ہین، بہتر ہو کہ نیاز صاحب اس قسم کی ترکیبونکا کوئی لغت طیار کر دین تاکہ ناظرین نگار کے لیئے آسانی ہو جائے۔

دوسرا افسانہ محبت کی دیوی، خاص نیاز صاحب کی تخئیل کا ممنون ہے۔ اسمین شک نہین کہ بلحاظ عبارت آرائی یہ افسانہ بہت ہی دلکش ہے لیکن نری لفاظی ہی لفاظی ہے، قصہ صرف اتنا ہے کہ رادھا نے مندر مین کسی شخص کو دیکھا اُسنے رادھا کو شرافت و عزّت کی دیوی سمجھکر اُسکی طرف کوئی حیاسوز التفات نہ کیا، رادھا اُسکے عشق مین چند دن تک گھلتی رہی، اور انجام کار ایکدن شب کے وقت مندر مین جاکر خود کشی کر لی، اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا، اسکے علاوہ سیاق عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رادھا حیاسوز التفات سے واقف تھی درآنحالیکہ اُسکی معصومیت گھونگھٹ کے اندر بھی نگاہ کو پلکون سے باہر نہ نکلنے دیتی تھی، اخلاق کی یہ قلمونی کسقدر خلاف عقل ہے

نیاز صاحب نے رادھا کی زبان سے بھاشا کے فقرے ادا کرنے کی کوشش ضرور کی ہے لیکن انہین کامیابی نہین ہوئی کیونکہ استھان دیوتا، بیتھوون کے ساتھ، الوہیت محسوس معبد شراٸین نگاہ محبت فروز وغیرہ وغیرہ کا کوئی جوڑ نہین،

آلہتہ الجمال، سیم افشانیان، لمعانیت، تماشا سوز عذر، یہ وہ ترکیبین ہین جو رئیس التحریر نگار کے سوا کوئی لکھ نہین سکتا، ل احمد صاحب کی تمنا بھی خاص زبان ہے اسی افسانہ کے پیچھے ل احمد صاحب کی طرف سے ایک عجیب غریب تخئیل پیش کی گئی ہے جسے پڑھکے حیرت کی کوئی انتہا نہین رہتی، خدا جانے اس نتیجے کا حل کیا ہے"

"فطرت کے مسرف ہونیکا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اُسنے ہر عورت کو علیحدہ علیحدہ زبان دی ہے۔"

معلومات کی تحت مین کوئی خاص بات نہین، مشین گن، آہن پوش جہاز، ڈمڈم گولیان، تار بیڈو وغیرہ بارود وغیرہ وغیرہ، عام چیزین ہین اگر آپ لکھین تو اس قسم کی ہزارون چیزین کاغذ سیاہ کرنیکیلئے مل سکتی ہین۔

یاران نجد کا صفحہ، خلوت خاص کا لطف رکھتا ہے، اصطلاحی زبان کو کون سمجھے نہ معلوم یاران نجد کا شیخ کون ہے؟

نظم کوئی بھی نہین صرف غزلین ہین فانی صاحب کی غزل بہترین غزل ہے، سہا صاحب کی غزل بھی خوب ہے لیکن مقطع مین ردیف کرر ہوگئی ہے ؎ "کیا پس و پیش ہے سہا بڑھکے گلے لگا بھی جا" "جا" کی جگہ "لے" ہو تو زیادہ مناسب ہے

بایں ہمہ نگار اردو ادب کا قابل دید رسالہ ہے۔ کاغذ عمدہ کتابت و طباعت دیدہ زیب، ماہوار ۸۰ صفحے پر شائع ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ پانچ روپیہ ؏، ششماہی تین روپیہ ؏

شائقین ادب اس پتہ پر درخواست خریداری ارسال فرمائین "دفتر نگار من ٹولہ آگرہ"

نقیب

بدایون کا یہ ادبی چاند ایکی مرتبہ شیخوپور ضلع بدایون کے افق پر نور سے طلوع ہوا ہے، وہی شان حسن، وہی ادب طرازی، وہی جلوہ نمائی، وہی سنجیدہ ظرافت، وہی سحر طرازی جو اُسکی شعاعون مین پہلے تھی اب بھی ہے۔ لیکن نقیب کے پہلے پرچہ مین اڈیٹر نقیب کی معذرت یا تمہید اشاعت پڑھکر قدردانان نقیب کے دل مین ابھی سے یہ خیال کانٹے کی طرح کھٹکتا ہوگا کہ معلوم نہین نقیب سے غیابتہ الجب کا زمانہ شروع ہو جائے۔ بہرحال ہماری دعا ہے کہ بارالہا نقیب کی عمر مین برکت دے اور اڈیٹر نقیب کو استقلال عطا فرما۔

شائقین ادب اگر متانت مین ظرافت اور ظرافت مین متانت کا جلوہ دیکھنا چاہتے ہین تو رسالہ نقیب کا مطالعہ کرین اور دفتر رسالہ نقیب (شیخوپور) بدایون کے پتہ پر درخواست خریداری ارسال فرمائین"

"اعظمی"

ایک دکھے ہوئے دل کی فریاد

عید کا چاند دیکھکر

خیر ہو لے خدا کہ آج ہوک سی اٹھ رہی ہے پھر — دل کی تڑپ وہی ہے پھر سوز جگر وہی ہے پھر

چین نہیں کسی طرح بدلی ہیں کروٹیں ہزار — آنکھ سے نیند اڑ گئی دل سے چلا گیا قرار

جب نہ ملے مجھے قرار ہائے تو پھر میں کیا کروں — دل پہ نہ ہو جو اختیار ہائے تو پھر میں کیا کروں

سوتے ہیں لوگ چین سے ستی ہوئی آجاتی ہے — آہ ہے رات کاٹنا مجھکو ابھی پہاڑ سی

ہائے وہ ٹیس پھر اٹھی پھر ہوئی مجھکو بیکلی — درد کے ساتھ یا خدا جان بدن سے نکل چلی

ضبط کی تاب اب نہیں آنکھ سے اشک ہیں رواں — کوئی کہے تو کیا کہے جب ہوں یہ بیقراریاں

خون میں مل کے دل بھی آہ اشک کے ساتھ بہ گیا — سینہ میں اب بجائے دل درد ہی درد رہ گیا

سینہ میں دل نہیں تو پھر ہائے یہ درد کس میں ہے — دل کی جگہ ہے اور کیوں درد کی ٹیس جس میں ہے

آج تو آنسوؤں کے ساتھ خون بھی ہے ملا ہوا — ہائے مجھے یہ کیا ہوا؟ غم نہ ہوا بلا ہوا

رات مری گزار دے دل کو ذرا قرار دے — دونوں نہ ہوں تو یا خدا موت پہ اختیار دے

مجھ پہ گزر رہی ہے جو کسکو بتاؤں اور کیا — تجھ سے دل تو آج خون بن کے زبان بول اٹھا

یاد ہیں دن کہ جب مجھے رنج نہ تھا الم نہ تھا — عیش کی زندگی تھی اور جان پہ کچھ ستم نہ تھا

میرے لیے بلائے جان دہر کی خواہشیں نہ تھیں — درد کی کاوشیں نہ تھیں فکر کی کاہشیں نہ تھیں

کوئی بھی دکھ نہ تھا اگر ہو تو مجھے خبر نہ تھی — جیسی ہے آج خستگی ایسی تو عمر بسر نہ تھی

سینہ میں دل بھی تھا مگر دل پہ یہ بار غم نہ تھا — داغ بہار دل نہ تھا سینہ لگا غم نہ تھا

ہائے یہ کس سے لڑ گئی اپنی نظر کو کیا کہوں — پھانس سی دل میں گڑ گئی اس کی نظر کو کیا کہوں

آنکھ سے جب گئی نظر پھر وہ پلٹ کے آئے کیوں — آئی تو خیر آ گئی درد کو ساتھ لائے کیوں

عید کا چاند دیکھکر

چاند کو دیکھنے گئی، درد کو سینکے آئی ہے
ہائے یہ عید اور بھی مجھ پہ عذاب لائی ہے

آگئی عید آگئی، سارا زمانہ شاد ہے
ہو مگر اسکو کیا خوشی آہ جو نامراد ہے

میرے بھی دل مین آئے یہ، ایسی خوشی کو کیا غرض
مجھسے گلے ملے کوئی، ایسی کسی کو کیا غرض

رشک نہین حسد نہین، مجھکو کسی کے عیش پہ
مین بھی ہون خوش، یہ آرزو لیتی ہے چٹکیان مگر

ہان کوئی یاد آگیا، دیکھ کے عید کا سمان
دل مین اُٹھا ہے درد سا، آنکھونسے اشک ہین روان

تل گئے خون رونے پہ جب مرے دیدہ ہائے تر
کچھ مجھے یاد آگیا، رہ گیا دل کو تھام کر

آہ کبھی مری بھی عید آتی تھی مجھکو یاد ہے
میرے لیے بہار عیش، لاتی تھی مجھکو یاد ہے

عید تو آئی ہے مگر، عیش کہان سے لاؤن مین
عید تھی جنکے دم سے آہ، انکو کہان سے پاؤن مین

عید وہ کیا کہ عیش کی، کوئی امید ہی نہین
جسمین نہو کوئی خوشی، عید وہ عید ہی نہین

پاس ہو جب شریکِ غم دکھ بھی کوئی الم نہین
اور نہ ہو انیس تو، عیش بھی غم سے کم نہین

سید محمود اعظم فہمی ترمذی

ایک انگریز ایک مسلم سے مخاطب یون ہوا
ہے عقیدہ مسلمون کا مین نے یہ حضرت سنا

جسنے یہ سمجھا کہ زندگی زیست کا مقصود ہے
شک نہین اسمین ذرا وہ کندۂ دوزخ بنا

عمر بھر جس شخص کا شیوہ رہا کارِ ثواب
داخل جنت ہوا لاریب وہ مرد خدا

مین نے مانا کافر و برگشتہ میری قوم ہے
اور اسمین نیک لوگون کا نہین لگتا پتا

ہاتھ دل پر ہان ذرا رکھکر یہ فرمائین جناب
کیا نہین ہین ہم مین کوئی متقی و پارسا

قوم بھر مین ایک بھی گر آپ کے نزدیک ہو
قابل بخشش کہ جنت جسکو ہو جائے عطا

قوم کی کشتی کا پھر تو غم نہین مطلق مجھے
ساحل مقصود پر لے جائیگا یہ ناخدا

لطف جنت چھوڑ کر پڑ جائیگا اس فکر مین
گلشن رضوان پہ کیونکر ہوگا قبضہ قوم کا

قوم ساری جب بدوزخ جائیگی جنت مین جناب
چین سے بیٹھے گا تب جا کر فدائی قوم کا

دیکھ غافل! اتحادِ قوم اس کا نام ہے
[illegible] کہین اعتمادِ قوم اس کا نام ہے

سلیم جعفر

سرِ بقا

(بجواب سرِ فنا)

اُٹھاؤں مفت میں کیوں نازِ اضطراب کا رنج ابھی تو عیشِ تمنا کا ہے مزا باقی
ابھی تو قلب میں طوفانِ آرزو ہی بند ابھی ہے عہدِ تجلا کا آسرا باقی
دبا رہا ہے مجھے یہ شکوۂ فطرت کیوں؟ ابھی ہے مجھ میں ابھرنے کا حوصلا باقی
سکونِ مضطرب اک ہے اگر نہیں کچھ بھی ابھی ہے ولولۂ آہِ نارسا باقی
نہ شکوہ ہے مجھے مجبوریِ نگاہ کا اب نہ اب ہے جلوۂ مغرور کا گلا باقی
نہ اب شکایتِ رنجِ گراں مرے لب پر نہ اب حکایتِ صبرِ گریز پا باقی
نہ اب ہے قلب میں احساسِ مدعا کی خلش نہ اب ہے روح میں بیتابیِ دعا باقی
نہ اب حواس پہ طاری ہے مرے ہراس و یاس کہ عقل کا نہیں سرمایہ اب ذرا باقی
یہی تو عین حقیقت ہے، مٹ گئے کل نقش "خیال میں نہ رہا رنگِ ماسوا باقی"
مجال کیا ہے تصور جو غیر کا آجائے کہ میرے دل میں ہے سرمستیِ انا باقی
بنے نہ ہوشِ نظارہ، کہیں سرابِ نگاہ ابھی مجاز سے ہے، اُسکا سلسلا باقی
نگاہ خیز ہے، ہر ذرۂ بدن میرا نہیں ہے آنکھ کی اب جستجو ذرا باقی
کمالِ اوج پہ اُس حسنِ بے نیاز میں ہے جمالِ شوخی و رنگینیِ ادا باقی
جو خون ہوتا ہے ہر دل، عشق میں نمود نے ابھی نکھرنے کو ہے رنگِ ارتقا باقی
کچھ اسطرح سے بدلجائے ماہیت میری بیاں ہو نہ سکے، کوئی کیفیت میری
گزر نہیں ہے وہاں گرچہ لفظ و معنی کا مگر ہے قلب میں اک بے جہت صدا باقی
مثالِ بحر مجھے بے کنار ہونا ہے ابھی نمود کی اپنے ہے انتہا باقی

نہیں ہے کچھ نہ سہی، واقفِ سوز و ساز تو ہوں
ہزار شکر کہ آگاہِ امتیاز تو ہوں

سعید انصاری

لطفِ سخن

حضرت صفدر مرزاپوری

جگر کے زخم کی کیا فکر چارہ جو کرتے — تمہیں نے چاک کیا ہے تمہیں رفو کرتے

چمن مین آپ سے کیا گُل کے گفتگو کرتے — یہ مُنھ گلون کا جو دعوائے رنگ و بو کرتے

ہمارے آئینۂ دل سے کوئی بحث نہ تھی — تم اپنے مدِّ مقابل سے گفتگو کرتے

یہ لفظ ہے وہ معمّا کہ حل نہ ہو سکتا — تمام عمر اگر شرح آرزو کرتے

قیامت آئے نہ کیون قبر پر سبو بردوش — ازل کے مست اُٹھے ہین سبو سبو کرتے

تلاش یار مین مجھ سے بھی دو قدم آگے — نکل گئے ہین مرے اشک جستجو کرتے

گرے ہوئے تھے ہماری ہی آنکھ سے صفدر — ان آنسوؤن کی وہ کیا خاک آبرو کرتے

جناب محشر لکھنوی

عشق نے جب غم کونین سے آزاد کیا — مین نے جی کھول کے ہر وقت تجھے یاد کیا

نزع مین یون نہین علاج دل ناشاد کیا — ایک ایک ہچکی پہ کیا کیا نہ اُنھین یاد کیا

عشق دشمن سے بھی اپنے نہین کرتا وہ سلوک — تو نے یوسف سے جو اے حسنِ خدا داد کیا

لذت ظلم نے جذبات کے یون کھوئے حواس — رُخِ نشیمن کا سوئے خانۂ صیاد کیا

سامنے آنکھون کے ہے منزل مقصد کا سواد — کوچۂ دوست سے قصد عدم آباد کیا

مل کے یکسان ہوئی لبیک صدائے فریاد — اسطرح اہل محبت نے تمہین یاد کیا

غمکدہ اپنا بنا لینگے خدائی سے الگ — اب کسی نے جو کبھی شکوۂ فریاد کیا

نظر آنے لگی تصویر طلسم غفلت — ہنس پڑا کھوئی ہوئی عمر کو جب یاد کیا

اونکی اس یاد پہ بھی دل سے فدا اے محشر — ہم بلائے گئے جب ظلم نیا ایجاد کیا

مولانا محوی لکھنوی

قفس کو حسنِ ظن سے ہم نے گلشن عمر بھر جانا
نکلنا ورنہ مشکل تھا، تو کیا مشکل تھا مر جانا

وہ دل جسنے تجھے جانِ تمنا عمر بھر جانا
اُسی کی ایک گستاخی پہ اتنا روٹھ کر جانا

تجھے بھی کچھ خبر ہے او مئے عشرت کے متوالے
کہ کیا ہے اک جوان بے گنہ کا خون کر جانا

خدا کا رحم اُس بیمارِ غم "مایوسِ ارمان" پر
رحم کو جسنے درمان اور اجل کو چارہ گر جانا

نسب دیوانگی اُس بے نیاز عقل و حکمت کی
کہ تیری رہگذر کو جسنے ظالم اپنا گھر جانا

نگاہِ مست ساقی کیا بتا دُن اہل محفل نے
تجھے کیون فتنہ زا سمجھا - تجھے کیون فتنہ گر جانا

مرے مرنے کے بعد اللہ یہ کیا ہو گیا تمکو
جہان ٹوٹی سی تربت دیکھنا دم بھر ٹھہر جانا

تمہین کچھ اپنی جانِ دل کی بھی پروا نہین محوی
کسی کی جلوہ گاہِ ناز مین اور یون نڈر جانا،

جناب جگر مُرادآبادی

آدمی نشۂ غفلت مین بھلا دیتا ہے
ورنہ جو سانس ہے تعلیم فنا دیتا ہے

روح پر جو بھی گزرتی ہو تصور مین ترے
یہ تو ظاہر ہے کہ رگ رگ کو ہلا دیتا ہے

بادۂ ناب عجب چیز ہے ساقی لیکن
اور ہی کچھ ترے ہاتھون سے مزا دیتا ہے

جھلملاتے ہوئے تارون کا یہ اللہ ری اثر
سامنے سے کوئی پردہ سا ہٹا دیتا ہے

کیون نہ تڑپا دل مضطر کا ہو مجھکو عزیز
کہ ترے دردِ محبت کا پتا دیتا ہے

تجھ سے مین دو کسیوقت نہین ہون غافل
دل مین بیٹھا ہوا کوئی یہ صدا دیتا ہے

مجھ سے وحشی ترے غافل نہین ہونے پاتے
روز آکر کوئی زنجیر ہلا دیتا ہے

ہائے کیا چیز گُلِ داغِ محبت ہے جگر
خشک ہونے پہ بھی جو بوئے وفا دیتا ہے

از سیّد محمد ہادی مچھلی شہری بی اے

بوجھ سینے کا دمِ نزع بھی ہلکا نہ ہوا
آہ کا ننگ مرے دلکو گوارا نہ ہوا

دل کی آنکھوں سے ہمیشہ اونہیں دیکھا مین نے
کبھی رسوا مرا اندازِ تماشا نہ ہوا

آپکے وعدۂ فردا کا نتیجہ کیا ہے
دلِ محرومِ تمنا تو شکیبا نہ ہوا

عمر بھر کشمکشِ بیم و رجا مین رکھا
فیصلہ تیری نگاہون سے ہمارا نہ ہوا

کیجیئے ترکِ تعلق کی شکایت کس سے
مدّعا خود ہی شریکِ دلِ شیدا نہ ہوا

ضبط کیون حائل اظہارِ مصیبت ہوتا
یہی حسرت ہو کہ مین دردِ سراپا نہ ہوا

اللہ اللہ تری برقِ نظر کی تاثیر
جب سے اب تک دلِ بیتاب شکیبا نہ ہوا

کیا قیامت ہو محبت کی بھی ایذا طلبی
زخم جو دل کو لگا پھر کبھی اچھا نہ ہوا

چھوڑ بیٹھے مجھے تقدیر پہ آخر ہادی
چارہ سازون سے علاجِ غم پیدا نہ ہوا

حضرت احسن سنبھلی ناظم حلقہ ادبیہ کانپور

کبھی ہنگامہ آرائے جہان بھی داستان میری
مگر اب سانس بنکر لب تک آتی ہو فغان میری

یہ مانا ہینے رسوائے زمانہ ہو فغان میری
ذرا پوچھو تو تم اپنی نظر سے داستان میری

چلی ہے کیا خیالِ بے اثر لیکر فغان میری
انھین شاید پسند آئے نہ آئے داستان میری

وہ مایوسی کا عالم وہ چمن سے آخری رخصت
نگاہین کہہ گئین اٹھ اٹھ کے سوئے آشیان میری

خدا معلوم ہین کس رنگ مین دلکی تمنائین
کہ آئی خون مین ڈوبی ہوئی لب تک فغان میری

برنگِ بوئے گُل پھیلی ہوئی ہو میری رسوائی
صبا گویا لیے پھرتی ہو ہر سو داستان میری

سرِ محفل ہوا رازِ محبت بے حجاب آخر
کہین پردے مین رہتی ہو نظر اُنکی فغان میری

غنیمت ہے اداسی بھی شبِ غم کی غنیمت ہے
کہا کرتی تھی ساری رات مجھسے داستان میری

وہ گھبرائی ہوئی صورت وہ شرمائی ہوئی آنکھیں
نہ جانے اُنسے کیا کہہ آئی ہو جا کر فغان میری

بہار آئی ہے میری خانہ بربادی کے سامان مین
جھکی پڑتی ہے بارِ گل سے شاخِ آشیان میری

انھین آنسو نہ سمجھو نالۂ خاموش ہین احسن
ہوئی ہو آشنائے رازِ خاموشی فغان میری

مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۲۵۱ — ۱۲ ؍

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، — عہ؍

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم، — ۲؍
دوسری ریڈر طبع دوم، — ۴؍

رسالہ اہل سنت والجماعت، فرقہ اہل سنتہ والجماعت کے اصولی عقائد کی تحقیق، (زیر طبع) — ۸؍

حیات مالک، امام مالک کی سوانح عمری اور موطائے مالک کی تبصرہ — عہ

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور سلاطین ہند کے سکون اور کتبون سے انکا ثبوت، — ۸؍

دنیائے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد مین خلافت عثمانیہ کے قیام وبقا کے لیے دنیا کی مسلمان قومین کیا جد وجہد کر رہی ہین مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہین، — ۶؍

خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام اس مین دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانون اور اسلامی ملکون کی گذشتہ صدیون مین کیا خدمتین انجام دی ہین، — عہ؍

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتون کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے، — ۴؍

مولنا عبد السلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابہ کرام کے عقائد، عبادات اخلاق، معاشرت کی صحیح تصویر اور قرن اول کے اسلام کا عملی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے ضخامت ۴۵۰ صفحے — ؍

اسوۂ صحابہ جلد دوم، صحابہ کے سیاسی، انتظامی، اور علمی کارنامون کی تفصیل، صفحات ۴۷۵ قیمت للعہ

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قومون کی ترقی وتنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ طبع دوم، قیمت عا؍

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارنامون کا مرقع، قیمت عہ؍

مولوی عبد الباری ندوی

برکلے اور اسکا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اوس کے فلسفہ کی تشریح مجلد عا غیر مجلد عہ؍

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ ترجمہ جس مین حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، مجلد — عا؍

مولوی عبد الماجد بی اے

مثنوی بحر المحبت، شیخ مصحفی کی ایک نایاب مثنوی مع سوانح مصحفی، — ۱۲؍

فلسفہ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح، — عا؍

تاریخ اخلاق یورپ، لیکی کی مارل ہسٹری آف یورپ کا ترجمہ جس مین فلسفۂ اخلاق پر ضمنی مباحث کے علاوہ یورپ کے تدریجی اخلاقی رفتار کی تشریح کی ہے، قیمت جلد اول ۳؍، جلد دوم عا؍

مکالمات برکلے، برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جس مین مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے قیمت باختلاف کاغذ عہ؍ و ۱۲؍

مولوی سعید صاحب انصاری

تفسیر ابو مسلم اصفہانی، (عربی) معتزلہ کی مفقود اور نادر الوجود عقلی تفسیر قرآن کے اجزا جو نہایت دیدہ ریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہین، عمدہ ٹائپ مین چھپی ہے قیمت عا؍

سیر الصحابیات، ازواج مطہرات، بنات طاہرات

اور عام صحابیاتؓ کی سوانح عمریان اور اون کے علمی واخلاقی کارنامے، قیمت ۸ر

پروفیسر سید نواب علی ایم اے

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف اور فلسفۂ جدید اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ ۱۲ر

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات دربارۂ جمع قرآن کا جواب قسم اول، ۱۲ر، دوم ۱ر

شمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی، قومی، اور فلسفیانہ نظمون کا مجموعہ، ۱۰ر

مولوی محمد یونس فرنگی محلی

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس مین انسانی جماعت کے اخلاق، پبلک رہنمایون کی خصوصیات، اور جماعتون کے بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہین، صفحہ ۲۳۲، ۱۲ر

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح ۱۲ر

تذکرۃ الحبیب، یعنی رسول صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان ۱۲ر

مذہب کی باتین، بچون اور بچیون کی تعلیم کے لیے ۴ر

رسالہ قوت خیال، درستی اخلاق کے باب مین ایک مشہور انگریزی رسالہ کا ترجمہ، ۴ر

اثبات واجب الوجود، یعنی ذات وصفات واجب الوجود پر عقلی پہلو سے ایک نظر، ۱۲ر

تاریخ ابو البشر، کیفیت آغاز نوع انسانی حسب تحقیقات جدیدہ ۱۲ر

منشی محمد مہدی صاحب نائب مہتمم تاریخ بھوپال

انسان، علم خواص الاعضاء کے ابتدائی مسائل سلیس و عام فہم زبان مین، ۸ر

رموز فطرت، طبیعات طبقات ارض، ہیئت اور جغرافیہ طبعی کے ابتدائی مسائل عام فہم اور سلیس عبارت مین، ۱۲ر

منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال

بیگمات بھوپال، مصور و مجلد، ۱ر

گیارہ قصے، اخلاقی، معاشرتی، مذہبی، ۸ر

نعت پیمبر، عربی فارسی و اردو کی چند نعتیہ نظمون کا مجموعہ، ۸ر

پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی

الاستدلال، اس مین علم منطق کے اصول نہایت خوبی و عمدگی کیساتھ سلیس [illegible] سہل طریقہ سے بیان کئے گئے ہین، صفحہ ۲۰۱، ۱۲ر

الانسان، اس مین انسان کے تمام قوائے نفسانی و جسمانی اور خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کی گئی ہے صفحہ ۲۱۳، قیمت ۸ر

تسہیل [illegible]، اردو زبان مین فن فصاحت و بلاغت اور بدیع پر دلکش اور سہل و آسان کتاب، ۱ر

حکمت عملی، فن اخلاق پر جدید و قدیم معلومات کی جامع کتاب، ۱ر

متفرق کتابین

یاد ایام، مولانا عبد الحی صاحب مرحوم ناظم ندوۃ العلما نے اس کتاب مین گجرات کی اسلامی تاریخ کے مختلف پہلو دکھائے ہیں اور وہان کے امرا و وزرا اور علما اور مشائخ کے حالات اور علوم و فنون کی ترقی نہایت تاریخی تحقیق و تفصیل سے لکھے ہین، ۱۲ر

سیاحت قسطنطنیہ، مولانا شبلی مرحوم کی فرمائش سے خواجہ سید رشید الدین صاحب نے مشہور پروفیسر ہنکیمی لر کے سفرنامہ قسطنطنیہ کا اردو مین ترجمہ کیا ہے، ۱۲ر

بدیہہ گوئی، جناب ہوش بلگرامی نے اس کتاب مین عربی، فارسی اور اردو کے شعرا اور ادیبون کی بدیہہ گوئی کے دلچسپ واقعات یکجا کئے ہین قیمت ۱۲ر

الندوہ کی جلدین موجود ہین، قیمت فی جلد ہے، قیمت فی نمبر ۱ر، دفتر ندوہ کے پتہ سے